إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ

تفسیر القرآن العظیم

www.KitaboSunnat.com

قرآناً عجباً

مختصر سوال و جواب کی صورت میں

قَالَ اَلَمْ - 16

نگہت ہاشمی

ALNOOR-PUBLICATIONS
النور

بسم اللہ الرحمن الرحیم
قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام
محدث لائبریری
کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com
library@mohaddis.com

اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا یَّهۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ

تفسیر القرآن العظیم

قرآنا عجبا

مختصر سوال و جواب کی صورت میں

قَالَ اَلَمۡ -16

نگہت ہاشمی

ALNOOR-PUBLICATIONS
النور

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب : قُرْآنًا عَجَبًا (پارہ: 16)

مصنفہ : نگہت ہاشمی

طبع اول : مئی 2020ء

طبع دوم : نومبر 2021

طبع سوم : نومبر 2023

تعداد : 1100

ناشر : النور انٹرنیشنل

لاہور : 59-C2 ، فیروز پور لنک روڈ، لاہور

فون نمبر : 0336-4033045, 042-37500049, 042-37500048

کراچی : گراؤنڈ فلور کراچی بیچ ریزیڈنسی نزد بلاول ہاؤس، کلفٹن بلاک III، کراچی

فون نمبر : 0336-4033034 - 021-35292341-42

فیصل آباد : 121-A فیصل ٹاؤن، ویسٹ کینال روڈ، فیصل آباد

فون نمبر : 03364033050, 041-8759191

ای میل : sales@alnoorpk.com

ویب سائٹ : www.alnoorpk.com

فیس بک : Nighat Hashmi, Alnoor International

پرنٹنگ اینڈ ڈیزائننگ

دارالسلام قرآن پرنٹنگ کمپلیکس، کوٹ عبدالمالک انٹرچینج، لاہور

+92-321-8484569 | +92-300-1001345

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عرض ناشر

الحمد لله رب العٰلمين والصلاة والسلام على النبي الكريم وعلى آله وصحبه أجمعين.

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے اور بہترین انجام متقین کے لیے ہے۔ قارئین کرام! ہمیں جو زندگی عطا کی گئی وہ نہایت مختصر ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے: ؎ آ کے بیٹھے بھی نہ تھے کہ نکالے بھی گئے

دلی تمنا ہے کہ زندگی گزارنے کی جو مہلت ملی ہے، اس میں ایسا کام کر جاؤں کہ جب اس جہان سے چلی جاؤں، اگلی زندگی کے انتظار میں قبر میں رکھ دی جاؤں تو میری کتابِ زندگی، میرا نامہ اعمال بند نہ ہو، ایسی نیکیوں کے لیے کھلا رہے جو باقی رہنے والی زندگی کے کام آئیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «**أَحَبُّ النَّاسِ إِلَى اللهِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ**» ''لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ وہ ہے جو لوگوں کے لیے نفع مند ہو۔'' (سلسلہ احادیث صحیحہ: 906)

دنیا کا سب سے قیمتی علم ''قرآن مجید'' کا ہے۔ فرمانِ نبوی ہے: «**خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ**» ''تم میں سے سب سے بہترین وہ ہے جو قرآن مجید کو خود سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔'' (صحیح البخاری: 5027)

معلوم ہوا کہ قرآن مجید کو سیکھنے اور سکھانے سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں اور سب سے بڑا تعاون ''طالب علم'' کے لیے آسانیاں پیدا کرنا ہے۔ جدید دور کے تقاضوں کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کو عام فہم انداز میں پیش کرنا نہایت ضروری ہے۔ جہاں آسان الفاظ کا انتخاب ضروری ہے، وہیں اس کے مضامین کو عام فہم اسلوب میں پیش کرنا بھی ضروری ہے۔

تفسیر «قرآنًا عجبًا» میں سوال و جواب کے انداز میں ایسے نکات پر روشنی ڈالی گئی ہے جن پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ اس تفسیر میں سوال اٹھا کر اور جواب کو سادگی کے ساتھ مختلف نکات میں بانٹ کر جو آسانی پیدا کر دی گئی ہے اس کی وجہ سے معزز قارئین کے لیے قرآن مجید کو سیکھنے اور سکھانے میں سہولت پیدا ہو گی۔ **ولله الحمد!**

اللہ تعالیٰ کا پیغام «قرآنًا عجبًا» کی صورت میں ''گھر گھر تک، دنیا بھر تک'' پہنچانا چاہتے ہیں اور اجر کی امید بھی اسی سے رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رسی ''قرآن مجید'' کو ہر ہاتھ میں تھمانا چاہتے ہیں جس کا ایک سرا بندے کے ہاتھ میں اور دوسرا سرا ہمارے ''رب'' کے ہاتھ میں ہے۔ کیا آپ اللہ تعالیٰ کی رسی کو خود تھام کر دوسروں کو نہیں تھمائیں گے؟

قرآن سیکھیں ـــــ دوسروں کو سکھائیں　　　خود پڑھیں ـــــ دوسروں کو پڑھوائیں

ایک آیت روزانہ گھر والوں میں بیٹھ کر، کسی آفس میں، کسی بھی مقام پر پڑھنا مشکل نہیں۔ ذوق ہو تو زیادہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ آیئے! بے مثال زندگی کے لیے آج ہی سے اس کا آغاز کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

دعاؤں کی طلب گار: **فائزہ خان** (مینیجنگ ڈائریکٹر النور پبلیکیشنز)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

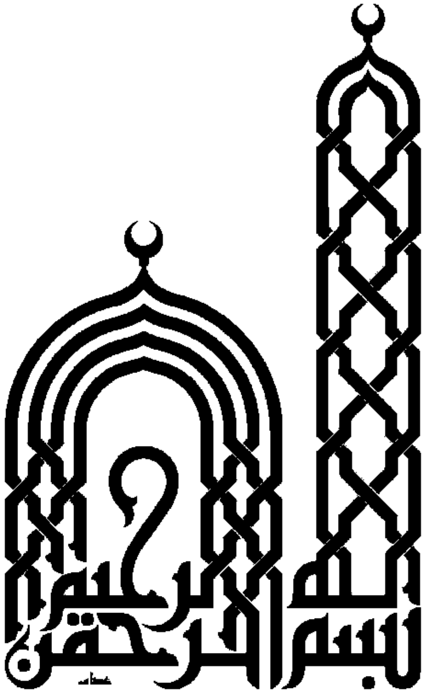

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

﴿قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكَ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا﴾

''اُس نے کہا: ''کیا میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکو گے'' (75)

سوال: سیدنا خضر علیہ السلام نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بے صبری پر اُنہیں جو جواب دیا تھا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ اَلَمۡ ... صَبۡرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكَ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا﴾ ''اُس نے کہا: ''کیا میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکو گے'' سیدنا خضر علیہ السلام نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ایک بار پھر شرط یاد دلائی اور کہا کہ آپ وعدہ خلافی کر رہے ہیں۔

(2) پہلی بار سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض بھول چوک کا نتیجہ تھا۔ دوسری مرتبہ کا اعتراض صبر نہ کر سکنے کی وجہ سے تھا۔ یقیناً صبر بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَمَنۡ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ﴾ ''اور یقیناً جو صبر کرے اور معاف کردے، تو بلا شبہ یہ یقیناً بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔'' (الشوریٰ:43)

(3) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اپنے اوپر زور ڈال کر بھی صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے صبر و استقلال دے دیتا ہے اور کسی کو بھی صبر سے زیادہ بہتر اور اس سے زیادہ بے پایاں خیر نہیں ملی۔ (صبر تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے)'' (بخاری:1469)

﴿قَالَ اِنۡ سَاَلۡتُكَ عَنۡ شَىۡءٍۢ بَعۡدَهَا فَلَا تُصٰحِبۡنِىۡ ۚ قَدۡ بَلَغۡتَ

''موسیٰ نے کہا: ''اس کے بعد اگر میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھوں تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں، یقیناً آپ

مِنۡ لَّدُنِّىۡ عُذۡرًا﴾

میری طرف سے عذر کو پہنچ گئے ہیں'' (76)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سیدنا خضر علیہ السلام کی تنبیہ پر کیسا رویہ رکھا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ اِنۡ ... عُذۡرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ''سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔''

(2) ﴿اِنۡ سَاَلۡتُكَ عَنۡ شَىۡءٍۢ بَعۡدَهَا﴾ ''اس کے بعد اگر میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں پوچھوں'' یعنی اس کے بعد اگر میں نے آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

(3)﴿فَلَا تُصٰحِبْنِيْ﴾ ''تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام اس بار معذرت کے ساتھ خود ہی سزا بھی تجویز کر لیتے ہیں کہ اگر اب میں نے وعدہ خلافی کی تو آپ مجھے اپنی صحبت کے شرف سے محروم کر دیجئے گا۔

(4)﴿قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا﴾ ''یقیناً آپ میری طرف سے عُذر کو پہنچ گئے ہیں'' مجھے اس پر اعتراض نہیں ہوگا اور اب آپ کو میری جانب سے معقول عذر مل گیا ہے۔

(5) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا فرماتے تو پہلے اپنے آپ سے ابتدا فرماتے اور کہتے: ''اللہ کی رحمت ہو ہم پر اور موسیٰ پر۔'' پھر فرمایا: ''اگر وہ صبر کر لیتے تو وہ اپنے صاحب (سیدنا خضر علیہ السلام) سے بہت سے عجائب دیکھتے۔'' (ابوداؤد: 3984) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رحم کرے اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر مجھے آرزو رہی کہ وہ صبر کرتے اور اور باتیں دیکھتے اور ہم کو سناتے۔'' (مسلم: 2380)

﴿فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ

''چنانچہ وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ وہ دونوں ایک بستی والوں کے پاس آئے، انہوں نے اس کے باشندوں سے کھانا طلب کیا تو

يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ

اُنہوں نے انکار کر دیا کہ وہ ان کی مہمان نوازی کریں، پھر ان دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار پائی جو چاہتی

فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾

تھی کہ گر جائے تو اس نے اُسے سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا: ''اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اُجرت لے لیتے'' (77)

سوال 1: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے تیسرے علمی سفر میں جو واقعہ پیش آیا، اس کی وضاحت ﴿فَانْطَلَقَا... اَجْرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا﴾ ''چنانچہ وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ وہ دونوں ایک بستی والوں کے پاس آئے انہوں نے اس کے باشندوں سے کھانا طلب کیا'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا خضر علیہ السلام تیسری بار جا رہے ہیں۔ چلتے چلتے ایک بستی میں پہنچے جس کے رہنے والے بخیل تھے۔ انہوں نے بستی والوں سے مہمان کے طور پر ٹھہرنے کی درخواست کی۔

(2)﴿فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ﴾ ''تو اُنہوں نے انکار کر دیا کہ وہ ان کی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

مہمان نوازی کریں پھران دونوں نے اس بستی میں ایک دیوار پائی جو چاہتی تھی کہ گر جائے'' بستی والوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے بستی میں ایک دیوار کو دیکھا جو جھکی ہوئی تھی اور گرنے ہی والی تھی۔

(3) ﴿فَاَقَامَهٗ﴾ ''تو اس نے اُسے سیدھا کر دیا'' سیدنا خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو اپنے ہاتھوں سے سیدھا کر دیا۔ یہ ان کی ایک کرامت تھی۔ موسیٰ علیہ السلام سے رہا نہ گیا اور وہ بول پڑے۔ (4) ﴿قَالَ﴾ ''انہوں نے کہا''

(5) ﴿لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ ''اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اُجرت لے لیتے'' آپ کو دیوار سیدھی کرنے کی اجرت لینی چاہئے تھی۔ اگر آپ چاہتے تو ان سے اجرت طلب کر لیتے۔

(6) سیدنا خضر علیہ السلام کے طرز عمل میں سبق یہ ہے کہ سچے اہل ایمان کا دوسروں سے سلوک جوابی سلوک نہیں ہوتا بلکہ ہر حال میں حق کے مطابق ہوتا ہے۔

سوال 2: مہمان نوازی کے بارے میں شریعت کیا تلقین کرتی ہے؟

جواب: (1) مہمان نوازی کے بارے میں شریعت کا موقف بڑا مضبوط ہے اور اسے ایمان کا تقاضا قرار دیا گیا ہے۔

(2) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اُسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور اس کی خاطر تواضع کرے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مہمان کی خاطر تواضع کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک دن اور ایک رات (تو اس کی خوب خدمت کرے) اور تین دنوں تک اس کی مہمان نوازی کرے، اس کے بعد وہ اس پر صدقہ ہے'' اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اُسے چاہیے کہ وہ خیر کی بات کہے یا وہ خاموش رہے۔'' (صحیح مسلم 4513)

(3) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مہمان نوازی تین دنوں تک ہے اور اس کی خاطر تواضع ایک دن اور ایک رات تک اور کسی مسلمان آدمی کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے پاس اتنی دیر قیام کرے کہ وہ اسے گناہ گار کر دے۔'' صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ اس کو کیسے گناہ گار کر دے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ آدمی اس کے پاس ٹھہرے (اور اتنی دیر تک ٹھہرا رہے) کہ اس کے پاس اس کی مہمان نوازی کے لیے کچھ نہ بچے۔'' (صحیح مسلم: 4514)

(4) سیدنا عقبہ بن عامر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! بے شک آپ ﷺ ہمیں بھیجتے ہیں تو ہم ایک ایسی قوم کے پاس جا کر اترتے ہیں جو کہ ہماری مہمان نوازی نہیں کرتے تو اس بارے میں آپ ﷺ کا کیا حکم ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا: ''اگر تم کسی ایسی قوم کے پاس اترو تو اگر وہ تمہاری (اسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح خدمت کریں) جس طرح کہ ایک مہمان کی ضیافت کی جاتی ہے تو تم اسے قبول کرلو اور اگر وہ اس طرح نہ کریں تو پھر ان سے ضیافت کا اس قدر حق (سامان) لے لو جتنا ان پر ایک مہمان کا حق ہوتا ہے۔'' (صحیح مسلم:4516)

﴿قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ

''اُس نے کہا: ''یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے، میں جلد ہی آپ کو ان باتوں کی اصل حقیقت بتاؤں گا

عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾

جن پر آپ صبر نہیں کرسکے'' (78)

سوال: سیدنا خضر علیہ السلام نے تیسری غلطی پر جو فیصلہ سنایا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ... صَبْرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ''اُس نے کہا'' سیدنا خضر علیہ السلام نے کہا۔

(2) ﴿هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ﴾ ''یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے'' سیدنا خضر علیہ السلام نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو توجہ دلائی کہ وہ اپنی شرط پوری نہیں کرسکے، جس کا انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ اس پر سیدنا خضر علیہ السلام نے معذرت کرلی اور کہا اب تم سے جدائی کا وقت آگیا ہے، کیونکہ بچے کے قتل کے وقت تم نے یہ شرط خود ہی لگائی تھی کہ اگر اب سوال کروں تو ساتھ نہ رکھنا۔ اس شرط کی رو سے اب آپ میں اور مجھ میں جدائی ہے۔ میں آپ کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا، نہ عذر باقی رہا، نہ مصاحبت کی کوئی وجہ ہی باقی رہی۔

(3) ﴿سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾ ''میں جلد ہی آپ کو ان باتوں کی اصل حقیقت بتاؤں گا جن پر آپ صبر نہیں کرسکے'' یعنی میں ان امور کے بارے میں آپ کو بتاؤں گا جن کے بارے میں آپ نے مجھ پر نکیر کی اور آپ کو بتاؤں گا کہ ان تمام کاموں کے پیچھے کچھ مقاصد تھے جن پر معاملہ مبنی تھا۔ (تفسیر سعدی: 2/1540)

﴿اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ

''رہی کشتی، تو وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے، چنانچہ میں نے ارادہ کیا کہ میں اسے عیب دار کردوں اور ان

وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا﴾

کے آگے ایک ایسا بادشاہ تھا جو زبردستی ہر کشتی چھین لیتا تھا'' (79)

سوال: سیدنا خضر علیہ السلام نے کشتی کو عیب دار کرنے کی جو وجہ بتائی، اس کی وضاحت ﴿اَمَّا السَّفِيْنَةُ ... غَصْبًا﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ﴾ ''رہی کشتی، تو وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں کام کرتے تھے'' سیدنا خضر علیہ السلام نے کشتی کا تختہ اکھاڑنے کی وجہ بتائی جس کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بظاہر برا کام سمجھا تھا اور اس پر سیدنا خضر علیہ السلام کو ٹوکا تھا۔ وہ اندرونی مصلحت جو سیدنا خضر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بتائی، وہ انہوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بھی بتادی۔ انہوں نے کہا کہ جس کشتی کے میں نے تختے اکھاڑے تھے وہ چند غریب لوگوں کی تھی، جو سمندر میں کام کرتے تھے۔

(2) ﴿فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا﴾ ''چنانچہ میں نے ارادہ کیا کہ میں اسے عیب دار کردوں اور ان کے آگے ایک ایسا بادشاہ تھا جو زبردستی ہر کشتی چھین لیتا تھا'' میں نے اسے اس لیے عیب دار کردیا تاکہ چھوٹے سے نقصان کی وجہ سے بڑے نقصان سے محفوظ ہو جائیں۔ یعنی عیب دار ہونے کی وجہ سے ظالم بادشاہ کے ہاتھوں غریبوں کی کشتی بچ جائے۔ (3) سعید بن جبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس طرح قرأت فرمایا کرتے تھے: اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر صحیح کشتی غصب کر لیتا تھا۔ (بخاری: 4725)

(4) اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ حادثات سے بددل نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو جائیں تو ضرور انسان کو وہ فائدہ نظر آجاتا ہے جو بظاہر چھپا ہوا ہوتا ہے لیکن اپنے وقت پر ظاہر ہو جاتا ہے۔

﴿وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا﴾

''اور رہا لڑکا، تو اس کے والدین مومن تھے، چنانچہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں پھنسا دے گا'' (80)

سوال: سیدنا خضر علیہ السلام نے لڑکے کے قتل کی جو وجہ بتائی، اس کی وضاحت ﴿وَاَمَّا الْغُلٰمُ ... وَّكُفْرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ﴾ ''اور رہا لڑکا، تو اس کے والدین مومن تھے'' اور جہاں تک اس لڑکے کا تعلق ہے جس کو میں نے قتل کر دیا تھا۔ اس کے بارے میں انہوں نے واضح کیا کہ اس کے والدین مومن تھے۔

(2) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ لڑکا جسے سیدنا خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا، یہ روز اول ہی سے کافر پیدا ہوا تھا۔'' (مسلم: 2661)

(3) ﴿فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا﴾ ''چنانچہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں پھنسا دے گا'' سیدنا خضر علیہ السلام نے لڑکے کے بارے میں بتایا کہ بظاہر تو وہ واجب القتل نہ تھا لیکن مستقبل خطرناک تھا۔ اس کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نفس کے اندر برائیوں کے ایسے بیج ڈالے جا چکے تھے کہ وہ زندہ رہتا تو والدین کی نافرمانی کرتا اس لیے ہم نے چاہا کہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ایسی اولاد دے جو اخلاق میں بھی بہتر ہو اور جس سے صلہ رحمی کی بھی توقع ہو۔

(4) اس لڑکے کی تقدیر میں تھا کہ اگر وہ بالغ ہو جاتا تو اپنے والدین کو کفر اور سرکشی کے لیے مجبور کرتا۔ سیدنا خضر علیہ السلام کو یہ ڈر لگا کہ یا تو والدین فطری محبت کی وجہ سے یا ضرورت کی وجہ سے کفر یا سرکشی پر مجبور ہو جائیں گے۔ اس بچے کے بارے میں انہیں علم تھا اس لیے اس کے والدین کے دین کی حفاظت کے لیے اس کو قتل کر دیا۔

(5) اس سے بڑھ کر اور کیا فائدہ ہو سکتا ہے اگرچہ بچے کو قتل کرنے میں والدین کے لیے تکلیف اور ان کی نسل کا خاتمہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ انہیں اس سے بہتر اولاد عطا فرمائے گا۔

﴿فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً

”تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب ان دونوں کو اس کا بہترین بدل عطا فرمائے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر ہو

وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا﴾

اور رحمت میں زیادہ قریب ہو“ (81)

سوال 1: ﴿فَاَرَدْنَآ ... رُحْمًا﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا﴾ ”تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب ان دونوں کو اس کا بہترین بدل عطا فرمائے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر ہو اور رحمت میں زیادہ قریب ہو“ یعنی اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ایسا بیٹا عطا فرمائے، جو نیک، پاک اور صلہ رحمی کرنے والا ہو گا کیونکہ وہ بچہ جس کو قتل کر دیا گیا تھا اگر بالغ ہو جاتا تو وہ والدین کا سخت نافرمان ہوتا اور وہ ان کو کفر اور سرکشی پر مجبور کر دیتا۔ (تفسیر سعدی: 1541/2)

(2) ﴿زَكٰوةً﴾ ”پاکیزگی میں“ یعنی دین اور اخلاق میں۔

سوال 2: اس واقعے سے ہمیں کیا اسباق ملتے ہیں؟

جواب: (1) اس واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہر جگہ مدد کرتا ہے حتیٰ کہ ایسے معاملے میں بھی جس کا انسان کو علم ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے رب سے دعا ہی کر سکے۔ (2) انسان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے خیر کی امید رکھنی چاہیے۔ (3) انسان کو اپنے رب کے علم پر اعتماد کرنا چاہیے کہ وہ کلی علم رکھتا ہے اور انسان جزوی علم کی وجہ سے جان نہیں پاتا۔ انسان کو صبر اور شکر کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ قتال کی مثال دیتے ہوئے رب العزت نے اپنے علم کے بارے میں فرمایا:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ ''تم پر قتال فرض کر دیا گیا حالانکہ وہ تمھارے لیے ناپسندیدہ ہے اور ہوسکتا ہے کہ تم کوئی چیز ناپسند کرو اور وہ تمھارے لیے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم کوئی چیز پسند کرو حالانکہ وہ تمھارے لئے بدتر ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔'' (البقرۃ:216)

﴿وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنزٌ لَّهُمَا وَكَانَ

''اور رہی وہ دیوار، تو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کے لیے ایک خزانہ تھا اور ان دونوں

أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَن يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا

کا باپ ایک نیک آدمی تھا چنانچہ تمھارے رب نے ارادہ کیا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں،

رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۚ ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِع

تمھارے رب کی طرف سے رحمت تھی اور میں نے اپنی مرضی سے ایسا نہیں کیا۔ ان باتوں کی اصل حقیقت یہ ہے جس

عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾

پر آپ صبر نہ کر سکے'' (82)

سوال 1: سیدنا خضر علیہ السلام نے دیوار کے معاملے کی حقیقت کو کیسے کھولا، اس کی وضاحت ﴿وَأَمَّا الْجِدَارُ ... رَّبِّكَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) سیدنا خضر علیہ السلام نے کہا: ﴿وَأَمَّا الْجِدَارُ﴾ ''اور رہی وہ دیوار'' یعنی جس دیوار کو میں نے سیدھا کیا تھا۔

(2) ﴿فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا﴾ ''تو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کے لیے ایک خزانہ تھا اور ان دونوں کا باپ ایک نیک آدمی تھا'' یعنی ان کا حال ان پر رافت و رحمت کا تقاضا کرتا تھا کیونکہ وہ دونوں بہت چھوٹے تھے اور باپ سے محروم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باپ کی نیکی کی بنا پر ان کی حفاظت فرمائی۔ (تفسیر سعدی: 1541/2)

(3) ﴿فَأَرَادَ رَبُّكَ أَن يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا﴾ ''چنانچہ تمھارے رب نے ارادہ کیا کہ وہ دونوں

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں'' اس میں اشارہ ہے کہ ان یتیم بچوں کے لئے مدفون خزانے کی حفاظت کا سامان بذریعہ خضر علیہ السلام اس لئے کرایا گیا تھا کہ ان یتیم بچوں کا باپ کوئی مرد صالح اللہ کے نزدیک مقبول تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی مراد پوری کرنے اور اس کی اولاد کو فائدہ پہنچانے کا یہ انتظام فرمایا۔ محمد بن منکدر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک بندے کی نیکی اور صلاحیت کی وجہ سے اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اس کے خاندان کی اور آس پاس کے مکانات کی حفاظت فرماتے ہیں۔ (تفسیر مظہری) (تفسیر معارف القرآن: 622,621/5)

(4) ﴿رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ﴾ ''تمہارے رب کی طرف سے رحمت تھی'' سیدنا خضر علیہ السلام نے کہا کہ میں نے جو کام بھی کیے ہیں، یہ آپ کے رب کی رحمت ہے جس سے اس نے اپنے بندے خضر کو نوازا ہے۔

(5) اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی اولاد کی حفاظت فرماتا ہے۔

سوال 2: سیدنا خضر علیہ السلام نے یہ تمام کام کس وجہ سے کیے تھے، اس کی وضاحت ﴿وَمَا فَعَلْتُهُ... صَبْرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) سیدنا خضر علیہ السلام نے واضح کیا: ﴿وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي﴾ ''اور میں نے اپنی مرضی سے ایسا نہیں کیا'' یعنی میں نے ان میں سے کوئی کام محض اپنے ارادے سے نہیں کیا، یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا حکم تھا۔

(2) سیدنا خضر علیہ السلام کی وضاحتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ علم نبوت اور تکوینی علم میں فرق ہے۔

(3) تکوینی علم اللہ تعالیٰ کا غیبی نظام ہے۔ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ سیدنا خضر علیہ السلام کو یہ علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا۔ (4) سیدنا خضر علیہ السلام نے سارے کام بہ الہام الٰہی سرانجام دیئے۔ (5) مطلب یہ کہ ان بظاہر خلاف شریعت افعال میں سے کوئی سا کام بھی میری ذاتی رائے یا اجتہاد کا نتیجہ نہیں، سب الہامات الٰہی ہی کے تابع ہوئے ہیں۔

(6) نتیجہ یہ نکلا کہ بڑے سے بڑا صاحب باطن بھی خلاف احکام شریعت ظاہری نہیں جاسکتا۔ (تفسیر ماجدی: 148/3)

(7) ﴿ذَٰلِكَ﴾ ''یہ ہے'' یعنی یہ جو میں نے آپ کے سامنے ان باتوں کی حقیقت بیان کی ہے۔

(8) ﴿تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا﴾ ''ان باتوں کی اصل حقیقت جس پر آپ صبر نہ کرسکے'' یہ ان باتوں کی حقیقت ہے جس پر آپ نے دل میں تنگی محسوس کی اور صبر نہ کرسکے۔

سوال 3: سیدنا خضر علیہ السلام اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قصے سے کیا فوائد ملتے ہیں؟

جواب: (1) اس قصے سے علم اور طلب علم کی لیے رحلت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ طلب علم اہم ترین معاملہ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے طلب علم کے لیے عظیم سفر کیا اور مشکلات برداشت کیں۔ بنی اسرائیل کو تعلیم دینے اور ان کی راہ نمائی کے لیے ان کے پاس بیٹھنا ترک کر کے علم میں اضافے کے لیے سفر کیا۔

(2) اس قصے سے مستفاد ہوتا ہے کہ ابتداء سب سے اہم کام سے ہونی چاہیے۔ انسان کا علم اور اس کے علم میں اضافہ کرنا اس کو ترک کرنے اور علم حاصل کیے بغیر تعلیم میں مشغول رہنے سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے مگر دونوں امور کا یکجا ہونا زیادہ کامل ہے۔

(3) سفر و حضر میں کام کاج اور راحت کے حصول کے لیے خادم رکھنا جائز ہے جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا۔

(4) اگر کوئی شخص طلب علم یا جہاد وغیرہ کے لیے سفر کرتا ہے اور مصلحت کے تقاضے کے مطابق وہ اپنے مقصد اور منزل کے بارے میں بتاتا ہے تو یہ اس کو چھپانے سے بہتر ہے کیونکہ اس کو ظاہر کرنے میں بہت سے فوائد ہیں مثلاً اس سفر کی تیاری، سامان مہیا کرنے، اس کام کو دیکھ بھال کر احسن طریقے سے سرانجام دینے کا اہتمام اور اس جلیل القدر عبادت کے لیے شوق کا اظہار وغیرہ جیسا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا﴾ ”میں باز نہیں آؤں گا حتیٰ کہ میں دونوں دریاؤں کے سنگم پر پہنچ جاؤں یا میں زمانہ دراز تک چلتا ہی رہوں گا۔“ (الکھف:60) اور جیسے نبی کریم ﷺ نے غزوۂ تبوک کا ارادہ فرمایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس کے بارے میں آگاہ فرما دیا تھا حالانکہ ایسے امور میں توریہ کرنا آپ کی عادت مبارکہ تھی۔ یہ چیز مصلحت کے تابع ہے۔

(5) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شر اور اس کے اسباب کو اس لحاظ سے شیطان کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے کہ وہ بہکاتا ہے اور شر کو مزین کرتا ہے۔ اگرچہ خیر و شر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے واقع ہوتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے خادم نے کہا۔ ﴿وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ﴾ ”شیطان نے مجھے اس کا تذکرہ کرنا بھلا دیا۔“ (الکھف:63)

(6) انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی طبیعت کے تقاضوں مثلاً بھوک اور پیاس وغیرہ کے بارے میں اطلاع دے۔ جبکہ اس میں صداقت ہو اور اس میں (اللہ تعالیٰ اور تقدیر پر) ناراضگی کے اظہار کا کوئی پہلو نہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ ”بلاشبہ ہم نے آج کے اس سفر میں بڑی تھکاوٹ پائی ہے۔“ (الکھف:62)

(7) خادم کا ذہین و فطین اور سمجھ دار ہونا پسندیدہ ہے تاکہ انسان اپنے مطلوبہ ارادوں کی بہتر طریقے سے تکمیل کر سکے۔

(8) انسان کا اپنے خادم کو اپنے کھانے سے اور اپنے ساتھ بٹھا کر کھلانا مستحب ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قول سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ فرمایا: ﴿اٰتِنَا غَدَآءَنَا﴾ ”لاؤ ہمارے پاس ہمارا کھانا۔“ (الکھف:62) یہ اضافت سب کی طرف ہے کہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سیدنا موسیٰ علیہ السلام اوران کے خادم نے اکٹھے کھانا کھایا۔

(9) اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بندے پر اللہ تعالیٰ کے احکام کو قائم کرنے کے مطابق اللہ تعالیٰ کی مدد نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی موافقت کرنے والے کی جو مدد کی جاتی ہے، وہ کسی اور کی نہیں کی جاتی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا﴾ ''ہمیں اپنے اس سفر میں بہت تھکاوٹ لاحق ہوگئی ہے۔'' (الکھف:62) یہ دریاؤں کے سنگم سے متجاوز سفر کی طرف اشارہ ہے دریاؤں کے سنگم سے قبل سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے تھکاوٹ کی شکایت نہیں کی حالانکہ وہ بہت طویل سفر تھا کیونکہ یہی حقیقی سفر تھا (لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد کی وجہ سے وہ محسوس نہیں ہوا) رہا دریاؤں کے سنگم کے بعد والا سفر تو ظاہر ہے وہ سفر کا کچھ حصہ یعنی دن کا ایک حصہ تھا کیونکہ جب انہوں نے چٹان پر بیٹھ کر آرام کیا تھا وہاں مچھلی غائب ہوئی تھی۔ ظاہر ہے انہوں نے وہاں چٹان کے پاس ہی رات بسر کی۔ پھر اگلی صبح سفر پر روانہ ہوئے۔ حتیٰ کہ جب صبح کے کھانے کا وقت ہوا تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا: ﴿اٰتِنَا غَدَآءَنَا﴾ ''ہمارے لیے کھانا لاؤ۔'' (الکھف:62) یہاں آ کر خادم کو یاد آیا کہ اس مقام پر مچھلی کے غائب ہونے کا ذکر کرنا بھول گیا جو ان کی منزل اور مقصود سفر تھا۔ (لیکن اس تھوڑے سے سفر میں انہیں تھکاوٹ ہوگئی تھی)۔

(10) اللہ تعالیٰ کا وہ بندہ جس سے انہوں نے ملاقات کی تھی نبی نہیں تھا بلکہ ایک صالح بندہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے عبودیت کی صفت سے موصوف کیا ہے اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رحمت اور علم سے نوازا تھا مگر رسالت اور نبوت کا ذکر نہیں فرمایا۔ اگر جناب خضر نبی ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کی نبوت کا ضرور ذکر کرتا جیسا کہ دوسرے انبیاء اور مرسلین کے بارے میں ذکر کیا ہے۔ جہاں تک قصے کے آخر میں ان کے اس قول ﴿وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ﴾ ''اور میں نے اپنی مرضی سے ایسا نہیں کیا۔'' (الکھف:82) کا تعلق ہے تو یہ ان کے نبی ہونے کی دلیل نہیں۔ یہ تو الہام و تحدیث کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ غیر انبیاء کو الہام سے نوازا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ﴾ ''اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف الہام کیا کہ اس کو دودھ پلا۔'' (القصص:7) اسی طرح ارشاد ہے: ﴿وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا﴾ ''اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ وہ پہاڑوں میں اپنے چھتے بنائے۔'' (النحل:68)

(11) وہ علم جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے اس کی دو اقسام ہیں۔ (i) علم اکتسابی۔ جسے بندہ اپنی جدوجہد اور اجتہاد سے حاصل کرتا ہے۔ (ii) علم لدنی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر بھی کرم نوازی کرتا ہے اسے یہ علم عطا فرماتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔﴿وَعَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا﴾ ''اور ہم نے انہیں اپنی طرف سے خاص علم نوازا ہے۔'' (الکھف:65)

(12) ان آیات سے مستفاد ہوتا ہے کہ معلم کے ساتھ ادب کے ساتھ پیش آنا چاہیے اور متعلم کو چاہیے کہ وہ نہایت لطیف طریقے سے معلم سے مخاطب ہو۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سیدنا خضر سے اس طرح عرض کی تھی۔ ﴿هَلۡ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا﴾ ''کیا میں آپ کے پیچھے آ سکتا ہوں تا کہ آپ مجھے اس بھلائی میں سے سکھائیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے؟'' (الکھف:66) چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ملاطفت اور مشاورت کے اسلوب میں بات کی۔ گویا عرض کی کہ کیا آپ مجھے اجازت عنایت فرمائیں گے یا نہیں اور ساتھ ہی اقرار کیا کہ وہ متعلم ہیں۔ بے ادب اور متکبر لوگوں کا رویہ اس کے برعکس ہوتا ہے جو معلم پر یہ ظاہر نہیں کرتے کہ وہ اس کے علم کے محتاج ہیں بلکہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حصول علم میں وہ ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں بلکہ بسا اوقات ان میں سے بعض تو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے معلم کو تعلیم دے رہے ہیں۔ ایسا شخص سخت جاہل ہے۔ معلم کے سامنے تذلیل اور انکساری اور معلم کے علم کا محتاج ہونے کا اظہار متعلم کے لیے بہت فائدہ مند چیز ہے۔

(13) اس قصے سے مستفاد ہوتا ہے کہ ایک عالم اور صاحب فضیلت شخص کو بھی علم حاصل کرتے وقت تواضع اور انکساری کا اظہار کرنا چاہیے چاہے اس کا استاد اس سے درجے میں کم تر ہی ہو کیونکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سیدنا خضر علیہ السلام سے بلا شبہ افضل تھے۔

(14) اس واقعے سے یہ بھی استنباط ہوتا ہے کہ عالم فاضل شخص کسی چیز میں مہارت حاصل کرنے کے لیے، جس میں وہ ماہر نہیں، اس شخص سے علم حاصل کرے جو اس علم میں مہارت رکھتا ہے اگرچہ وہ علم و فضل میں اس سے بدرجہا کم تر کیوں نہ ہو۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم رسولوں میں شمار ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے وہ علم عطا کیا جو دوسروں کو عطا نہیں کیا۔ مگر یہ خاص علم جو سیدنا خضر کے پاس تھا آپ اس سے محروم تھے اس لیے اس علم کو سیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ بناء بریں ایک محدث وفقیہ کے لیے مناسب نہیں جبکہ وہ صرف ونحو وغیرہ میں کم مایہ ہو کہ وہ اس شخص سے علم سیکھنے کی کوشش نہ کرے جو اس میں ماہر ہے اگرچہ وہ محدث اور فقیہ نہ ہو۔

(15) ان آیات کریمہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ علم اور دیگر فضائل کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنی چاہیے، اس کا اقرار کرنا چاہیے اور اس کا شکر بھی ادا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا﴾ ''آپ مجھے سکھائیں اس میں سے جو آپ کو سکھایا گیا۔'' (الکھف:66) یعنی اس علم سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے۔

(16) علم نافع وہ علم ہے جو خیر کی طرف راہ نمائی کرے، ہر وہ علم جس میں رشد و ہدایت اور خیر کی طرف راہنمائی ہو، شر کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

راستے سے ڈرایا گیا، یا ان مقاصد کے حصول کا وسیلہ ہو، وہ علم نافع ہے۔ اس کے علاوہ دیگر علوم یا تو وہ نقصان دہ ہوتے ہیں یا ان میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ جیسے فرمایا: ﴿تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا﴾ ''کہ آپ مجھے اس بھلائی میں سے سکھائیں جو آپ کو سکھائی گئی۔'' (الکھف:66)

(17) اس واقعے سے مستفاد ہوتا ہے کہ جس شخص میں عالم اور علم کی صحبت کے لیے قوت صبر اور حسن ثبات نہیں وہ علم حاصل کرنے کا اہل نہیں۔ جو صبر سے محروم ہے وہ علم حاصل نہیں کر سکتا۔ جو شخص صبر کو کام میں لاتا ہے اور اس کا التزام کرتا ہے وہ جس امر میں بھی کوشش کرے گا اس کو حاصل کر لے گا۔ سیدنا خضر نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے معذرت کرتے ہوئے اس مانع کا ذکر کیا تھا جو ان کے لیے حصول علم میں مانع تھا اور وہ تھا جناب خضر کی معیت میں ان کا عدم صبر۔

(18) اس قصے سے ثابت ہوا کہ حصول صبر کا سب سے بڑا سبب اس امر میں اس کا علم و آگہی ہے جس میں صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس جو شخص اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا، نہ اس کے غرض و غایت، اس کے نتیجہ، اس کے فوائد و ثمرات کا اسے علم ہے وہ صبر کے اسباب سے بے بہرہ ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَكَيۡفَ تَصۡبِرُ عَلٰى مَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ خُبۡرًا﴾ ''اور جس چیز کے بارے میں آپ کو کوئی خبر نہ ہو۔ آپ اس کے بارے میں کیسے صبر کر سکتے ہیں؟'' (الکھف:68) پس جناب خضر نے اس چیز کے بارے میں عدم علم کو بے صبری کا سبب قرار دیا۔

(19) اس قصے سے مستنبط ہوتا ہے کہ جب تک کسی چیز کے مقصد اور اس بات کی معرفت حاصل نہ ہو جائے کہ اس سے کیا مراد ہے اس وقت تک اس پر خوب غور و فکر کیا جائے اور اس پر حکم لگانے میں جلدی نہ کی جائے۔

(20) اس قصے سے مستفاد ہوتا ہے کہ مستقبل میں واقع ہونے والے بندوں کے افعال کو مشیت الٰہی سے معلق کیا جائے۔ جب بندہ کسی چیز کے بارے میں کہے کہ وہ مستقبل میں یہ کام کرے گا تو اس کے ساتھ ﴿اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ﴾ ''اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا'' ضرور کہے۔

(21) کسی چیز کے فعل کا عزم، اس فعل کے قائم مقام نہیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا۔ ﴿سَتَجِدُنِيۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا﴾ ''اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔'' (الکھف:69) پس انہوں نے اپنے نفس کو صبر پر مجبور کیا مگر صبر نہ کر سکے۔

(22) اس آیات کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر معلم اس امر میں مصلحت سمجھتا ہو کہ متعلم بعض چیزوں کے متعلق سوال میں ابتداء نہ کرے، جب تک کہ معلم خود اسے ان چیزوں سے واقف نہ کرائے۔۔۔ تو مصلحت ہی کی پیروی کی جائے۔ مثلاً اگر معلم سمجھے کہ متعلم کم فہم ہے یا معلم متعلم کو زیادہ باریک سوال کرنے سے روک دے جب کہ اس کے علاوہ دیگر امور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زیادہ اہم ہوں یا متعلم کا ذہن اس کا ادراک نہ کر سکتا ہو، یا وہ کوئی ایسا سوال کرے جو زیر بحث موضوع سے متعلق نہ ہو۔

(23) اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں سمندر میں سفر کرنا جائز ہے جبکہ خوف نہ ہو۔

(24) اس سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ بھول جانے والے شخص کا اس کے نسیان کی بناء پر حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کوئی مواخذہ نہیں اور اس کی دلیل سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے: ﴿لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ﴾ ''جو میں بھول گیا اس پر مجھے نہ پکڑیں۔'' (الکہف:73)

(25) انسان کو چاہیے کہ وہ لوگوں کے اخلاق اور معاملات میں عفو سے کام لے۔ ان کے ساتھ نرم رویہ رکھے۔ ان کو ایسے امور کا مکلف نہ کرے جن کی وہ طاقت نہیں رکھتے یا ان پر شاق گزرتے ہوں یا ایسا کرنا ان پر ظلم کا باعث ہو کیونکہ یہ چیز نفرت اور اکتاہٹ کا باعث بنتی ہے بلکہ وہ طریقہ اختیار کرے جو آسان ہوتا کہ اس کا کام آسان ہو جائے۔

(26) تمام امور میں ان کے ظاہر پر حکم لگایا جاتا ہے، مال اور خون وغیرہ کے دنیاوی معاملات میں ان کے ظاہر کے متعلق فیصلہ کیا جاتا ہے اس لیے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے خضر کے کشتی میں سوراخ کرنے اور بچے کے قتل کرنے پر نکیر فرمائی کیونکہ یہ دونوں ایسے امور ہیں جو بظاہر منکر ہیں۔ جناب خضر کی مصاحبت کے علاوہ کوئی اور صورت حال ہوتی تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام خاموش نہ رہ سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اس پر عام معاملات کے مطابق حکم لگانے میں جلدی کی اور اس عارض کی طرف التفات نہ کیا جو آپ پر صبر اور انکار میں عدم عجلت کو واجب کرتا ہے۔

(27) اس قصے سے ایک نہایت جلیل القدر قاعدہ مستنبط ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ چھوٹی برائی کے ارتکاب کے ذریعے سے بڑی برائی کا سد باب کیا جائے اور چھوٹی مصلحت کو ضائع کر کے بڑی مصلحت کی رعایت رکھی جائے۔ معصوم بچے کا قتل یقیناً بہت بڑی برائی ہے مگر اس کے زندہ رہنے سے ماں باپ کا دین کے بارے میں فتنے میں مبتلا ہونا زیادہ بڑی برائی ہے، بچہ کا قتل نہ ہونا اور اس کا باقی رہنا اگرچہ بظاہر نیکی ہے مگر اس کے والدین کے دین وایمان کا باقی رہنا زیادہ بڑی نیکی ہے۔ اسی وجہ سے خضر علیہ السلام نے اس بچے کو قتل کیا تھا۔ اس قاعدے کے بہت سے فوائد اور بہت سی فروع ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ پس تمام مصالح اور مفاسد جو ایک دوسرے سے متصادم ہوتے ہیں سب اسی زمرے میں آتے ہیں۔

(28) اس واقعے سے ایک اور جلیل القدر قاعدہ مستنبط ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کسی شخص کے مال میں دوسرے شخص کا ایسا عمل جو کسی مصلحت یا ازالہ مفسدہ کی خاطر ہو وہ جائز ہے، خواہ وہ بغیر اجازت ہی کیوں نہ ہو، خواہ اس سے کسی کے مال میں کچھ اتلاف ہی کیوں نہ واقع ہو۔ جیسے جناب خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ کر کے اس میں عیب ڈال دیا تھا اس طرح وہ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ظالم بادشاہ کے ہاتھوں غصب ہونے سے بچ گئی۔ اسی طرح کسی شخص کے گھر یا مال کے ڈوبنے یا آگ لگنے کی صورت میں کچھ مال کو تلف کر کے باقی مال کو بچانے کے لیے ایسا کرنا مشروع ہے۔ اسی طرح سے اگر کوئی ظالم شخص کسی دوسرے کے مال کو غصب کرنا چاہتا ہے، کوئی دوسرا شخص جو مال کا مالک نہیں، اصل مالک کی اجازت کے بغیر، مال کا کچھ حصہ ظالم اور غاصب شخص کو دے کر باقی مال کو بچالے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

(29) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سمندر میں کام کرنا اسی طرح جائز ہے جس طرح خشکی میں۔ ارشاد فرمایا: ﴿يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ﴾ "جو سمندر میں کام کرتے تھے۔" (سورۃ الکھف:79) اور یہ فرمانے کے بعد ان کے عمل پر نکیر نہیں فرمائی۔

(30) کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ مسکین کچھ مال رکھتا ہے مگر وہ اس کے لیے کافی نہیں ہوتا اس لیے وہ مسکین کے نام کے اطلاق سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ان مساکین کے پاس ایک کشتی تھی۔

(31) اس واقعے سے مستفاد ہوتا ہے کہ قتل بہت بڑا گناہ ہے۔ اس بچے کے قتل کے بارے میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا﴾ "بلاشبہ یہ تو آپ نے یقیناً ایک بہت برا کام کیا۔" (الکھف:74)

(32) اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قصاص کے طور پر قتل کرنا برائی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿بِغَيْرِ نَفْسٍ﴾ "بغیر کسی جان کے۔" (الکھف:74)

(33) اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی جان اور اولاد کی حفاظت کرتا ہے۔

(34) اس آیت کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ صالحین یا ان کے متعلقین کی خدمت کرنا کسی اور کی خدمت کرنے سے افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان یتیموں کے مدفون خزانے کو باہر نکالنے اور پھر ان کی دیوار تعمیر کر دینے میں علت بیان فرمائی کہ ان کا باپ ایک صالح شخص تھا۔

(35) اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں الفاظ استعمال کرتے وقت ادب کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ چنانچہ جناب خضر نے کشتی کو عیب دار کرنے کے فعل کی اضافت اپنی طرف کی: ﴿فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيْبَهَا﴾ "میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں۔" (الکھف:79) اور خیر کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی: ﴿فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَّبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ﴾ (الکھف:82) اور جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ﴾ "اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔" (الشعراء:80) اور جنات نے کہا: ﴿وَّأَنَّا لَا نَدْرِيْ أَشَرٌّ أُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ "اور ہم نہیں جانتے کہ زمین پر رہنے والوں کے لیے کوئی برا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ارادہ کیا گیا ہے۔ یا ان کے رب نے ان کے بارے میں کوئی اچھا ارادہ کیا ہے۔'' (الجن:10) حالانکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر سے ہوتا ہے۔

(36) کسی شخص کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کسی بھی حال میں اپنے ساتھی سے علیحدہ ہوجائے یا اس کی صحبت کو ترک کردے جب تک کہ اس کی سرزنش نہ کرے اور اس کا عذر نہ سن لے جیسا کہ سیدنا خضر علیہ السلام نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا۔

(37) ان امور میں جو نا جائز نہیں ایک ساتھی کی دوسرے ساتھی سے موافقت کرنا مطلوب اور دوستی کی بقا کا سبب ہے۔ اسی طرح سے عدم موافقت رشتہ دوستی کے منقطع ہونے کا سبب ہے۔ (تفسیر سعدی:1541-1548)

﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا﴾

''اور وہ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ اُس کا کچھ حال جلد ہی میں تمہارے سامنے پڑھ کر سناؤں گا'' (83)

سوال: ذوالقرنین کون تھے اور ان کے بارے میں کس نے سوال کیا تھا، اس کی وضاحت ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ... مِّنْهُ ذِكْرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ﴾ ''اور وہ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں'' ذوالقرنین کے لفظی معنی ہیں دو سینگوں والا یعنی وہ بادشاہ جو دو سینگوں والے کے نام سے مشہور تھا۔

(2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تبع کے بارے میں، میں نہیں جانتا کہ آیا وہ نبی تھے یا نہیں اور (اسی طرح) ذوالقرنین کے بارے میں بھی میں نہیں جانتا کہ وہ نبی تھے یا نہیں اور (اسی طرح) میں حدود کے بارے میں بھی نہیں جانتا کہ وہ گناہ کرنے والے کے لیے کفارہ ہیں یا نہیں۔'' (مستدرک حاکم:104، تفسیر طبری:23278)

(3) قرآن سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک مقتدر اور نامور بادشاہ تھا اللہ سے ڈرنے والا اور منصف مزاج تھا اس کی سلطنت خاصی وسیع تھی اور ذوالقرنین کے لغوی معنی تو ''دو سینگوں والا'' ہے مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ فی الواقع اس کے سر پر دو سینگ تھے بلکہ اسے اس لحاظ سے ذوالقرنین کہا جاتا تھا کہ اس کی سلطنت کا علاقہ کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ایک مینڈھا ہو اور اس کے سر پر دو سینگ ہوں۔ آیت نمبر 86 میں الفاظ ﴿قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ﴾ سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ نبی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بھی تھا لیکن اکثریت اس کی نبوت کی قائل نہیں ہے کیونکہ صرف یہ الفاظ اثبات نبوت کے لیے کافی نہیں ہیں اور اس کی تائید میں قرآن سے کافی شواہد مل جاتے ہیں مثلاً سیدہ مریم نبیہ نہیں تھیں تاہم فرشتہ یا فرشتے ان کے پاس آئے اور ہم کلام ہوئے۔ ام موسیٰ بھی نبیہ نہیں تھیں مگر ان کی طرف وحی ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ چنانچہ مولانا مودودی (رح) نے بائیبل کے مطالعہ کے بعد جو تحقیق پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ ذوالقرنین کا اطلاق ایرانی فرمانروا خورس پر ہی ہوسکتا ہے جس کا عروج 549 ق م کے قریب شروع ہوا اس نے چند سال کے عرصہ میں میڈیا (الجبال) اور لیڈیا (اشیائے کوچک) کی سلطنتوں کو مسخر کرنے کے بعد 539 ق م میں بابل کو فتح کرلیا تھا جس کے بعد کوئی طاقت اس کی راہ میں مزاحم نہ رہی۔ اس کی فتوحات کا سلسلہ سندھ اور صغد (موجودہ ترکستان) سے لے کر ایک طرف مصر اور لیبیا تک اور دوسری طرف تھریس اور مقدونیہ تک وسیع ہوگیا تھا اور شمال میں اس کی سلطنت کا کیشیا (قفقاز) اور خوارزم تک پھیل گئی تھی۔ عملاً اس وقت کی پوری مہذب دنیا اس کی تابع فرمان تھی۔ اور صاحب تفسیر حقانی کی تحقیق یہ ہے کہ ذوالقرنین ایران کا نہیں بلکہ عرب کے کسی علاقہ کا بادشاہ ہوسکتا ہے اور یمن کے حمیری خاندان کا بادشاہ تھا۔ دلیل یہ ہے کہ ذوالقرنین عربی لفظ ہے۔ فارسی یا ایرانی نہیں۔ علاوہ ازیں یمن کے بادشاہ زمانہ قدیم میں ذو کے ساتھ ملقب ہوا کرتے تھے جیسے ذونواس، ذوالنون، ذورعین، ذویزن وغیرہ وغیرہ۔ ایسے ہی ذوالقرنین بھی تھے۔ ابو ریحان البیرونی اس کا نام ابوکرب بن عیر بن افریقس حمیری بتاتے ہیں۔ اس کا اصل نام صعب تھا اور یہ تبع اول کا بیٹا تھا اور یہی وہ ذوالقرنین ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ (تیسیر القرآن:2/655,654)

(4) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ذوالقرنین نبی نہ تھے اور نہ فرشتہ بلکہ وہ ایک انسان تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو محبوب رکھا۔ (فتح الباری:6/295)

(5) یہاں ذوالقرنین سے کوئی بھی مراد ہو قرآن نے جس انداز سے اس کا ذکر کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی عظیم الشان فتوحات اور عدل وانصاف کی وجہ سے نہ صرف عہد رسالت کے یہود کے درمیان ایک معروف شخصیت تھی بلکہ مشرکین عرب بھی اس کے حال سے واقف تھے کیونکہ قدیم شعرائے عرب نے اپنے اشعار میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ (کبیر) (تفسیر اشرف الحواشی:1/364)

(6) ﴿قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا﴾ ”آپ کہہ دیں کہ اُس کا کچھ حال جلد ہی میں تمہارے سامنے پڑھ کر سناؤں گا“ مکہ کے کافروں نے اہل کتاب کے پاس قاصد بھیجے تھے کہ وہ ان سے ایسی باتیں پوچھ کر آئیں جن سے محمد ﷺ کا امتحان لیا جائے۔ اس کے جواب میں رب العزت نے ذوالقرنین کے بارے میں خبر دی کہ میں تمہیں اس کے ایسے واقعات سناؤں گا جن میں نصیحت اور عبرت ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِن كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا﴾

''یقیناً ہم نے اسے زمین میں اقتدار دیا تھا اور ہم نے اُسے ہر چیز سے کچھ سامان دیا تھا'' (84)

سوال: ذوالقرنین ایک بڑی سلطنت وطاقت کے مالک تھے، اس کی وضاحت ﴿إِنَّا مَكَّنَّا ۔۔۔سَبَبًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ﴾ ''یقیناً ہم نے اسے زمین میں اقتدار دیا تھا'' یعنی ہم نے ذوالقرنین کو بادشاہت عطا کی اور زمین کے کثیر حصے میں اس کے حکم کو نافذ کیا اور لوگوں کو اس کا پیروکار بنایا۔

(2) ﴿وَآتَيْنَاهُ مِن كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا﴾ ''اور ہم نے اُسے ہر چیز سے کچھ سامان دیا تھا'' اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے ہر قسم کے وسائل دیئے تھے جن کی وجہ سے ذوالقرنین فتوحات کے قابل ہوا۔ (i) سبب کے معانی رسی ہیں اس سے مراد ذریعہ اور وسیلہ بھی ہے۔ یہاں سبب سے مراد وہ ساز وسامان اور وسائل ہیں جن سے کام لے کر ذوالقرنین نے فتوحات حاصل کیں اور ظالم حکمرانوں کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ (ii) سبب کے معانی راستے کے ہیں اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے وسائل سے مزید وسائل مہیا کیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو وہ اسباب عطا کیے تھے جن کی وجہ سے وہ ہر اس مقام پر پہنچا جہاں وہ پہنچنا چاہتا تھا۔ جن کے ذریعے سے اس نے شہروں پر غلبہ حاصل کیا اور دور دراز علاقوں تک پہنچ گیا۔

(3) ہر شخص کو اسباب مہیا نہیں ہوتے اور نہ ہر شخص اسباب مہیا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

(4) داخلی اور خارجی طور پر یہ اسباب نہایت قوی تھے جن کی بنا پر اس کے پاس ایک عظیم فوج تیار ہوگئی جو اپنی عددی قوت، سامان حرب اور نظم کے اعتبار سے ایک بہت بڑی فوج تھی۔ اس فوج کی مدد سے اس نے اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کیا اور زمین کے مشرق ومغرب اور اس کے دور دراز گوشوں تک پہنچنے کی سہولت حاصل ہوئی۔ (تفسیر سعدی: 1549/2)

﴿فَأَتْبَعَ سَبَبًا﴾

''چنانچہ ذوالقرنین کچھ سامان لے کر چلا'' (85)

سوال: ذوالقرنین مغرب کی سمت کو چل پڑے، اس کی وضاحت ﴿فَأَتْبَعَ سَبَبًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَأَتْبَعَ سَبَبًا﴾ ''چنانچہ ذوالقرنین کچھ سامان لے کر چلا'' اللہ تعالیٰ نے اُسے ایسے وسائل عطا کیے جن سے اُس نے مزید وسائل مہیا کیے جیسے لوہے سے مختلف ہتھیار اور دوسرے خام مواد سے بہت سی اشیاء بنائی جاتی ہیں

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ سبب کا ایک مطلب راستہ بھی ہے۔

(2) ذوالقرنین ایک راہ پر لگ گئے یعنی مشرق و مغرب کی درمیانی راہ پر ایک طرف کو چل پڑے یعنی مغرب کی سمت کو چل پڑے۔ (مختصر ابن کثیر: 1114/2)

﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ

"یہاں تک کہ جب وہ سورج غروب ہونے کے مقام تک جا پہنچا، اُس نے سورج کو پایا کہ وہ ایک دلدل والے چشمے میں ڈوب رہا ہے

وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۬ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّآ اَنْ

اور اُس کے پاس ایک قوم کو پایا۔ ہم نے کہا: "اے ذوالقرنین! یا تم انہیں سزا دو یا ان کے بارے

تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا﴾

میں تم نیک سلوک اختیار کرو" (86)

سوال 1: ذوالقرنین کے مغرب کی جانب سفر کی وضاحت ﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ ... حُسْنًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ﴾ "یہاں تک کہ جب وہ سورج غروب ہونے کے مقام تک جا پہنچا" ذوالقرنین زمین کی منزلیں اور نشانات طے کرتے ہوئے مغربی سمت چلتے رہے۔ چلتے چلتے انتہائے مغرب تک پہنچ گئے یعنی زمین کی مغربی سمت کی انتہا تک کیونکہ مغرب آسمان تک پہنچنا ناممکن ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 1114/2)

(2) ﴿وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ﴾ "اُس نے سورج کو پایا کہ وہ ایک دلدل والے چشمے میں ڈوب رہا ہے" اس نے دیکھا کہ سورج بحرِ محیط میں ڈوب رہا ہے۔ اس سے مراد وہ جگہ ہے جہاں آخری آبادی تھی۔ وہاں گہرے پانی کا چشمہ یا سمندر تھا جو سیاہ محسوس ہوتا تھا اور لگتا تھا کہ سورج اس میں غروب ہو رہا ہے۔

(3) ہر وہ شخص جو ساحل پر کھڑا ہو، سورج کو سمندر میں ڈوبتا دیکھے گا۔ (4) ﴿عَيْنٍ﴾ سے مراد چشمہ یا سمندر ہے۔

(5) (i) اس سے مراد ایسا ساحل ہے جہاں کوئی دریا سمندر میں آ کر گرتا تھا۔ ایسے مقامات پر گھاس، کیچڑ اور سیاہ دلدل جمع ہو جاتی ہے۔ ایسے مقامات پر تالاب بھی ہوتے ہیں جو چشموں کی طرح نظر آتے ہیں۔

(ii) اس سے مراد ایسا مقام ہے جہاں آخری آبادی تھی وہاں گہرے پانی کا چشمہ یا سمندر تھا جو سیاہ محسوس ہوتا تھا اور لگتا تھا کہ سورج اس میں غروب ہو رہا ہے۔ (iii) کہا یہ جاتا ہے کہ ذوالقرنین مغرب کی طرف فتوحات کرتے ہوئے ایشیا مائنر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تک پہنچ گیا جہاں Agean Sea ایجین سمندر کا سیاہ پانی خشکی کو الگ کر رہا ہے۔ یہاں کوئی سمندر کی طرف دیکھے تو اُسے یوں ہی لگتا ہے کہ سورج سیاہ پانی میں ڈوب رہا ہے۔ یہ وہ مقام تھا جہاں تک ذوالقرنین پہنچا۔

(6) ﴿وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا﴾ "اور اُس کے پاس ایک قوم کو پایا" مغرب کی سمت میں ذوالقرنین نے ایک قوم دیکھی یعنی آباد شہر پایا جس کے بارہ ہزار دروازے تھے۔ اگر شہر کے باشندوں کا شوروغوغا نہ ہوتا تو لوگ سورج ڈوبتے وقت اس کے ڈوبنے کی آواز سن لیتے۔ بنی نوع انسان کی یہ ایک عظیم قوم تھی۔ ہم نے ذوالقرنین کو اس قوم پر غالب کیا۔ ان کا بادشاہ بنایا۔ ذوالقرنین کو فتح دی اور انہیں اختیار دیا کہ اگر چاہو تو قتل اور گرفتار کرو۔ چاہو تو احسان رکھ کر یا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔ (مختصر ابن کثیر:1114/2)

(7) ﴿قُلْنَا﴾ سے بعض علماء نے ذوالقرنین کی نبوت پر استدلال کیا ہے۔

(8) کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے ذریعے ذوالقرنین سے کہا۔

(9) اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو اختیار دیا کہ ﴿اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ﴾ "یا تم انہیں سزا دو" یعنی خواہ انہیں قتل کرو، قیدی بنالو، عذاب میں مبتلا کرو۔

(10) ﴿وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا﴾ "یا ان کے بارے میں تم نیک سلوک اختیار کرو" یعنی اگر چاہو تو احسان کر دیا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔

سوال 2: ذوالقرنین کو دو امور میں سے ایک کا انتخاب کرنے کا اختیار دینے میں کیا حکمت تھی؟

جواب: (1) ذوالقرنین کو دو امور میں سے ایک کا انتخاب کرنے کا اختیار اس لئے دیا گیا کہ وہ کفار یا فساق کی قوم تھی۔

(2) اگر وہ غیر فاسق مومن ہوتے تو ان کو عذاب دینے کی اجازت نہ دی جاتی۔

(3) ذوالقرنین کو سیاست شرعیہ کا کچھ حصہ ملا تھا جس کے ذریعے سے اس نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایسے کام کیے جن پر وہ مدح وستائش کا مستحق ٹھہرا چنانچہ اس نے کہا کہ میں ان کو دو قسموں میں تقسیم کروں گا۔ (تفسیر سعدی:1550/2)

(4) یعنی عدل کروں گا ہر ایک کو اس کے طرزِ عمل کے مطابق بدلہ دوں گا۔

﴿قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ

"ذوالقرنین نے کہا: "جس نے ظلم کیا تو ہم جلد ہی اُسے سزا دیں گے پھر وہ اپنے رب کی طرف پلٹایا جائے گا،

عَذَابًا نُّكْرًا﴾

تو وہ اُسے عذاب دے گا، برا عذاب" (87)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 1: مشرکوں کو دنیا میں بھی سزا دی جائے گی اور آخرت میں بھی، اس کی وضاحت ﴿قَالَ اَمَّا مَنۡ...نُّكۡرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ''ذوالقرنین نے کہا'' ذوالقرنین نے اپنے خاص لوگوں سے کہا۔

(2) ﴿اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ﴾ ''جس نے ظلم کیا'' یعنی جس نے کفر کیا یا اپنے رب سے شرک کیا۔

(3) ﴿فَسَوۡفَ نُعَذِّبُهٗ﴾ ''تو ہم جلد ہی اُسے سزا دیں گے'' یعنی وہ قتل کر دیا جائے گا۔ (جامع البیان: 20/16)

(4) ﴿ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكۡرًا﴾ ''پھر وہ اپنے رب کی طرف پلٹایا جائے گا، تو وہ اُسے عذاب دے گا، برا عذاب'' پھر جب وہ لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس جائیں گے تو وہ انہیں عذاب عظیم دے گا اور وہ نکر ہے اور وہ جہنم کا عذاب ہے۔ (جامع البیان: 20/16)

(5) ذوالقرنین نے واضح کیا کہ کافروں اور مشرکوں کو دو سزائیں ملیں گی ایک سزا دنیا میں اور دوسری آخرت میں۔

سوال 2: ذوالقرنین نے اپنی حکومت کا منشور دیا جو ایک صالح حکومت کا منشور ہے، اس کو مختصراً بیان کریں؟

جواب: (1) ذوالقرنین نے اپنی حکومت کا منشور دینے کے بعد واضح کیا کہ سب کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ نہیں ہوگا۔ صالح افراد کی حوصلہ افزائی ہوگی اور ظالموں کی پکڑ دھکڑ اور سزا کا سلسلہ جاری ہوگا۔

(2) ایک صالح حکومت کا منشور: (i) صالح افراد کی حوصلہ افزائی اُن کے لیے سہولت اور اچھی جزا۔ (ii) ظالموں اور حد سے گزرنے والوں پر سختی اُن کی پکڑ دھکڑ اور سزا کا سلسلہ جاری ہوگا۔

(3) صالح حکومت کے منشور کی وجہ سے معاشرے کے نیک افراد کی حوصلہ افزائی اور احسان کا بدلہ احسان سے ملے اور مجرموں اور ظالموں کی بے عزتی ہو اور انہیں سزا ملے تو عام افراد کا میلان اصلاح کی طرف ہو جاتا ہے۔

(4) جس حکومت میں چور، ڈاکو اور ظالم راہ پالیں اور ان کی عزت ہو اور حاکموں کے قریب ہوں تو صالح لوگوں کے خلاف حکومت اعلان جنگ کر دیتی ہے اور ان کی بیخ کنی کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ ایسی حکومت اور عوام کا میلان فساد کی طرف ہو جاتا ہے اور معاشرے میں بُرائی نیکی پر غالب آ جاتی ہے۔

﴿وَاَمَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالۡحُسۡنٰى ۚ وَسَنَقُوۡلُ لَهٗ مِنۡ

''اور ہاں وہ جو ایمان لایا اور اُس نے نیک عمل کیے تو اس کے لیے اچھی جزا ہے اور ہم جلد ہی اس کے لئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اَمۡرِنَا يُسۡرًا﴾

اپنے کام میں آسانی کا حکم دیں گے'' (88)

سوال: مومنوں کے لیے دنیا میں بھی ثواب ہے اور آخرت میں بھی، اس کی وضاحت ﴿وَاَمَّا مَنۡ ... يُسۡرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَمَّا مَنۡ اٰمَنَ﴾ ''اور ہاں وہ جو ایمان لایا'' ذوالقرنین نے کہا جس نے ہماری بات مان لی اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا۔

(2) ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ''اور اُس نے نیک عمل کیے'' یعنی اس نے توحید اختیار کر لی اور نیک اعمال کرتا رہا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں لگا رہا۔

(3) ﴿فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالۡحُسۡنٰى﴾ ''تو اس کے لیے اچھی جزا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا اچھا بدلہ ہے اور وہ جنت ہے۔ جزا یعنی ایمان لانے اور اپنے رب کی اطاعت کرنے پر ثواب ہے۔ (جامع البیان: 20/16)

(4) ﴿وَسَنَقُوۡلُ لَهٗ مِنۡ اَمۡرِنَا يُسۡرًا﴾ ''اور ہم جلد ہی اس کے لئے اپنے کام میں آسانی کا حکم دیں گے'' یعنی ہم اس سے اچھا سلوک کریں گے۔ ہم اس سے نرم بات اور آسان معاملہ کریں گے۔ یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ذوالقرنین نیک بادشاہوں، اولیائے صالحین اور عدل کرنے والوں میں سے تھا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی موافقت کرتے ہوئے ہر شخص کے ساتھ وہی معاملہ کیا جس کے وہ لائق تھا۔ (تفسیر سعدی: 1550/2)

(5) ذوالقرنین نے کہا کہ ہم بھی اسے اپنے کاموں میں سہولت دیں گے۔ اس سے مراد ان کے ساتھ بہتر سلوک، ان کی عزت، اُن کی مدد اور اُن کے لیے آسانیاں ہیں۔

﴿ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا﴾

''پھر وہ کچھ سامان کے ساتھ چلا'' (89)

سوال: ذوالقرنین کی دوسری مہم کی وضاحت ﴿ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا﴾ ''پھر وہ کچھ سامان کے ساتھ چلا'' یہ ذوالقرنین کی دوسری مہم تھی جو کہ مغرب سے مشرق کی طرف تھی۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

(2) راستے میں جو بھی قوم پڑی اس کو زیر کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، انہیں توحید کی دعوت بھی دیتے جاتے تھے۔ اگر کوئی دعوت توحید قبول کر لیتا تو خیر ورنہ انہیں ذلیل و خوار کرتے، ان کا مال اور تمام سامان لوٹ لیتے اور ان سے لشکر کی خدمت اور سامان رسد فراہم کرتے تاکہ آنے والی قوم کی سرکوبی کی جا سکے۔ (مختصر ابن کثیر:1115/2)

﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ

"حتیٰ کہ جب وہ سورج طلوع ہونے کی جگہ تک پہنچا تو اس نے اسے ایسی قوم پر طلوع ہوتے ہوئے پایا جس کے لیے

لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا﴾

ہم نے سورج کے آگے کوئی پردہ نہیں بنایا" (90)

سوال: ذوالقرنین نے مشرق کی جانب کیسی قوم دیکھی، اس کی وضاحت ﴿حَتّٰٓى اِذَا ... سِتْرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ﴾ "حتیٰ کہ جب وہ سورج طلوع ہونے کی جگہ تک پہنچا" یعنی جب وہ دنیا کی انتہائی مشرقی سمت پہنچے۔

(2) ﴿وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا﴾ "تو اس نے اسے ایسی قوم پر طلوع ہوتے ہوئے پایا جس کے لیے ہم نے سورج کے آگے کوئی پردہ نہیں بنایا تھا" مشرق کی جانب ذوالقرنین نے ایسی قوم دیکھی جو گھروں میں رہنے کی بجائے میدانوں اور صحراؤں میں رہتی تھی۔

(3) یعنی وہ وحشی اور غالباً خانہ بدوش قوم مکان و لباس وغیرہ کی صنعتوں سے ناآشنا تھی۔ دھوپ سے بچنے کو نہ مکان تھا، نہ کپڑا۔ (تفسیر ماجدی:156/3)

(4) اس سے مراد یہ ہے کہ قوم لباس سے بھی آزاد تھی اور گھروں میں بھی نہیں رہتی تھی۔ سورج اور ان کے درمیان آڑ نہیں تھی یعنی سورج ان کے ننگے جسموں پر طلوع ہوتا تھا۔

(5) ان کے قد پست، رنگ سرخ اور گھر غار تھے اور عام خوراک مچھلی تھی۔ (مختصر ابن کثیر:1115/2)

﴿كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا﴾

"ایسے ہی تھا اور ذوالقرنین کے پاس جو بھی تھا ہم نے اُس کا علم سے احاطہ کر رکھا تھا" (91)

سوال: اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے حالات کے بارے کیا یقین دہانی کروائی ہے، اس کی وضاحت ﴿كَذٰلِكَ...

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿خُبْرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿كَذٰلِكَ﴾ ''ایسے ہی تھا'' اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ذوالقرنین کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے وہ اسی طرح ہے یعنی واقعہ ایسا ہی ہوا۔

(2)﴿وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا﴾ ''اور ذوالقرنین کے پاس جو بھی تھا ہم نے اُس کا علم سے احاطہ کر رکھا تھا'' ہمیں ذوالقرنین کی تمام باتوں کا علم ہے، ہم اس کے اور اس کے لشکروں کے تمام حالات سے خبردار ہیں، ہم سے ان کی کوئی بات بھی چھپی نہیں ہوئی تھی۔ خواہ کتنا ہی لشکر اور جگہ جگہ زمین پر پھیلا ہوا ہی کیوں نہ ہو، رب العزت نے فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس سے کچھ بھی چھپا نہیں رہتا۔'' (آل عمران:5)

(3) یعنی ذوالقرنین کے پاس جو بھلائی اور عظیم اسباب تھے اور جہاں کہیں وہ جاتا تھا سب اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا۔

﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا﴾

''پھر وہ کچھ سامان لے کر چلا'' (92)

سوال: ذوالقرنین کی تیسری مہم کی وضاحت ﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا﴾ ''پھر وہ کچھ سامان لے کر چلا'' اس سے مراد یہ ہے کہ اب اس کا رُخ کسی اور طرف ہو گیا۔(2) اس سے مراد ذوالقرنین کی تیسری مہم ہے۔

(3) یہ مشرق اور مغرب کے درمیان مشرق سے شمال کی طرف گیا۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ

''حتیٰ کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان میں پہنچا تو اس نے ان دونوں سے اُس طرف ایک قوم دیکھی جو قریب نہیں

يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا﴾

تھے کہ وہ کوئی بات سمجھیں'' (93)

سوال: تیسری مہم میں ذوالقرنین دو پہاڑوں کے درمیان پہنچے تو انہیں کیسے لوگ ملے، اس کی وضاحت ﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ ... قَوْلًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ﴾ ''حتیٰ کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان میں پہنچا'' اصحاب تفسیر کہتے ہیں کہ وہ مشرق سے شمال کی طرف روانہ ہوا اور دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا اور یہ دونوں اس زمانے میں معروف تھے۔ یہ دائیں بائیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دو بندوں کی مانند دو پہاڑی سلسلے تھے اور دونوں پہاڑ یاجوج وماجوج اور لوگوں کے درمیان رکاوٹ تھے۔(تفسیر سعدی:2/1551)

(2) اس سے مراد وہ گھاٹی تھی جو دونوں پہاڑوں کے درمیان تھی۔

(3)﴿وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِهِمَا قَوۡمًا ۙ لَّا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ قَوۡلًا﴾ ''تو اس نے ان دونوں سے اُس طرف ایک قوم دیکھی جو قریب نہیں تھے کہ وہ کوئی بات سمجھیں'' (i) تیسری مہم میں ذوالقرنین کو ایسے لوگ ملے جو وحشی قسم کے تھے۔

(ii) جن کا دوسری قوموں سے میل جول نہیں تھا۔ (iii) جو اپنی زبان کے ماسوا کوئی زبان سمجھ نہیں پاتے تھے۔

(4) اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذوالقرنین کو ایسے علمی اسباب مہیا کر رکھے تھے جن کی بنا پر وہ اجنبی قوم کی زبان سمجھ سکتا تھا، ان سے بات چیت کر سکتا تھا اور وہ اس سے بات کر سکتے تھے۔(تفسیر سعدی:1552)

﴿قَالُوۡا يٰذَا الۡقَرۡنَيۡنِ اِنَّ يَاۡجُوۡجَ وَمَاۡجُوۡجَ مُفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَهَلۡ نَجۡعَلُ لَكَ

''ان لوگوں نے کہا: ''اے ذوالقرنین! یقیناً یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں پھر کیا ہم آپ کے

خَرۡجًا عَلٰٓى اَنۡ تَجۡعَلَ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَهُمۡ سَدًّا﴾

لیے کوئی آمدنی طے کریں کہ آپ اُن کے اور ہمارے درمیان ایک دیوار بنا دیں؟'' (94)

سوال 1: وحشی قوم نے ذوالقرنین سے جو درخواست کی، اس کی وضاحت ﴿قَالُوۡا...سَدًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿قَالُوۡا يٰذَا الۡقَرۡنَيۡنِ﴾ ''ان لوگوں نے کہا: ''اے ذوالقرنین!'' ان لوگوں نے ذوالقرنین کے پاس شکایت کرتے ہوئے کہا۔

(2)﴿اِنَّ يَاۡجُوۡجَ وَمَاۡجُوۡجَ﴾ ''یقیناً یاجوج اور ماجوج'' یاجوج ماجوج آدم علیہ السلام کی نسل کے دو بڑے گروہ تھے۔

(i) یاجوج ماجوج دو قومیں ہیں۔ (ii) ان کی تعداد دوسری انسانی نسلوں کے مقابلے میں زیادہ ہوگی۔

(iii) یاجوج ماجوج سے جہنم کو بھرا جائے گا۔

(3)﴿مُفۡسِدُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ﴾ ''زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں'' یعنی وہ قتل وغارت گری اور لوٹ مار کے ذریعے زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔

(4)﴿فَهَلۡ نَجۡعَلُ لَكَ خَرۡجًا عَلٰٓى اَنۡ تَجۡعَلَ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَهُمۡ سَدًّا﴾ ''پھر کیا ہم آپ کے لیے کوئی آمدنی طے کریں کہ آپ اُن کے اور ہمارے درمیان ایک دیوار بنا دیں؟'' (i) وحشی قوم نے جب یہ دیکھا کہ ذوالقرنین فاتح ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور قوت اور ٹیکنالوجی سے واقف ہے تو اُنہوں نے درخواست کی کہ یاجوج ماجوج کے حملوں سے بچنے کے لیے بند تعمیر کر دے۔(ii) وہ خود یہ بند تعمیر نہیں کر سکتے تھے اور نہ وہ فساد کا دفاع کرنے کی اہلیت رکھتے تھے اس لیے وہ چاہتے تھے کہ ٹیکس دے کر غارت گرانہ حملوں سے بچ سکیں۔

سوال 2: جو لوگ کوئی اور زبان نہیں سمجھتے تھے اُنہوں نے ذوالقرنین سے کیسے بات کی ہوگی؟

جواب: (i) ہوسکتا ہے کہ اس بات چیت کے لیے کسی ترجمان کی خدمات لی گئی ہوں۔

(ii) ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو جو خصوصی وسائل عطا کیے تھے ان میں مختلف زبانوں کا علم بھی ہو۔

﴿قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ

”ذوالقرنین نے کہا: ”جن چیزوں میں میرے رب نے مجھے اقتدار بخشا ہے وہی بہتر ہے، چنانچہ تم اپنی قوت سے میری مدد کرو

أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا﴾

میں اُن کے اور تمہارے درمیان ایک مضبوط بند بنا دوں گا“ (95)

سوال: ذوالقرنین نے قوم کو جو جواب دیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ... رَدْمًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ”ذوالقرنین نے کہا“ ذوالقرنین نے جواب دیا۔

(2) ﴿مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ﴾ ”جن چیزوں میں میرے رب نے مجھے اقتدار بخشا ہے وہی بہتر ہے“ یعنی میرے رب نے جو بھلائی مجھے عطا کی وہ اس سے بہتر ہے جو تم مجھے دینا چاہتے ہو۔

(3) (i) ذوالقرنین نے رب کے دیئے ہوئے کو اپنے لیے کافی قرار دیا۔(ii) ذوالقرنین نے اپنی حکومت کے مقاصد کا اعلان کیا تھا کہ زمین سے ظلم اور فساد کو ختم کر دینا چاہتے ہیں چنانچہ اسی مقصد کی خاطر اس نے بلا معاوضہ بند بنا کر دینا منظور کر لیا۔

(4) ﴿فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ﴾ ”چنانچہ تم اپنی قوت سے میری مدد کرو“ ذوالقرنین نے ماہرین، مزدوروں اور کام کرنے والوں اور تعمیراتی سامان کا مطالبہ کیا تھا جیسا کہ سلیمان علیہ السلام فرمایا:

(5) ﴿فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِمَّا آتَاكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ﴾ ”سو جب وہ سلیمان کے پاس آیا تو اُس نے کہا: ”کیا میری مدد تم لوگ مال سے کرنا چاہتے ہو؟ جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے وہ اُس سے بہتر ہے جو اُس نے تمہیں دیا ہے بلکہ تم ہی اپنے تحفے سے خوش ہوتے ہو۔“ (النمل:36)

(6) یعنی میں چاہتا ہوں کہ تم افرادی قوت، تعمیری چیزوں اور محنت مزدوری کے ذریعے میری مدد کرو۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

(7)﴿اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا﴾ ''میں اُن کے اور تمہارے درمیان ایک مضبوط بند بنا دوں گا'' میں تمہارے لئے دیوار بنوا دوں گا یعنی ایسی رکاوٹ جس کو عبور کر کے وہ تم پر حملہ آور نہیں ہوسکیں گے۔

﴿اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ

''میرے پاس لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لاؤ'' یہاں تک کہ جب اس نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیانی حصے کو برابر کر دیا

قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا﴾

تو کہا: ''دھونکو'' یہاں تک کہ جب اس نے اسے آگ بنا دیا تو کہا: ''مجھے لا کر دو کہ اس پر میں پگھلا ہوا تانبا انڈیل دوں'' (96)

سوال: ذوالقرنین نے ایک مضبوط دیوار تعمیر کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا، اس کی وضاحت ﴿اٰتُوْنِيْ ... قِطْرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ﴾ ''میرے پاس لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لاؤ'' ذوالقرنین نے کہا کہ تم میرے لئے لوہے کی چادریں لے آؤ تو وہ لوگ لوہے کے بڑے بڑے تختے لے آئے۔

(2)﴿حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ﴾ ''یہاں تک کہ جب اس نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیانی حصے کو برابر کر دیا'' پھر جب ذوالقرنین نے لوہے کی دیوار چنوائی۔ اس سے مراد دو پہاڑوں کے درمیان کا خلا تھا جسے لوہے کی چادروں سے پُر کر دیا گیا۔ جب یہ دیوار طول و عرض میں پہاڑوں کی چوٹیوں تک پہنچ گئی۔

(3)﴿قَالَ انْفُخُوْا حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا﴾ ''تو کہا: ''دھونکو'' یہاں تک کہ جب اس نے اسے آگ بنا دیا'' یعنی بہت بڑا الاؤ جلاؤ۔ اس کے لئے بڑی بڑی دھونکنی استعمال کرو تا کہ آگ کی تپش بہت شدید ہوجائے اور تانبا اچھی طرح پگھل جائے۔ جب تانبا پگھل گیا جس کو وہ فولاد کے تختوں کے درمیان ڈالنا چاہتا تھا۔ (تفسیر سعدی: 1552/2)

(4)﴿قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا﴾ ''تو کہا: ''مجھے لا کر دو کہ اس پر میں پگھلا ہوا تانبا انڈیل دوں'' (i) ذوالقرنین نے بند کو مضبوط کرنے کے لیے لوہے کے اندر خاص مقدار میں تانبا ملایا۔ (ii) یہ طریقہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ذوالقرنین کو سکھایا پھر اپنی کتاب میں بتایا۔ ذوالقرنین نے پگھلا ہوا تانبہ دیوار پر ڈالا جس سے دیوار بہت مضبوط ہوگئی یوں دیوار سے ادھر والے لوگ یاجوج اور ماجوج کی تباہ کاریوں سے محفوظ ہوگئے۔ (تفسیر سعدی: 1552/2)

﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾

''پھر نہ ان میں یہ طاقت رہی کہ وہ اس پر چڑھیں اور نہ وہ اس میں سوراخ کر سکے'' (97)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سوال: یاجوج اور ماجوج نہ اس دیوار پر چڑھ سکتے ہیں اور نہ نقب لگا سکتے ہیں، اس کی وضاحت ﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا... نَقْبًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ﴾ ''پھر نہ ان میں یہ طاقت رہی کہ وہ اس پر چڑھیں'' یاجوج اور ماجوج کے لیے پہاڑی درّے پر باندھے جانے والے بند کی وجہ سے انسانی آبادیوں میں آنا اور پس ماندہ قوم پر غلبہ پانا ممکن نہ رہا۔

(2) یعنی وہ اس دیوار پر چڑھنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے کیونکہ یہ بہت بلند تھی۔

(3) ﴿وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا﴾ ''اور نہ وہ اس میں سوراخ کر سکے'' یہ مضبوط بند کی وجہ سے ہوا جو لوہے اور پیتل کو پگھلا کر بنایا گیا تھا۔ اس میں سوراخ کرنا ممکن نہ رہا تھا۔

(4) بعض روایات کے مطابق یہ دیوار 50 میل لمبی 29 فٹ اونچی اور 10 فٹ چوڑی تھی اور اس دیوار کا فائدہ بھی اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ اس کی بلندی بھی کم از کم دونوں اطراف کی بلندی کے برابر تو ہو۔ اتنی بلندی کی وجہ سے اس کے اوپر چڑھا بھی نہ جا سکتا تھا اور لوہے کی تعمیر شدہ دیوار ہونے کی وجہ سے اس میں شگاف بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ جب یہ دیوار تعمیر ہو گئی تو ذوالقرنین نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ جس نے یہ دیوار بنانے اور لوگوں کو آئے دن کی پریشانی سے نجات دلانے کی توفیق بخشی مگر ساتھ ہی لوگوں کو یہ بھی بتا دیا کہ یہ دیوار اگرچہ بہت مضبوط اور مستحکم ہے مگر یہ لازوال نہیں جو چیز بھی بنی ہے بالآخر فنا ہونے والی ہے۔ (تیسیر القرآن:2/659)

﴿قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ

''ذوالقرنین نے کہا: ''یہ میرے رب کی ایک رحمت ہے، چنانچہ جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا،

وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا﴾

اور میرے رب کا وعدہ ہمیشہ سے سچا ہے'' (98)

سوال 1: ذوالقرنین نے عظیم عوامی منصوبے کو رب کی رحمت کیسے قرار دیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ﴾ ''ذوالقرنین نے کہا: ''یہ میرے رب کی ایک رحمت ہے'' ذوالقرنین نے دیوار بنانے کے بعد لوگوں سے کہا: یہ میرے رب کی لوگوں پر عظیم رحمت ہے کہ اس نے ان کے اور ان کے دشمنوں یعنی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

یاجوج اور ماجوج کے درمیان رکاوٹ پیدا کر دی۔ اب وہ فساد پھیلانے کے لئے دیوار کی اس جانب نہیں آسکتے۔

(2) ذوالقرنین نے علم اور ٹیکنالوجی پر غرور نہیں کیا۔ اُس نے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ جس رب نے توفیق دی تھی اُس نے اس کو اسی کی طرف لوٹا دیا۔ اُس نے اپنی قوت کی بجائے رب کی قوت کی طرف رجوع کیا۔ اُس نے اپنے کام اللہ تعالیٰ کے حوالے کیے اور قیامت کے دن کو یاد کیا جب سب ریزہ ریزہ ہو جائے گا لہٰذا اُسے اس کام میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔

(3) یہ صالح خلفاء کا حال ہے، جب اللہ تعالیٰ انہیں جلیل القدر نعمتوں سے نوازتا ہے تو ان کے شکر، اللہ تعالیٰ کی نعمت کے اقرار اور اعتراف میں اضافہ ہو جاتا ہے جیسا کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے کیا تھا جب اتنی دور سے ملکہ سبا کا تخت ان کی خدمت میں حاضر کیا گیا تھا تو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اقرار کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا: ﴿هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ﴾ ''یہ میرے رب کے فضل میں سے ہے تا کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری؟'' (النمل:40)

اس کے برعکس جابر متکبر اور زمین پر عام غالب لوگوں کو بڑی بڑی نعمتیں اور زیادہ متکبر اور مغرور بنا دیتی ہیں جیسا کہ قارون، جس کو اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے خزانے عطا کیے تھے کہ ان کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت اٹھاتی تھی، کہا تھا: ﴿اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ﴾ ''بلاشبہ یہ مجھے ایک علم کی بنا پر ہی دیا گیا ہے جو میرے پاس ہے۔'' (القصص:78) (تفسیر سعدی)

سوال 2: ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار کب ٹوٹے گی، اس کی وضاحت ﴿فَاِذَا جَآءَ ... حَقًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار قیامت کے قریب ٹوٹے گی۔ جیسا کہ ذوالقرنین نے کہا تھا:

(2) ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ﴾ ''چنانچہ جب میرے رب کا وعدہ آئے گا'' رب کے وعدے سے مراد قیامت کے قریب یاجوج اور ماجوج کا ظہور ہے۔

(3) ﴿جَعَلَهٗ دَكَّآءَ﴾ ''تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا'' یعنی اس مضبوط اور مستحکم دیوار کو گرا کر منہدم کر دے گا اور وہ زمین کے ساتھ برابر ہو جائے گی۔ (تفسیر سعدی:1553/2)

(4) ﴿وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا﴾ ''اور میرے رب کا وعدہ ہمیشہ سے سچا ہے'' یعنی جب میرے رب کا سچا وعدہ آئے گا تو وہ اسے زمین دوز بنا دے گا۔ (مختصر ابن کثیر:1117/2)

(5) (i) صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تھوڑے سے سوراخ کو فتنے کے قریب ہونے سے تعبیر کیا۔ (بخاری:3168)

(ii) یاجوج اور ماجوج ہر روز اس دیوار کو کھودتے ہیں اور کل کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوگی کہ وہ نکل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آئیں تو پھر وہ ان شاء اللہ کہہ کر کھودیں گے پھر وہ اس سے نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے، زمین میں فساد پھیلائیں گے، لوگ ان سے بچنے کے لیے قلعہ بند ہو جائیں گے۔ وہ آسمانوں پر تیر پھینکیں گے اور وہ خون آلود ہو جائیں گے۔ بالآخر اُن کی گدیوں پر ایسا کیڑا پیدا ہو گا جس سے وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ (ترمذی:3153، صحیح البانی:1735)

(6) سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یاجوج اور ماجوج کا ظہور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کی موجودگی میں ہوگا۔ (صحیح مسلم)

(7) سیدنا حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم باہم گفتگو کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم کس بات کا تذکرہ کر رہے ہو؟'' انہوں نے عرض کیا: ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ ہرگز قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ تم اس سے پہلے دس علامات دیکھ لو گے، پھر دھوئیں، دجال، دابۃ الارض، سورج کے مغرب سے طلوع ہونے اور سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے نازل ہونے اور یاجوج وماجوج اور تین جگہوں کے دھنسنے، ایک دھنسنا مشرق میں اور ایک دھنسنا مغرب میں اور ایک دھنسنا جزیرۃ العرب میں ہونے اور آخر میں یمن سے آگ نکلنے کا ذکر فرمایا، جو لوگوں کو جمع ہونے کی جگہ کی طرف لے جائے گی۔ (صحیح مسلم)

(8) ﴿حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَھُمْ مِّنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ (۹۶) وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا ھِیَ شَاخِصَۃٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ؕ یٰوَیْلَنَا قَدْ کُنَّا فِیْ غَفْلَۃٍ مِّنْ ھٰذَا بَلْ کُنَّا ظٰلِمِیْنَ (۹۷)﴾ ''حتیٰ کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑ پڑیں گے۔ اور وہ سچا وعدہ قریب آجائے گا اچانک ان لوگوں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی جنہوں نے کفر کیا، ہائے ہماری بربادی! یقیناً ہم اس سے غفلت میں تھے بلکہ ہم ہی ظالم تھے۔'' (الانبیاء:96,97)

سوال 3: ذوالقرنین کے کیا خصائل ہیں؟

جواب: اس آیت پر ذوالقرنین کا ان لوگوں سے خطاب بھی ختم ہو جاتا ہے اور قصہ ذوالقرنین بھی۔ اس میں محض کفار مکہ کے سوال کا جواب ہی نہیں دیا گیا بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ ذوالقرنین ایک بہت بڑا فاتح اور شان وشوکت والا بادشاہ ہونے کے باوجود توحید اور آخرت کا قائل تھا۔ عدل وانصاف کے علاوہ فیاضی سے کام لیتا تھا۔ نرمی کا برتاؤ کرتا تھا، تمہاری طرح کم ظرف نہ تھا کہ معمولی قسم کی سرداریاں پا کر اکڑ بیٹھے ہو اور دوسروں کو حقیر سمجھتے ہو۔ (تیسیر القرآن:2/659)

سوال 4: سد ذوالقرنین کہاں واقع ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: رہی یہ بات کہ سد ذوالقرنین کہاں واقع ہے؟ تو اس میں بھی اختلاف ہے کیونکہ آج تک ایسی پانچ دیواریں معلوم ہو چکی ہیں جو مختلف بادشاہوں نے مختلف علاقوں میں مختلف ادوار میں جنگجو قوموں کے حملہ سے بچاؤ کی خاطر بنوائی تھیں۔ ان میں سے زیادہ مشہور دیوار چین ہے۔ یہ دیوار سب سے زیادہ لمبی ہے اور اس کی لمبائی کا اندازہ بارہ سو میل سے لے کر پندرہ سو میل تک کیا گیا ہے۔ یہ دیوار عجائب روزگار میں شمار ہوتی ہے اور اب تک موجود ہے اور اسے چی وانگتی فغفور چین نے اندازاً 235ق م میں تعمیر کروایا تھا اور سد ذوالقرنین وہ دیوار ہے جو جبل الطائی کے کسی درہ کو بند کیے ہوئے ہے جس کا ابن خلدون نے بھی ذکر کیا ہے اور اکثر مورخین اسلام اس کو سد یاجوج بھی کہتے ہیں۔ جبل الطائی منچوریا اور منگولیا میں حائل ہے اور اسی پہاڑ کے بیچ میں ایک درہ کشادہ تھا جہاں یاجوج ماجوج کی قومیں حملہ آور ہوتی تھیں۔ اس درے کو ذوالقرنین حمیری بادشاہ نے بند کروایا تھا اور یہ دیوار اب تک موجود ہے۔ (تیسیر القرآن:656/2)

سوال 5: یاجوج اور ماجوج کے بارے میں نبی ﷺ نے کیا راہ نمائی فرمائی ہے؟

جواب: (1) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یاجوج و ماجوج ہر روز (اپنی دیوار) کھودتے ہیں یہاں تک کہ جب قریب ہوتا ہے کہ سورج کی روشنی ان کو دکھائی دے تو جو شخص ان کا سردار ہوتا ہے وہ کہتا ہے: اب لوٹ چلو (باقی) کل کھودیں گے، پھر اللہ تعالیٰ اسے ویسی ہی مضبوط کر دیتا ہے جیسی وہ پہلے تھی، یہاں تک کہ جب ان کی مدت پوری ہو جائے گی، اور اللہ تعالیٰ کو ان کا خروج منظور ہوگا، تو وہ (عادت کے مطابق) دیوار کھودیں گے جب کھودتے کھودتے قریب ہوگا کہ سورج کی روشنی دیکھیں تو اس وقت ان کا سردار کہے گا کہ اب لوٹ چلو، ان شاءاللہ کل کھودیں گے، اور ان شاءاللہ کا لفظ کہیں گے، چنانچہ (اس دن) وہ لوٹ جائیں گے، اور دیوار اسی حال پر رہے گی، جیسے وہ چھوڑ گئے تھے، پھر وہ صبح آ کر اسے کھودیں گے اور اسے کھود کر باہر نکلیں گے، اور سارا پانی پی کر ختم کر دیں گے، اور لوگ (اس وقت) بھاگ کر اپنے قلعوں میں محصور ہو جائیں گے، یہ لوگ (زمین پر پھیل کر) آسمان کی جانب اپنے تیر ماریں گے، تو ان کے تیر خون میں لت پت ان کے پاس لوٹیں گے، وہ کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو تو مغلوب کیا، اور آسمان والوں پر بھی غالب ہوئے، پھر اللہ تعالیٰ ان کی گدیوں (گردنوں) میں کیڑے پیدا فرمائے گا جو انہیں مار ڈالیں گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! زمین کے جانور ان کا گوشت اور چربی کھا کر خوب موٹے ہوں گے۔'' (ابن ماجہ:4080)

(2) زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ان کے پاس گھبرائے ہوئے داخل ہوئے، آپ فرما

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہے تھے کہ تباہی ہے عربوں کے لئے اس برائی سے جو قریب آچکی ہے۔آج یاجوج وماجوج کی دیوار سے اتنا کھل گیا ہے اور آپ نے اپنے انگوٹھے اور اس کے قریب والی انگلی کو ملا کو ایک حلقہ بنایا۔اتنا سن کر زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! تو کیا ہم اس کے باوجود ہلاک ہوجائیں گے کہ ہم میں نیک، صالح لوگ بھی زندہ ہوں گے؟ نبی ﷺ نے فرمایا:''ہاں جب بدکاری بہت بڑھ جائے گی۔'' (بخاری:7135)

(3) سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صبح رسول اللہ ﷺ نے دجال کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے اس کی کبھی تحقیر کی اور کبھی بڑا کر کے بیان فرمایا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ وہ کھجوروں کے ایک جھنڈ میں ہے پس جب ہم شام کو آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ہم سے اس بارے میں معلوم کرلیا تو فرمایا:''تمہارا کیا حال ہے؟''ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے صبح دجال کا ذکر کیا اور اس میں آپ ﷺ نے کبھی تحقیر کی اور کبھی اس فتنہ کو بڑا کر کے بیان کیا، یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ وہ کھجوروں کے ایک جھنڈ میں ہے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا:''میں تمہارے بارے میں دجال کے علاوہ دوسرے فتنوں کا زیادہ خوف کرتا ہوں۔ اگر وہ میری موجودگی میں ظاہر ہوگیا تو تمہاری بجائے میں اس کا مقابلہ کروں گا اور اگر میری غیر موجودگی میں ظاہر ہوا تو ہر شخص خود اس سے مقابلہ کرنے والا ہوگا اور اللہ ہر مسلمان پر میرا خلیفہ اور نگہبان ہوگا بے شک (دجال) نوجوان، گھنگریالے بالوں والا اور پھولی ہوئی آنکھ والا ہوگا۔گویا کہ میں اسے عبدالعزیٰ بن قطن کے ساتھ تشبیہ دیتا ہوں۔پس تم میں سے جو کوئی اسے پالے تو چاہیے کہ اس پر سورۃ کہف کی ابتدائی آیات کی تلاوت کرے۔بے شک اس کا خروج شام اور عراق کے درمیان سے ہوگا۔پھر وہ اپنے دائیں اور بائیں جانب فساد برپا کرے گا۔اے اللہ کے بندو! ثابت قدم رہنا۔''ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ زمین میں کتنا عرصہ رہے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:''چالیس دن اور ایک دن سال کے برابر اور ایک دن مہینہ کے برابر اور ایک دن ہفتہ کے برابر ہوگا اور باقی ایام تمہارے عام دنوں کے برابر ہوں گے۔''ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ دن جو سال کے برابر ہوگا کیا اس میں ہمارے لیے ایک دن کی نمازیں پڑھنا کافی ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:''نہیں بلکہ تم ایک سال کی نمازوں کا اندازہ کرلینا۔''ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کی زمین میں چلنے کی تیزی کیا ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:''اس بارش کی طرح جسے ہوا دھکیل رہی ہو۔''پس وہ ایک قوم کے پاس آئے گا اور انہیں دعوت دے گا تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے اور اس کی دعوت قبول کرلیں گے۔پھر وہ آسمان کو حکم دے گا تو وہ بارش برسائے گا اور زمین سبزا اُگائے گی اور اسے چرنے والے جانور شام کے وقت آئیں گے تو ان کے کوہان پہلے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے لمبے، تھن بڑے اور کوکھیں تنی ہوں گی۔ پھر وہ ایک اور قوم کے پاس جائے گا اور انہیں دعوت دے گا۔ وہ اس کے قول کو رد کر دیں گے تو وہ ان سے واپس لوٹ آئے گا۔ پس وہ قحط زدہ ہو جائیں گے کہ ان کے پاس دن کے مالوں میں سے کچھ بھی نہ رہے گا۔ پھر وہ ایک بنجر زمین اور ویران زمین کے پاس سے گزرے گا اور اسے کہے گا کہ اپنے خزانے کو نکال دے، زمین کے خزانے اس کے پاس آئیں گے جیسے شہد کی مکھیاں اپنے سرداروں کے پاس آتی ہیں۔ پھر وہ ایک کڑیل اور کامل الشباب آدمی کو بلائے گا اور اسے تلوار مار کر اس کے دو ٹکڑے کر دے گا اور دونوں ٹکڑوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے ایک تیر کی مسافت پر رکھ دے گا۔ پھر وہ اس (مردہ) کو آواز دے گا تو وہ زندہ ہو کر چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ ہنستا ہوا آئے گا۔ دجال کے اسی فعل کے دوران اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا وہ دمشق کے مشرق میں سفید منارے کے پاس زرد رنگ کا حلہ پہنے ہوئے دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے جب وہ اپنے سر کو جھکائیں گے تو اس سے قطرے گریں گے اور جب اپنے سر کو اٹھائیں گے تو اس سے سفید موتیوں کی طرح قطرے ٹپکیں گے اور جو کافر بھی اس کی خوشبو سونگھے گا وہ مرے بغیر رہ نہ سکے گا اور ان کی خوشبو وہاں تک پہنچے گی جہاں تک ان کی نظر جائے گی پس سیدنا مسیح علیہ السلام (دجال کو) طلب کریں گے اسے باب لد پر پائیں گے تو اسے قتل کر دیں گے۔ پھر عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے پاس وہ قوم آئے گی جسے اللہ نے دجال سے محفوظ رکھا تھا پس عیسیٰ علیہ السلام ان کے چہروں کو صاف کریں گے اور انہیں جنت میں ملنے والے ان کے درجات بتائیں گے۔ پس اسی دوران سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ رب العزت وحی نازل فرمائیں گے کہ تحقیق! میں نے اپنے ایسے بندوں کو نکالا ہے کہ کسی کو ان کے ساتھ لڑنے کی طاقت نہیں پس آپ میرے بندوں کو حفاظت کے لیے طور کی طرف لے جائیں اور اللہ تعالیٰ یاجوج وماجوج کو بھیجے گا اور وہ ہر اُونچائی سے نکل پڑیں گے۔ ان کی اگلی جماعتیں بحیرہ طبریہ پر سے گزریں گی اور اس کا سارا پانی پی جائیں گی اور ان کی آخری جماعتیں گزریں گی تو کہیں گی کہ اس جگہ کسی وقت پانی موجود تھا۔ اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی محصور ہو جائیں گے، یہاں تک کہ ان میں کسی ایک کے لیے بیل کی سری بھی تم میں سے کسی ایک کے لیے آج کل کے سو دینار سے افضل و بہتر ہو گی۔ پھر اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ سے دُعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ یاجوج وماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کرے گا۔ وہ ایک جان کی موت کی طرح سب کے سب یک لخت مر جائیں گے۔ پھر اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی زمین کی طرف اُتریں گے تو زمین میں ایک بالشت کی جگہ بھی یاجوج وماجوج کی علامات اور بدبو سے انہیں خالی نہ ملے گی۔ پھر اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی دُعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ اونٹوں کی گردنوں کے برابر پرندے بھیجیں گے جو انہیں اٹھا کر لے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جائیں گے اور جہاں اللہ چاہے وہ انہیں پھینک دیں گے پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیجے گا جس سے ہر مکان خواہ وہ مٹی کا ہو یا بالوں کا آئینہ کی طرح صاف ہو جائے گا اور زمین مثل باغ یا حوض کے دُھل جائے گی۔ پھر زمین سے کہا جائے گا: اپنے پھل کو اُگا دے اور اپنی برکت کو لوٹا دے۔ پس ان دنوں ایسی برکت ہوگی کہ ایک انار کو ایک پوری جماعت کھائے گی اور اس کے چھلکے میں سایہ حاصل کرے گی اور دودھ میں اتنی برکت دی جائے گی کہ ایک دودھ دینے والی گائے قبیلہ کے لوگوں کے لیے کافی ہو جائے گی اور ایک دودھ دینے والی اونٹنی ایک بڑی جماعت کے لیے کافی ہوگی اور ایک دودھ دینے والی بکری پورے گھرانے کے لیے کفایت کر جائے گی۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو لوگوں کی بغلوں کے نیچے تک پہنچ جائے گی۔ پھر ہر مسلمان اور ہر مومن کی روح قبض کر لی جائے گی اور بدلوگ باقی رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح سرعام جماع کریں گے۔ پس انہیں پر قیامت قائم ہوگی۔'' (مسلم:2937)

(4) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یاجوج و ماجوج آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اگر وہ آبادیوں میں بھیج دیئے جاتے تو لوگوں کے اسباب زندگی اور معیشت برباد کر دیتے۔'' (مجمع الزوائد:8/13 کتاب الفتن، رقم الحدیث:12571)

(5) سیدنا ابنِ حرملہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ''لوگ کہہ رہے ہو کہ اب دشمن نہیں رہا حالانکہ تم لوگ ہمیشہ اپنے دشمنوں سے جہاد کرتے رہو گے حتی کہ یاجوج و ماجوج نکل آئیں گے، چھوٹے چہرے والے، چھوٹی آنکھوں والے اور سرخی مائل سیاہ بالوں والے ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے ان کے چہرے چمڑا ابھری ڈھال جیسے موٹے ہوں گے۔'' (احمد، طبرانی)

(6) سیدنا ابوسعید خدری نے بیان کیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ پاک قیام کے دن سیدنا آدم علیہ السلام سے فرمائے گا، اے آدم! وہ عرض کریں گے: میں حاضر ہوں اے رب! تیری فرمانبرداری کے لئے، پروردگار آواز سے پکارے گا (یا فرشتہ پروردگار کی طرف سے آواز دے گا) اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے دوزخ کا جتھا نکالو، وہ عرض کریں گے: اے پروردگار! دوزخ کا جتھا کتنا نکالوں حکم ہوگا (راوی نے کہا میں سمجھتا ہوں) ہر ہزار آدمیوں میں سے نوسو ننانوے (گویا ہزار میں ایک جنتی ہوگا) یہ ایسا سخت وقت ہوگا کہ پیٹ والی کا حمل گر جائے گا اور بچہ فکر کے مارے بوڑھا ہو جائے گا (یعنی جو بچپن میں مرا ہو) تو قیامت کے دن لوگوں کو ایسا دیکھے گا جیسے وہ نشے میں متوالے ہو رہے ہیں حالانکہ ان کو نشہ نہ ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ایسا سخت ہوگا یہ حدیث جو صحابہ حاضر تھے ان پر سخت گزری ان کے چہرے مارے ڈر کے بدل گئے، اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا: ''(تم اتنا کیوں ڈرتے ہو) اگر یاجوج و ماجوج کی جو کافر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں نسل تم سے ملائی جائے تو ان میں سے نو سو ننانوے کے مقابل تم میں سے ایک آدمی پڑے گا غرض تم حشر کے دن دوسرے لوگوں کی نسبت (جو دوزخی ہوں گے) ایسے ہوں گے جیسے سفید بیل کے جسم پر ایک بال کالا ہوتا ہے یا جیسے کالے بیل کے جسم پر ایک دو بال سفید ہوتے ہیں اور مجھ کو اُمید ہے کہ تم سارے جنتیوں کا چوتھائی حصہ ہو گے (باقی تین حصوں میں اور سب اُمتیں ہوں گی)" یہ سن کر ہم نے اللہ اکبر کہا پھر آپ نے فرمایا: "نہیں بلکہ تم ایک تہائی ہو گے۔" پھر ہم نے نعرہ تکبیر بلند کیا پھر فرمایا: "نہیں! بلکہ تم آدھا حصہ ہو گے آدھے حصے میں اور اُمتیں ہوں گی۔" ہم نے پھر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ (بخاری: 4741)

(7) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے (ان کی سد ٹوٹ جائے گی)۔ پھر وہ نکلیں گے جیسے اللہ نے فرمایا: "اور وہ ہر بلندی سے دوڑ پڑیں گے۔" وہ ساری زمین میں پھیل جائیں گے اور مسلمان ان سے علیحدہ رہیں گے یہاں تک کہ جو مسلمان باقی ہوں گے وہ اپنے شہروں اور قلعوں میں چلے جائیں گے اور اپنے چرانے کے جانور بھی ساتھ لے جائیں گے، یاجوج ماجوج کا یہ حال ہوگا کہ ان کے لوگ ایک نہر پر سے گزریں گے اور اس کا سارا پانی پی ڈالیں گے یہاں تک کہ پانی کا ایک قطرہ نہ رہے گا اور ان میں سے کوئی یہ کہے گا کہ یہاں کبھی پانی تھا اور زمین پر وہ غالب ہو جائیں گے یہاں تک کہ ان میں سے ایک کہے گا: اب زمین والوں سے تو ہم فارغ ہوئے (کوئی ہمارا مقابل نہ رہا) اب آسمان والوں سے لڑیں گے۔ آخر ان میں سے ایک اپنا حربہ آسمان کی طرف پھینکے گا وہ خون میں رنگا ہوا لوٹ کر گرے گا۔ وہ کہیں گے: ہم نے آسمان والوں کو بھی مار ڈالا۔ خیر یہ لوگ اسی حال میں ہوں گے کہ اللہ عزوجل چند جانور ٹڈی کے کیڑوں کی طرح بھیجے گا (نغف کی طرح۔ نغف اس کیڑے کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں پڑ جاتا ہے تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے) یہ کیڑے ان کی گردنوں کو کاٹیں گے یا گردن میں گھس جائیں گے وہ سب ٹڈیوں کی طرح یک بارگی مر جائیں گے۔ ایک پر ایک پڑا ہوگا اور مسلمان صبح کو اپنے شہروں اور قلعوں میں ان کی آواز نہیں سنیں گے۔ وہ کہیں گے: ہم میں سے کون ہے جو اپنی جان پر کھیلے یعنی اپنی جان کی پرواہ نہ کرے اور جا کر دیکھے کہ یاجوج ماجوج کیا کرتے ہیں۔ آخر مسلمانوں میں سے ایک شخص نکلے گا یا اترے گا (قلعہ سے) یہ سمجھ کر کہ وہ مجھ کو ضرور مار ڈالیں گے، دیکھے گا تو وہ مردہ ہوں گے۔ وہ دوسرے مسلمانوں کو پکارے گا: اے بھائیو خوش ہو جاؤ! تمہارے دشمن مر گئے۔ یہ سن کر سب مسلمان نکلیں گے اور اپنے جانوروں کو چرنے چھوڑ دیں گے (جو مدت سے بچارے بند ہوں گے) ان کے چرنے کو کچھ نہ ہوگا سوائے یاجوج و ماجوج کے گوشت کے، وہ ان کا گوشت کھا کر خوب موٹے ہوں گے جیسے کبھی کوئی گھاس کھا کر موٹے ہوئے تھے۔" (ابن ماجہ: 4079)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ

''اور اس دن ہم ان میں سے بعض کو چھوڑ دیں گے کہ وہ ایک دوسرے میں گھس جائیں اور صور میں پھونک دیا جائے گا

فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا﴾

پھر ہم ان سب کو ایک جگہ جمع کریں گے، پوری طرح جمع کرنا'' (99)

سوال1: جب یاجوج و ماجوج کا ظہور ہوگا تو ان کی کثرت کی کیا حالت ہوگی، اس کی وضاحت ﴿وَتَرَكْنَا...بَعْضٍ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ﴾ ''اور اس دن ہم ان میں سے بعض کو چھوڑ دیں گے کہ وہ ایک دوسرے میں گھس جائیں'' جب یاجوج و ماجوج کا ظہور ہوگا یعنی جب وہ اپنے علاقوں سے نکل کر حملہ آور ہوں گے تو اپنی کثرت اور ساری زمین پر پھیل جانے کی وجہ سے سمندر کی موجوں کی طرح ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوں گے۔ جیسا کہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: ﴿حَتّٰى إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوْجُ وَمَأْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ﴾ ''یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑ پڑیں گے۔'' (الانبیاء: 96)

(2) اس سے مراد یہ بھی ہے کہ جب لوگ قیامت کے دن اکٹھے ہوں گے تو تعداد کی زیادتی، زلزلوں اور دہشت اور اضطراب کی وجہ سے ایک دوسرے کو دھکم پیل کر رہے ہوں گے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا﴾ ''اور صور میں پھونک دیا جائے گا پھر ہم ان سب کو ایک جگہ جمع کریں گے، پوری طرح جمع کرنا۔''

سوال2: صور پھونکے جانے اور لوگوں کے جمع کیے جانے کی وضاحت ﴿وَّنُفِخَ...جَمْعًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ﴾ ''اور صور میں پھونک دیا جائے گا'' یعنی جب سیدنا اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے تو اللہ تعالیٰ تمام روحوں کو جسموں میں واپس لوٹا دیں گے۔ پھر سب لوگوں کو میدان قیامت میں جمع کرے گا تا کہ ان کے اعمال کا حساب کتاب لیا جائے اور ان کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے۔

(2) سیدنا عبداللہ بن عمر بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک گنوار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا کہ صور کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک نرسنگا ہے۔ قیامت کے دن اس میں پھونکا جائے گا۔'' (ترمذی: 2430)

(3) سیدنا ابی سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں کیوں کر آرام کر سکتا ہوں اور صاحب قرن یعنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسرافیل قرن کو منہ میں لیے اور کان لگائے ہوئے ہے کہ کب پھونکنے کا حکم ہو سو پھونک دے۔" یہ امر اصحاب رسول ﷺ پر سخت گزرا پس آپ ﷺ نے فرمایا: تم کہو ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا﴾ "یعنی ہم کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور اچھا وکیل ہے اللہ پر ہم نے توکل کیا۔" (ترمذی:2431)

(4) ﴿فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا﴾ "پھر ہم ان سب کو ایک جگہ جمع کریں گے، پوری طرح جمع کرنا" پھر اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو میدان حشر میں جمع کریں گے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ (٤٩) لَمَجْمُوْعُوْنَ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (٥٠)﴾ "آپ کہہ دیں بلاشبہ پہلے اور پچھلے۔ ایک معلوم دن کے مقررہ وقت پر یقیناً جمع کیے جانے والے ہیں۔" (الواقعہ:50،49)

(5) ﴿وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا﴾ "اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو بالکل صاف میدان دیکھیں گے اور ہم ان سب کو جمع کریں گے، چنانچہ ہم ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے۔" (الکھف:47)

﴿وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا﴾

"اور اُس دن جہنم کو ہم کافروں کے سامنے لائیں گے، پوری طرح سامنے لانا" (100)

سوال: قیامت کے دن جہنم کو کافروں کے سامنے لایا جائے گا، اس کی وضاحت ﴿وَّعَرَضْنَا ... عَرْضًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا﴾ "اور اُس دن جہنم کو ہم کافروں کے سامنے لائیں گے، پوری طرح سامنے لانا" اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ روز قیامت کافروں کے ساتھ یہ معاملہ کرے گا کہ وہ ان کے سامنے جہنم کو لائے گا، یعنی اسے ظاہر کرے گا تا کہ وہ جہنم رسید ہونے سے پہلے ہی اس کے عذاب اور سزاؤں کو دیکھ لیں اور اس طرح جہنم میں داخل ہونے سے پہلے ہی انہیں جلدی سے غم و حزن میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ (المصباح المنیر:803/3)

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى (٣٤) يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى (٣٥) وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى (٣٦)﴾ "پھر جب ہر چیز پر چھا جانے والی بہت بڑی مصیبت آ جائے گی۔ جس دن انسان یاد کرے گا جو اس نے کوشش کی اور ہر شخص کے لیے جو دیکھتا ہے، اس پر جہنم ظاہر کر دی جائے گی۔" (النازعات:34-36)

(3) سیدنا عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں موجود تھا کہ دو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شخص آئے' ایک فقر و فاقہ کی شکایت لیے ہوئے تھا اور دوسرے کو راستوں کے غیر محفوظ ہونے کی شکایت تھی۔ اس پر رسول ﷺ نے فرمایا: ''جہاں تک راستوں کے غیر محفوظ ہونے کا تعلق ہے تو بہت جلد ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ جب ایک قافلہ مکہ سے کسی محافظ کے بغیر نکلے گا (اور اسے راستے میں کوئی خطرہ نہ ہوگا) اور رہا فقر و فاقہ تو قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک (مال و دولت کی کثرت کی وجہ سے یہ حال نہ ہو جائے کہ) ایک شخص اپنا صدقہ لے کر تلاش کرے لیکن کوئی اسے لینے والا نہ ملے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک شخص اس طرح کھڑا ہوگا کہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہ ہوگا اور نہ ترجمانی کے لیے کوئی ترجمان ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ کیا میں نے دنیا میں تجھے مال نہیں دیا تھا؟ وہ کہے گا کہ ہاں دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیا میں نے تمہارے پاس پیغمبر نہیں بھیجا تھا؟ وہ کہے گا کہ ہاں بھیجا تھا۔ پھر وہ شخص اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو آگ کے سوا اور کچھ نظر نہیں آئے گا پھر بائیں طرف دیکھے گا تو ادھر بھی آگ ہی آگ ہوگی۔ پس تمہیں جہنم سے ڈرنا چاہیے خواہ ایک کھجور کے ٹکڑے ہی (کا صدقہ کر کے اس سے اپنا بچاؤ کر سکو) اگر یہ بھی میسر نہ آسکے تو اچھی بات ہی منہ سے نکالو۔'' (صحیح بخاری:1413)

(4) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جہنم کو قیامت والے دن لایا جائے گا، اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔'' (صحیح مسلم:2842)

11 ع 19 2 ﴿الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَ كَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا﴾

''وہ لوگ جن کی آنکھیں میرے ذکر سے پردے میں تھیں اور وہ سننے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے'' (101)

سوال: حق سے بہرے اور اندھے لوگوں کے لیے جہنم ہے، اس کی وضاحت ﴿الَّذِيْنَ ... سَمْعًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) جہنم ان لوگوں کے لیے ہے جو غفلت میں مبتلا ہو کر قبول ہدایت اور اتباع حق سے اندھے اور بہرے ہو گئے تھے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے رب العزت نے فرمایا:

(2) ﴿الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ﴾ ''وہ لوگ جن کی آنکھیں میرے ذکر سے پردے میں تھیں'' یعنی یہ لوگ قرآن حکیم سے روگردانی کرتے تھے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ﴾ ''اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دل اس سے پردے میں ہیں جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے، پھر تم عمل کرو، یقیناً ہم بھی عمل کرنے والے ہیں۔'' (حٰم سجدہ:5)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(3) جولوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بہرے ہوتے ہیں، اس کی نشانیاں دیکھنے سے اندھے ہوتے ہیں نہ وہ ہدایت حاصل کر سکتے ہیں نہ حق کی پیروی کر سکتے ہیں۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾ ''اور جو شخص رحمان کے ذکر سے اندھا بن جاتا ہے ہم اُس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہی اُس کا ساتھی بن جاتا ہے۔'' (الزخرف:36)

(5) ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے اور اُن کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔'' (البقرہ:7)

(6) جولوگ دُنیا میں رہتے ہوئے ان آنکھوں سے اصلی حقیقت کو نہیں دیکھ پاتے وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں۔

(7) ﴿وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا﴾ ''اور وہ سننے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جو ایمان تک پہنچاتی ہیں، قرآن اور رسول کے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے سن نہیں سکتے کیونکہ بغض رکھنے والا شخص جس کے خلاف بغض رکھتا ہے اس کی بات کو غور سے سن نہیں سکتا ہے۔ جب وہ علم اور بھلائی کے راستوں سے محجوب ہو جاتا ہے تب ان کے پاس سننے کے لئے کان ہوتے ہیں نہ دیکھنے کے لئے آنکھیں اور نہ سمجھنے کے لئے عقل نافع۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا، اس کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کو جھٹلایا۔ اس لئے وہ جہنم کے مستحق ٹھہرے جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔ (تفسیر سعدی:1554/2)

﴿اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ

''تو کیا جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ میرے سوا میرے بندوں کو کارساز بنالیں گے یقیناً ہم نے

اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا﴾

کافروں کے لیے جہنم کو بطور میزبانی تیار کر رکھا ہے'' (102)

سوال 1: ﴿اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ ... اَوْلِيَآءَ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ﴾ ''کیا جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ میرے سوا میرے بندوں کو کارساز بنالیں گے'' ﴿عِبَادِيْ﴾ سے مراد ہیں: (i) فرشتے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

(ii) مسیح علیہ السلام، عزیر علیہ السلام۔ (iii) نیک بندے جن کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھا جاتا ہے۔

(2) ایسے انسان یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بندے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ان کی مدد کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچالیں گے۔

(3) یہ مشرکین اور کافروں کے دعوے کے بطلان کی دلیل ہے جنہوں نے بعض انبیائے کرام اور اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنادیا، وہ ان کی عبادت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ اولیائے کرام ان کے مددگار رہوں گے جو ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دلائیں گے اور ثواب عطا کریں گے، حالانکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں سے کفر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ استفہام اور انکار کے پیرائے میں، جس سے ان کے اس عقیدے کا عقلی طور پر بطلان متحقق ہوتا ہے۔۔۔ فرماتا ہے: ﴿اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ﴾ "کیا جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے یہ گمان کیا کہ وہ میرے سوا میرے بندوں کو کارساز بنالیں گے" یعنی ایسا نہیں ہوسکتا اور کوئی ولی اللہ، اللہ تعالیٰ کے کسی دشمن کو اپنا دوست نہیں بنا سکتا کیونکہ تمام اولیاء اللہ، اللہ تعالیٰ سے محبت، اس کی رضا، اس کی ناراضی اور اس کے بغض کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی موافقت کرتے ہیں۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد، اس کے اس ارشاد کے مشابہ ہے۔ ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ (۴۰) قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ﴾ "اور جس دن وہ تمام انسانوں کو جمع کرے گا پھر وہ فرشتوں سے کہے گا: "کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کرتے تھے؟" وہ کہیں گے: "پاک ہے تیری ذات، اُن کی بجائے آپ ہی ہمارے دوست ہیں۔" (سبا:41,40) پس جو کوئی اس زعم میں مبتلا ہے کہ اس نے ولی اللہ کو اپنا دوست بنالیا ہے جب کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو وہ سخت جھوٹا ہے۔۔۔ ظاہر میں اس آیت میں اس معنی کا احتمال ہے کہ کیا کفار نے، جو اللہ تعالیٰ کے منکر اور اس کے رسولوں کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں یہ گمان کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اپنا ولی و مددگار بنالیں گے جو ان کی مدد کریں گے، ان کو فائدہ پہنچائیں گے اور ان سے تکلیفوں کو دور کریں گے؟ یہ ان کا باطل خیال اور فاسد گمان ہے کیونکہ مخلوق میں سے کسی کے قبضہ قدرت میں نفع و نقصان نہیں۔ یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے مشابہت رکھتا ہے۔ ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا﴾ "آپ کہہ دیں جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ سمجھتے ہو اُنہیں پکار دیکھو چنانچہ نہ وہ تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ ہی بدلنے کا۔" (بنی اسرائیل:56) اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مشابہ ہے۔ ﴿وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ﴾ "اور اُس کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی سفارش کا اختیار نہیں رکھتے۔" (الزخرف:86) اور اس قسم کی دیگر آیات جن میں اللہ تعالیٰ ذکر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرماتا ہے کہ جوکوئی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی کو ولی ومددگار بناتا ہے تاکہ وہ اس کی مدد کرے اور اس سے موالات رکھے وہ گمراہ ہے، وہ خائب وخاسر ہے اس کی امید پوری نہیں ہوگی اور نہ وہ اپنے مقصد کو پا سکے گا۔(تفسیر سعدی:1555/2، 1556)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں پر بھروسہ کرنے کا انجام کیا ہے، اس کی وضاحت ﴿اِنَّآ ۔۔۔ نُزُلًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں پر بھروسہ کرنے کا انجام آگ ہے۔ رب العزت نے ان کے بارے میں فرمایا: ﴿اِنَّآ اَعۡتَدۡنَا جَهَنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ نُزُلًا﴾ ''یقیناً ہم نے کافروں کے لیے جہنم کو بطور میز بانی تیار کر رکھا ہے'' یعنی ہم نے کفار کی ضیافت اور مہمانی کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ پس کیا بدترین قیام گاہ ان کا مسکن ہے اور کیا بدترین جہنم ان کی مہمانی ہے! (تفسیر سعدی:1556/2) (2) اُن لوگوں کو جہنم میں جانے سے کوئی نہیں بچا سکتا جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتے ہیں۔ لوگ جن کو حمایتی سمجھتے ہیں وہ بھی بچانے نہیں آسکتے۔ (3) ﴿وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوۡنُوۡا لَهُمۡ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا ؕ سَيَكۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِهِمۡ وَيَكُوۡنُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ ضِدًّا ﴿۸۲﴾﴾ ''اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنائے ہیں تاکہ وہ اُن کے لیے باعث عزت ہوں۔ ہرگز نہیں! جلد ہی وہ ان کی عبادت کا انکار کردیں گے اور اِن کے خلاف مدمقابل ہوجائیں گے۔ (مریم:81،82)

(4) سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ایک گرجے کا ذکر کیا، جسے انھوں نے حبشہ میں دیکھا تھا، اس میں تصویریں تھیں، جن کا ذکر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بھی کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی فوت ہوجاتا تھا تو وہ اس کی قبر پر مسجد (عبادت گاہ) تعمیر کرتے تھے اور اس میں یہ تصویریں بناتے تھے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ لوگ مخلوقات میں سے بدترین ہوں گے۔'' (بخاری:427)

﴿قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا﴾

''آپ کہہ دیں کیا ہم تمھیں بتائیں جو لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں'' (103)

سوال: ناکام اور نامراد لوگ کون ہیں، اس کی وضاحت ﴿قُلۡ ۔۔۔ اَعۡمَالًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا﴾ ''آپ کہہ دیں کیا ہم تمھیں بتائیں جو لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں'' اللہ رب العزت نے اپنے نبی ﷺ سے کہا کہ لوگوں سے سوال کرکے ان کو تنبیہ کردو کیا میں تمھیں بتاؤں، کون لوگ اپنے اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں۔

(2) یہ وہ لوگ ہیں: (i) جن کی ساری کوششیں دُنیا میں گم ہیں۔ (ii) جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ سب کچھ ٹھیک کررہے ہیں۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

(iii) جو اپنے رب کی آیات کا انکار کرتے ہیں۔ (iv) جن لوگوں کو رب کی ملاقات کا یقین نہیں۔

(v) جن کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔ (vi) جن کے اعمال کا کوئی وزن نہ ہوگا۔

(3) مصعب بن سعد بن ابی وقاص نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد (سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے آیت ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا﴾ کے متعلق سوال کیا کہ ان سے کون لوگ مراد ہیں۔ کیا ان سے خوارج مراد ہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہود نے تو محمد ﷺ کی تکذیب کی اور نصاریٰ نے جنت کا انکار کیا اور کہا کہ اس میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ملے گی اور خوارج وہ ہیں جنہوں نے اللہ کے عہد و میثاق کو توڑا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ انہیں فاسق کہا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری:4728)

﴿اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾

"وہ لوگ جن کی محنت دنیا کی زندگی میں ہی کھو گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ یقیناً وہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں" (104)

سوال 1: ناکام اور نامراد لوگوں کی صفات کی وضاحت ﴿اَلَّذِيْنَ ضَلَّ ... صُنْعًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ناکام اور نامراد لوگوں کے اعمال باطل اور بے کار ہیں۔ جیسا کہ فرمایا گیا: ﴿اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾ "وہ لوگ جن کی محنت دنیا کی زندگی میں ہی کھو گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ یقیناً وہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں" یعنی جنہوں نے خلاف آئین اسلام عمل کئے جو عمل اللہ تعالیٰ نے مقرر نہیں فرمائے تھے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ تھے اور نہ قابل قبول مگر وہ ایسے ہی عمل کرتے رہے اور سمجھتے رہے کہ ہم اچھے عمل کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندے ہیں۔ (مختصر ابن کثیر:1119/2)

(2) یعنی انہوں نے جو بھی عمل کیا سب باطل ہو کر رائیگاں گیا اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ تب ان اعمال کا کیا حال ہوگا جن کے بارے میں وہ خود بھی جانتے ہیں کہ یہ باطل ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ عداوت ہے؟ پس یہ کون لوگ ہیں جن کے اعمال رائیگاں گئے، جو قیامت کے روز خود اور ان کے اہل و عیال سب خائب و خاسر ہوئے۔ آگاہ رہو، یہ تو کھلا خسارہ ہے۔ (تفسیر سعدی:1556/2)

(3) ایسے لوگوں کے اعمال کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿وَقَدِمْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا﴾ "اور ہم اُن کے ہر عمل کی طرف آئیں گے جو انہوں نے کوئی بھی عمل کیا تھا تو ہم اُسے اُڑتی ہوئی خاک بنا دیں گے۔" (الفرقان:23)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(4)﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ "اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے اُن کے اعمال صحرا میں سراب جیسے ہیں۔ جس کو پیاسا پانی خیال کرتا ہے حتیٰ کہ جب وہاں آیا تو اس نے اس کو کچھ بھی نہ پایا اور اپنے پاس اللہ تعالیٰ کو موجود پایا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اس کا پورا حساب چکا دیا اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔" (النور:39)

(5)﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۨ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ﴾ "جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال اُس راکھ کی طرح ہے جس پر ایک آندھی والے دن میں تند ہوا چل پڑے جو بھی انہوں نے کمایا تھا اس میں سے وہ کسی پر قادر نہیں ہوں گے یہی دور کی گمراہی ہے۔" (ابراہیم:18)

سوال 2: کوششیں دنیا میں گم ہونے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) کوششیں دنیا میں گم ہونے سے مراد ہے کہ انسان کی ساری ہمت، قوت اور طاقت دنیا کے کاموں میں صرف ہو جاتی ہے۔ انسان کے پاس کچھ اور کرنے کے لیے کوشش باقی ہی نہیں رہتی۔

(2) انسان کا وقت اُن ہی کاموں میں گم ہو جاتا ہے۔

(3) انسان کا مال جن کاموں میں کوشش کرنے کے لیے لگتا ہے وہیں اس کی کوششیں گم ہو جاتی ہیں۔

سوال 3: انسان کی کوششیں دنیا میں کیسے گم ہو جاتی ہیں؟

جواب: (1) انسان کوشش اُسی چیز کے لیے کرتا ہے جس کا اُسے فائدہ نظر آتا ہے۔

(2) دُنیا کی زندگی میں انسان کو مال کا فائدہ نظر آتا ہے اس لیے ساری کوششیں مال کمانے میں گم ہو جاتی ہیں۔

(3) دُنیا میں انسان کو ہر وہ کام بہت بڑا نظر آتا ہے جس کی وجہ سے اُسے عزت مل جائے لہٰذا اُس کی کوشش عزت کے حصول میں گم ہو جاتی ہے۔ (4) انسان دولت اور عزت کے لیے تعلیم حاصل کرنے میں کوششوں کو گم کر دیتا ہے۔

(5) انسان دولت اور عزت کے لیے بزنس کرنے میں، گھر بنانے میں، تعلقات بنانے میں اپنی کوشش گم کر دیتا ہے۔

(6) کوشش کا جب کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا تو وہ کوشش گم ہو جاتی ہے۔

(7) کوشش سے انسان جب سیدھے راستے پر نہیں آتا تو کوشش سیدھے راستے پر نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ کوشش کہیں اور لگ رہی ہے اور ایسی لگی ہے کہ گم ہی ہو گئی ہے۔ اب نہ وقت ہے سیدھے راستے پر آنے کا، نہ صلاحیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہ گئی سیدھے راستے پر آنے کی، نہ مال ہے سیدھے راستے پر لگانے کے لیے کیونکہ سب کچھ تو دُنیا کے لیے لگ گیا اور یوں کوشش دُنیا کے لیے گم ہوگئی۔

سوال 4: انسان دُنیا کے لیے کوششیں کر کے یہ کیوں سمجھتا رہتا ہے کہ وہ اچھے کام کر رہا ہے؟

جواب: (1) انسان جب غافل ہو جاتا ہے تو اُسے یہ سمجھ نہیں آتی کہ اس کی محنت ضائع جا رہی ہے۔

(2) انسان جب دیکھتا ہے کہ اس کی محنت کا نتیجہ دولت اور عزت کی صورت میں سامنے آ رہا ہے تو وہ خود کو کامیاب سمجھنے لگتا ہے۔

(3) انسان جب یہ دیکھتا ہے کہ آخرت کے لیے محنت چھوڑ کر دُنیا بنانے سے اُس کا کچھ نہیں بگڑا تو وہ سمجھ لیتا ہے سب اچھا ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ

''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ اور اس کی ملاقات کے ساتھ کفر کیا، تو اُن کے سارے اعمال ضائع

فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾

ہو گئے، چنانچہ قیامت کے دن ہم اُن کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے'' (105)

سوال 1: اللہ تعالیٰ کی آیات اور ملاقات سے انکار کرنے والوں کا کیا انجام ہے، اس کی وضاحت ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ ...وَزْنًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کے ساتھ اور اس کی ملاقات کے ساتھ کفر کیا'' یعنی جن لوگوں نے دنیا میں قرآن کی آیات اور اس کی توحید کے دلائل نہ مانے اور آخرت کی تصدیق نہ کی، نہ اس کے فرشتوں کو مانا، نہ کتابوں کو، نہ رسولوں کو۔

(2) ﴿فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ ''تو اُن کے سارے اعمال ضائع ہو گئے'' ان کے انکار کی وجہ سے ان کے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

(3) ﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ ''چنانچہ قیامت کے دن ہم اُن کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے'' ان کے اعمال کا کوئی وزن نہیں ہوگا کیونکہ وہ خیر خواہی اور بھلائی سے خالی تھے۔

(4) وزن کا فائدہ تو نیکیوں اور برائیوں کے مقابلے کے وقت ہوتا ہے تا کہ راجح اور مرجوح کو دیکھا جا سکے اور ان لوگوں کے پاس تو نیکیاں سرے سے ہیں ہی نہیں کیونکہ ان میں نیکیوں کے معتبر ہونے کی شرط معدوم ہے اور وہ ہے ایمان۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا﴾ ''اور جو نیک عمل کرے گا اور وہ مومن بھی ہو تو نہ وہ کسی ناانصافی سے ڈرے گا اور نہ کسی حق تلفی سے۔'' (طٰہٰ:112) لیکن ان کے اعمال کو شمار کیا جائے گا اور وہ اپنے اعمال کا اقرار کریں گے اور وہ گواہوں کے سامنے ذلیل ورسوا ہوں گے اور پھر ان اعمال کی پاداش میں انہیں عذاب دیا جائے گا۔ (تفسیر سعدی:1557/2)

(5) ﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۱۰۲) وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ (۱۰۳) تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ (۱۰۴)﴾ ''پھر وہ شخص جس کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔ اور وہ شخص جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا، وہ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اُن کے چہروں کو آگ جھلسا دے گی اور اس میں وہ جبڑے نکالنے والے ہوں گے۔'' (المؤمنون:102-104)

(6) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کسی مومن پر ایک نیکی کے معاملہ میں بھی ظلم نہیں کرے گا، اسے اس کا بدلہ دنیا میں بھی دے گا اور آخرت میں بھی دے گا اور کافر کو اس کی نیکیوں کا بدلہ جو اس نے اللہ کے لیے کی ہوں گی، دنیا ہی میں دے دیا جائے گا، پھر جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہیں رہے گی کہ جس کا اسے بدلہ دیا جائے۔'' (صحیح مسلم:2808)

(7) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلاشبہ قیامت کے دن ایک بہت بھاری بھرکم موٹا تازہ شخص آئے گا لیکن وہ اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی کوئی قدر نہیں رکھے گا اور فرمایا کہ پڑھو: ﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ ''چنانچہ قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن نہ کریں گے۔'' (بخاری:4729)

(8) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کتنے قیام کرنے والے ہیں کہ جنھیں اپنے قیام سے سوائے بیداری کے اور کچھ نہیں ملتا (یعنی اجر وثواب نہیں ملتا) اور کتنے ہی روزہ دار ہیں کہ جنھیں اپنے روزوں سے سوائے بھوک (وپیاس) کے اور کچھ نہیں ملتا۔'' (ابن حبان:3481)

(9) (i) آخرت کو چھوڑ کر صرف دُنیا کی زندگی کے مسائل کو دیکھنا دراصل اللہ تعالیٰ کے نقشے کے خلاف اپنا نقشہ بنانا ہے اور انسان جب اللہ تعالیٰ کے مقابلے پر آجائے تو کامیاب نہیں ہوسکتا۔ (ii) اللہ تعالیٰ کے نزدیک کامیابی کا معیار آخرت کی کامیابی ہے ایسی حالت میں دُنیا کے مال اور عزت کو ترقی سمجھنا اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے پروگرام کے مقابلے میں اپنا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

پروگرام بناتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں انسانی پروگرام کامیاب نہیں ہوسکتے۔(iii) جب دُنیا کے لیے کوشش کی جاتی ہے تو بظاہر دولت اور عزت کی وجہ سے یوں لگتا ہے سب اچھا ہے لیکن ان سارے اعمال کا قیامت کے دن چونکہ کوئی وزن نکلنے والا نہیں اس وجہ سے یہ اعمال ضائع ہونے والے ہیں۔

(10)(i) جو لوگ دُنیا کے لیے کوششیں کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کو کوئی وزن نہیں دیتے پھر کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اُن کی کوششوں کا کوئی وزن نکل آئے۔(ii) جو لوگ دُنیا کے لیے کوششیں کرتے ہیں وہ ہدایت نہیں پاسکتے اور جو اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی کے مطابق نہ چلے اللہ تعالیٰ کے یہاں اُس کی کوششوں کا کوئی وزن کیسے ہوسکتا ہے؟

سوال 2: انسان اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے نقشے کے مقابلے میں اپنی زندگی کا کوئی اور نقشہ کیوں بناتا ہے؟

جواب: (1) جو لوگ اپنا ذہن دُنیا کی طرف لگا لیتے ہیں انہیں آخرت کے لیے دی جانے والی کوئی دلیل اپیل نہیں کرتی۔

(2) جو لوگ عزت اور دولت کو سبھی کچھ سمجھتے ہیں انہیں آخرت کی نشانیاں متاثر نہیں کرتیں لہٰذا وہ جنت کو نہیں دُنیا کی دولت اور عزت کو اپنا معیار بنا لیتے ہیں۔

(3) انسان جب زندگی کا اپنا خود ساختہ نقشہ بنا لیتا ہے تو اُس کے اُس عمل کو اللہ تعالیٰ کفر قرار دیتے ہیں۔

﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا﴾

''یہ جہنم ان کا بدلہ ہے کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق بنایا'' (106)

سوال: کافروں کے لیے جہنم کی سزا مقرر کیے جانے کا کیا سبب ہے، اس کی وضاحت ﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ ... هُزُوًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا﴾ ''یہ جہنم ان کا بدلہ ہے کیونکہ انہوں نے کفر کیا'' یعنی کافروں کے اعمال ضائع کر دیئے گئے، ان کے اعمال کا کوئی وزن نہیں، ان کے لیے جہنم ہے۔ اس سزا کا سبب ان کے اعمال ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا۔

(2) ﴿وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا﴾ ''اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کا مذاق بنایا'' یعنی میری طرف سے آنے والی وحی کا، میری آیات کا اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا۔

(3) اللہ تعالیٰ کی آیات کی تعظیم کرنا فرض ہے، اس کے رسولوں پر ایمان لانا اور اللہ کی آیات کو قائم کرنا فرض ہے، انہوں نے یہ فرض پورا نہیں کیا بلکہ اس کا مذاق بنایا اس لیے وہ اوندھے منہ جہنم میں گرائے جائیں گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا ۨ اتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ ''اور جب ہماری آیات میں سے کچھ بھی جان لیتا ہے تو وہ اُس کا مذاق بنالیتا ہے، یہی لوگ ہیں جن کے لئے توہین آمیز عذاب ہے۔'' (الجاثیہ:9)

(5) ﴿ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰۤى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ ''پھر جن لوگوں نے بُرے کام کیے تھے، اُن کا انجام بہت ہی بُرا ہوا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا تھا اور وہ اُن کا مذاق اُڑاتے تھے۔'' (الروم:10)

(6) ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ ''اور لوگوں میں سے کوئی ہے جو غافل کر دینے والی بات خریدتا ہے تا کہ وہ علم کے بغیر ہی (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کے راستے سے بہکا دے اور اس (اللہ تعالیٰ کی راہ) کا مذاق بنائے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔'' (لقمان:6)

(7) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص پہلے عیسائی تھا' پھر وہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اس نے سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران پڑھ لی تھی۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منشی بن گیا لیکن پھر وہ شخص مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا اور کہنے لگا محمد کے لیے میں نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس کے سوا اس کو کچھ بھی نہیں معلوم۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی موت واقع ہو گئی اور اس کے آدمیوں نے اسے دفن کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ اس کی لاش قبر سے نکل کر زمین کے اوپر پڑی ہے۔ عیسائی لوگوں نے کہا: یہ محمد اور اس کے ساتھیوں کا کام ہے اس نے اس کا دین چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ دوسری قبر انہوں نے کھودی جو بہت زیادہ گہری تھی لیکن جب صبح ہوئی تو پھر لاش باہر تھی۔ اس مرتبہ بھی انہوں نے یہی کہا کہ محمد اور اس کے ساتھیوں کا کام ہے چونکہ ان کا دین اس نے چھوڑ دیا تھا اس لیے اس کی قبر کھود کر اس نے اس کی لاش باہر پھینک دی ہے۔ پھر انہوں نے قبر کھودی اور جتنی گہری ان کے بس میں تھی کر کے اسے اس کے اندر ڈال دیا لیکن صبح ہوئی تو پھر لاش باہر تھی۔ اب انہیں یقین آیا کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں (بلکہ یہ میت عذاب خداوندی کا شکار ہے) چنانچہ انھوں نے اسے یوں ہی (زمین پر) ڈال دیا۔ (صحیح بخاری:3617)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾

''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کیں، اُن کی میزبانی کے لیے فردوس کی جنتیں ہیں'' (107)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال: ایمان اور اعمال صالحہ کی جزا کیا ہے، اس کی وضاحت ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ ... نُزُلًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ایمان اور اعمال صالحہ کی جزا جنت الفردوس ہے۔

(2) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''یقیناً جو لوگ ایمان لائے'' یعنی جو لوگ دل سے ایمان لائے۔

(3) ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور جنھوں نے نیکیاں کیں'' اور دل اور زبان سے نیکیاں کرنے میں مصروف رہے۔

(4) (i) ایمان اور عمل صالح کی زندگی اختیار کرنا محض زبانی طور پر ممکن نہیں ہوتا۔ (ii) انسان نظر آنے والی جنت (دولت اور عزت) کو چھپی ہوئی جنت کے لیے چھوڑ کر قربانی دیتا ہے۔ (iii) جب انسان دلیل سے حق کو پہچانتا ہے اور اپنی زندگی اُس راستے پر ڈال دیتا ہے جب کہ ایسا کرنے کے لیے اُس پر کوئی دباؤ نہیں ہوتا اور دوسری طرف ظاہری نتائج مختلف ہوتے ہیں یعنی جو لوگ دُنیا کی خاطر کوشش کرتے ہیں وہ دُنیا میں اُن کے نتائج عملی طور پر دولت اور عزت کی صورت دیکھ رہے ہوتے ہیں اور حق کے راستے پر چلنے والوں پر دباؤ بھی ڈال رہے ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں دباؤ کا مقابلہ کرنا، نظر آنے والی زینت کے مقابلے میں حق کو اختیار کرنا معرفت کا ثبوت ہے۔ اس کا انعام یہی ہے کہ ہمیشہ کے باغوں میں ایسے لوگوں کو داخل کر دیا جائے۔

(5) ﴿كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ ''اُن کی میزبانی کے لیے فردوس کی جنتیں ہیں'' انہیں ان کے ایمان اور نیک اعمال کے مطابق جنت الفردوس یعنی جنت کا بلند ترین، افضل اور بہترین درجہ دیا جائے گا اور یہ ثواب ان لوگوں کے لیے ہے جنھوں نے اپنے ایمان کی تکمیل کی اور وہ انبیاء اور مقربین ہیں۔

(6) جنت الفردوس ان لوگوں کے لیے مہمانی اور ضیافت کی جگہ ہے جنھوں نے ایمان لانے کے بعد نیک عمل کیے اس ضیافت سے بڑی، زیادہ عظیم اور زیادہ جلیل القدر کون سی ضیافت ہو سکتی ہے جو قلب وروح اور بدن کے لئے ہر نعمت پر مشتمل ہے۔ اس میں ہر وہ نعمت موجود ہے جس کی نفس خواہش کریں گے اور آنکھیں لذت حاصل کریں گی، مثلاً خوبصورت گھر، سرسبز باغات، پھل دار درخت، سحر انگیز گیت گاتے ہوئے پرندے، لذیذ ماکولات ومشروبات، خوبصورت بیویاں، خدمت گزار لڑکے، بہتی ہوئی نہریں، دلکش مناظر، حسی اور معنوی حسن وجمال اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں۔ اس سے بھی افضل اور جلیل القدر نعمت، رحمن کا تقرب، اس کی رضا کا حصول جو کہ جنت کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار اور رؤف ورحیم کے کلام سے لطف اندوز ہونا، اللہ کی قسم! یہ ضیافت کتنی جلیل القدر کتنی خوبصورت، ہمیشہ رہنے والی اور کتنی کامل ہوگی۔ یہ ضیافت اس سے بہت بڑی ہے کہ مخلوق میں سے کوئی اس کا وصف بیان کر سکے، یا دلوں میں اس کے تصور کا گزر ہو سکے۔ اگر بندوں کو ان میں سے کچھ نعمتوں کا حقیقی علم حاصل ہو کر ان کے دلوں میں جاگزیں ہو جائے تو دل شوق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے اڑنے لگیں گے،جدائی کے درد سے روح لخت لخت ہوجائے گی اور بندے اکیلے اکیلے اور گروہ در گروہ اس کی طرف کھنچے چلے آئیں گے۔وہ اس کے مقابلے میں دنیائے فانی اوراس کی ختم ہوجانے والی لذات کوکبھی بھی ترجیح نہیں دیں گے۔وہ اپنے اوقات کوضائع نہیں کریں گے کہ یہ اوقات خسارے اورنا کامی کا باعث بنیں کیونکہ اس جنت کا ایک لمحہ دنیا کی ہزاروں سال کی نعمتوں کے برابر ہے۔مگر حقیقت حال یہ ہے کہ غفلت نے گھیر رکھا ہے،ایمان کمزور پڑ گیا اورارادہ اضمحلال کا شکار ہوگیا ہے،پس اس کا نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہیے تھا۔ فلاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ (تفسیر سعدی:1558/2)

(7) جنت کے سب سے اعلیٰ اور بلند درجے کا نام جنت الفردوس ہے جس کے باغات کے درخت گھنے، پر بہار اور خوش منظر ہیں۔آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا:''جب کبھی اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کیا کرو۔''

(بخاری، کتاب الجہاد)

(8)﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴿٢﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ﴿٣﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ﴿٤﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٥﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٦﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿٧﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿٨﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٩﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١﴾﴾ ''یقیناً مؤمن کامیاب ہوگئے۔وہی جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں اور وہی جو لغویات سے منہ موڑنے والے ہیں اور وہی جو زکوۃ کو ادا کرنے والے ہیں اور وہی جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔سوائے اپنی بیویوں کے یا جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے تو یقیناوہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں۔پھر جو اس کے علاوہ کچھ اور ڈھونڈیں تو وہی حد سے بڑھنے والے ہیں اور وہی جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں اور وہی جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔یہی لوگ وارث ہیں۔ جو فردوس کے وارث ہوں گے،وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔'' (المؤمنون:1-11)

﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا﴾

''وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے،ان سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے''(108)

سوال1: جنتی کا کبھی جنت سے دل ہی نہ بھرے گا،اس کی وضاحت ﴿خٰلِدِيْنَ...حِوَلًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: (1)﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ''وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے'' جنتی جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے منتقل نہ ہونا چاہیں گے۔ جنت کو چھوڑ کر وہ کوئی اور جگہ پسند نہ کریں گے۔ انہیں جنت ہی سے پیار ہو گا وہ ان کا مرغوب اور من بھاتا گھر ہو گا۔

(2)﴿لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا﴾ ''ان سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے'' انسان ایک جگہ رہتے رہتے اکتا جاتا ہے لیکن جنت ہی ایسا راحت کدہ ہو گا کہ دائمی رہنے کے باوجود بھی دل اس سے نہ کبھی اکتائے گا اور نہ کوئی جنتی جنت سے منتقل ہونا چاہے گا۔﴿اللّٰھم ارزقنا الفردوس﴾ آمین۔ (مختصر ابن کثیر: 1120/2)

سوال 2: انسان تبدیلی کو پسند کرتا ہے پھر جنت سے جگہ تبدیل کرنا کیوں نہ چاہے گا؟

جواب: انسان تبدیلی کو پسند کرتا ہے اور ایک جگہ مسلسل رہنا اُسے غمگین کر دیتا ہے ایسے میں ہمیشہ رہنے والی جنت کا تصور انسان کو کیسے تسکین دے سکتا ہے؟ (1) جنت کی خاص بات یہ ہے کہ جنت میں تبدیلی کی ضرورت نہیں ہو گی۔

(2) تبدیلی کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں کسی چیز میں کوئی نقص ہو۔

(3) جنت سے اُونچا کوئی معیار نہیں جہاں تک انسان نے پہنچنا ہو اور اس معیار کے لیے تبدیلی کی ضرورت ہو۔

(4) جنت سے آگے کوئی منزل نہیں ہے۔ جنت کامل ہے اور انسان کاملیت تک پہنچنا چاہتا ہے۔ انسان کے ذوق کی تسکین جنت کے سوا کسی اور مقام پر نہیں ہو سکتی۔

(5) جنت جا کر انسان تغیر اور تبدیلی کی خواہش نہ رکھے گا۔ اس لیے جنت سے زیادہ تسکین دینے والی کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

(6) جنت میں کامل حسن ہو گا جس کی وجہ سے اُکتاہٹ نہیں ہو گی۔

(7) جنت سے زیادہ کوئی جگہ بہتر نہیں ہو گی اس لیے کہیں منتقل ہونے کی خواہش نہیں ہو گی۔

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ

''آپ کہہ دیں کہ اگر میرے رب کے کلمات کے لئے سمندر سیاہی ہو جائیں، وہ بھی میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے

اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴾

یقیناً ختم ہو جائیں گے چاہے ہم اسی کے برابر اور سیاہی لے آئیں'' (109)

سوال 1: رب کے کلمات ختم ہونے والے نہیں، اس کی وضاحت ﴿قُلْ...مَدَدًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿قُلْ﴾ ''آپ کہہ دیں'' رب العزت نے محمد رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی لامحدود صفات کے بارے میں بندوں کو بتا دیجیے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(2)﴿لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ﴾ ”اگر سمندر ہو جائیں“ یعنی دنیا میں موجود سارے سمندر۔

(3)﴿مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ﴾ ”سیاہی میرے رب کے کلمات کے لئے“ یعنی سارے سمندر روشنائی بن جائیں جن سے رب کے کلمات اور اس کی حکمتیں اور دلائل لکھے جائیں۔

(4)﴿لَنَفِدَ الْبَحْرُ﴾ ”یقیناً ختم ہو جائیں گے سمندر“ تو سمندروں کی سیاہی ختم ہو جائے گی۔

(5)﴿قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ﴾ ”میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے“ یعنی رب کے کلمے باقی رہ جائیں گے۔

(6)﴿وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴾ ”چاہے ہم اسی کے برابر اور سیاہی لے آئیں“ اگرچہ اس میں کئی اور سمندر شامل کر دیئے جائیں۔

(7) رب العزت نے فرمایا ﴿وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ”اور اگر واقعتاً روئے زمین کے تمام درختوں کی قلمیں ہوں اور تمام سمندر اس کی سیاہی ہوں، اس کے بعد سات سمندر اور ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہ ہوں گی، یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب، بڑی حکمت والا ہے۔“ (لقمان:27)

(8) یہ معانی کو ذہن کے قریب تر کرنے کا ایک اسلوب ہے کیونکہ یہ تمام اشیاء مخلوق ہیں اور تمام مخلوقات ختم ہونے والی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی جملہ صفات میں شمار ہوتا ہے اور اس کی صفات غیر مخلوق ہیں جن کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ پس جتنی بھی عظمتیں اور وسعتیں ہیں، جن کا تصور دلوں میں آ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب سے بڑھ کر ہے۔ اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی باقی صفات کا معاملہ ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کا علم، اس کی حکمت، اس کی قدرت اور اس کی رحمت۔ اگر زمین اور آسمان کی مخلوق میں سے تمام اولین و آخرین کے علم کو اکٹھا کر لیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم کے مقابلے میں اتنا ہی قلیل ہے جتنا ایک چڑیا کی چونچ میں وہ پانی جو وہ ایک سمندر سے لیتی ہے۔ اس قطرہ آب کو جو نسبت عظیم سمندر سے ہے، وہی نسبت عام انسانوں کی صفت کو اللہ کی عظیم صفات سے ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ عظیم، لامحدود اور کامل صفات کا مالک ہے اور ہر چیز کی انتہا اللہ ہی کے پاس ہے۔ (تفسیر سعدی:1559/2)

سوال 2: کلمات سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم کلی ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

(2)اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل ہیں جن کا عقلیں احاطہ نہیں کرسکتیں۔ رب کی ذات کے دلائل ختم نہیں ہوسکتے چاہے سارے سمندر ختم ہوجائیں، چاہے سارے درخت ختم ہوجائیں جن کی قلمیں بنائی جائیں اور قلمیں گھس جائیں۔

(3) جب ہر چیز ختم ہوجائے تو اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کلمات کو بھی باقی دکھایا ہے۔

(4) کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کے کارنامے، کمالات اور عجائبات قدرت ہیں اور یہ لامتناہی اور بے حدوحساب ہیں جن میں ہر آن مزید وسعت بھی ہوتی رہتی ہے اور سمندر یا سمندروں کا پانی خواہ کتنا ہی کثیر مقدار میں ہو بہر حال اس کی ایک حد ہے اور ایک محدود چیز کا لامحدود چیز سے کیا مقابلہ ہوسکتا ہے لہٰذا سمندروں کی سیاہی تو ختم ہوسکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوسکتے۔ (تیسیر القرآن)

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

''آپ فرمادیں کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ یقیناً تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے،

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ

چنانچہ جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہے تو لازم ہے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں

ع 12 ، 3

رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾

کسی ایک کو شریک نہ کرے'' (110)

سوال 1: محمد ﷺ انسان اور رسول ہیں اور معبود ایک ہی ہے، اس کی وضاحت ﴿قُلْ اِنَّمَآ ...وَّاحِدٌ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ﴾ ''آپ فرمادیں'' اللہ رب العزت نے نبی ﷺ سے فرمایا کہ رسالت کو جھٹلانے والے مشرکوں سے آپ کہہ دیجئے۔

(2) ﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ ''کہ میں تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہوں'' یعنی میں تو تمہارے جیسا انسان ہوں میرے پاس نہ علم غیب ہے، نہ خزانے، نہ اللہ تعالیٰ کے اقتدار کا کوئی حصہ میرے پاس ہے۔ میں معبود نہیں ہوں، رب کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ ”اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ گئی تو انہیں کسی چیز نے نہیں روکا کہ وہ ایمان لائیں اس کے سوا کہ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟“ (بنی اسرائیل:94)

(4) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے نماز پڑھائی۔ ابراہیم (ایک راوی) نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ نماز میں زیادتی ہوئی یا کمی، پھر جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو آپ ﷺ سے کہا گیا کہ یارسول اللہ! کیا نماز میں کوئی نیا حکم آیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”آخر کیا بات ہے؟“ لوگوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے اتنی اتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے اپنے دونوں پاؤں پھیرے اور قبلہ کی طرف منہ کر لیا اور (سہو کے) دو سجدے کیے اور سلام پھیرا۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ نماز میں کوئی نیا حکم نازل ہوا ہوتا تو میں تمہیں پہلے ہی ضرور کہہ دیتا لیکن میں تو تمہارے ہی جیسا آدمی ہوں، جس طرح تم بھولتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں۔ اس لیے جب میں بھول جایا کروں تو تم مجھے یاد دلایا کرو اور اگر کسی کو نماز میں شک ہو جائے تو اس وقت ٹھیک بات سوچ لے اور اسی کے مطابق نماز پوری کرے پھر سلام پھیر کر دو سجدے (سہو کے) کر لے۔“ (صحیح بخاری:401)

(5) سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو لوگ کھجوروں کو قلم لگا رہے تھے یعنی کھجوروں کو گابھن کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم لوگ کیا کر رہے ہو؟“ انہوں نے کہا: ہم لوگ اسی طرح کرتے چلے آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم اس طرح نہ کرو تو شاید تمہارے لیے یہ بہتر ہو۔“ انہوں نے اس طرح کرنا چھوڑ دیا تو کھجوریں کم ہو گئیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے اس بارے میں ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں ایک انسان ہوں۔ جب میں تمہیں کوئی دین کی بات کا حکم دوں تو تم اس کو اپنا لو اور جب میں اپنی رائے سے کسی چیز کے بارے میں بتاؤں تو میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔“ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ (ایک راوی) کہتے ہیں یا اسی طرح کچھ اور آپ ﷺ نے فرمایا۔“ (صحیح مسلم:6127)

(6) سیدنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”بلاشبہ میں ایک انسان ہوں، تم میرے پاس اپنے جھگڑے لاتے ہو۔ ممکن ہے تم میں سے بعض اپنے مقدمہ کو پیش کرنے میں فریق ثانی کے مقابلہ میں زیادہ چرب زبان ہوں اور میں تمہاری بات سن کر فیصلہ کر دوں تو جس شخص کے لئے میں اس کے بھائی (فریق مخالف) کا کوئی حق دلا دوں چاہیے کہ وہ اسے نہ لے کیونکہ یہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے جو میں اسے دیتا ہوں۔“ (صحیح بخاری:7169)

(7) ﴿يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ ”میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ یقیناً تمہارا معبود صرف ایک ہی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

معبود ہے''یعنی مجھے تم پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ میری طرف وحی کرتا ہے اور جلیل ترین وحی یہ ہے کہ اس نے تمہیں آگاہ کیا ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے، یعنی اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ کوئی ذرہ بھر عبادت کا مستحق ہے اور میں تمہیں ان اعمال کی دعوت دیتا ہوں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب اور اس کے ثواب سے بہرہ ور کرتے ہیں اور تم سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دور کرتے ہیں۔(تفسیر سعدی:1560/2)

(8) جس شخص کو یہ خیال ہو کہ میں جھوٹا ہوں وہ قرآن جیسا قرآن لے آئے۔ میں نے تم کو ماضی کی باتیں بتادیں اور اصحاب کہف کا واقعہ اور ذوالقرنین کے حالات سنائے تو میں عالم الغیب تو نہیں ہوں۔ تم جیسا ایک انسان ہوں۔ اگر وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ مجھے باتوں کی خبر نہ دیتا تو مجھے گزرے ہوئے واقعات کا علم کیسے ہوتا لہٰذا جس طرح میرے بتائے ہوئے ماضی کے واقعات سچے ہیں ٹھیک اسی طرح میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ میں جس معبود کی طرف بلا رہا ہوں وہ ایک ہی ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔(مختصر ابن کثیر:1121/2)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کی رضا کا ایک ہی طریقہ ہے، اس کی وضاحت ﴿فَمَنْ كَانَ ... اَحَدًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ﴾ ''چنانچہ جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہے''یعنی جو اپنے رب کی ملاقات کا خوف رکھتا ہو اور اپنی مصیبتوں پر اللہ تعالیٰ کو نگران سمجھتا ہو اور اس کی اطاعت کے کاموں پر اس سے ثواب کی امید رکھتا ہو۔(جامع البیان:51/16) (2) جو اپنے رب سے ثواب اور نیک صلہ کا امیدوار ہو تو اسے عمل صالح کرنے پڑیں گے جو شریعت کے مطابق ہوں اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنانا پڑے گا، صرف ایک یہی طریقہ ہے جس سے رب کو راضی کیا جاسکتا ہے۔(مختصر ابن کثیر:1121/2)

(3) ﴿فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا﴾ ''تو لازم ہے کہ وہ نیک عمل کرے'' اس سے مراد وہ اعمال ہیں جو واجب اور مستحب ہیں۔ (تفسیر سعدی:1560/2) (4) عمل صالح وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔

(5) وہ اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کو خالص کرلے، اور ربوبیت میں اس کو ایک جانے۔(جامع البیان:50/16)

(6) ﴿وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا﴾ ''اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو شریک نہ کرے''یعنی اپنے اعمال میں ریا سے کام نہ لے بلکہ اس کے اعمال خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہوں۔ یہی وہ چیز ہے جو اخلاص اور اتباع کی جامع ہے اور اسی سے مطلوب ثواب حاصل ہوسکتا ہے۔ اس طریقے کے سوا دیگر طریقوں کو اختیار کرنے والے لوگ اپنی دنیا و آخرت میں خائب و خاسر لوگ ہیں جو اپنے آقا و مولا کے قرب اور اس کی رضا کے حصول سے محروم ہوں گے۔ (تفسیر سعدی:1560/2) (7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرمایا: میں شریکوں میں سب سے زیادہ شرک سے بے پرواہ ہوں۔ جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں اس نے میرے ساتھ غیر کو شریک کیا تو میں اس کو اور اس کے شریک کو چھوڑ دیتا ہوں۔'' (صحیح مسلم:7475)

(8) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس نکل کر آئے، ہم مسیح دجال کا تذکرہ کر رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تم کو ایسی چیز کے بارے میں نہ بتا دوں جو میرے نزدیک مسیح دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہے؟'' ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ پوشیدہ شرک ہے جو یہ ہے کہ آدمی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے، تو اپنی نماز کو صرف اس وجہ سے خوبصورتی سے ادا کرتا ہے کہ کوئی آدمی اسے دیکھ رہا ہے۔'' (ابن ماجہ: 4204)

(9) سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ یہ سب سے آخری آیت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری۔ (ابن کثیر:302)

اٰیَاتُھَا 98 — 19 سُوْرَۃُ مَرْیَمَ مَکِّیَّۃٌ 44 — رُکُوْعَاتُھَا 6

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ مکی سورت ہے۔ یہ 6 رکوع اور 98 آیات پر مشتمل ہے۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے 19 ویں اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے 44 ویں نمبر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿كٓهٰيٰعٓصٓ﴾

''کھیعص'' (1)

سوال: ﴿كٓهٰيٰعٓصٓ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿كٓهٰيٰعٓصٓ﴾ یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان کے معانی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

﴿ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا﴾

''ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا، اپنے بندے زکریا پر'' (2)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال: سیدنا زکریا علیہ السلام کون تھے اوران کے واقعے سے اللہ تعالیٰ نے کس چیز کی طرف توجہ دلائی ہے، اس کی وضاحت ﴿ذِكْرُ...زَكَرِيَّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا﴾ ''ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا، اپنے بندے زکریا پر'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کا بیان ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر کی۔

(2) سیدنا زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے۔ اُن کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔

(3) سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ کے بہنوئی تھے۔ (4) پیشے کے اعتبار سے بڑھئی تھے۔

(5) اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو سیدنا زکریا علیہ السلام کی زندگی میں مجسم کر کے دکھایا ہے۔

(6) اللہ رب العزت نے سیدنا زکریا علیہ السلام کے حالات اوران کے صالح اعمال اور عمدہ صفات کا تذکرہ فرمایا ہے تاکہ عبرت حاصل کرنے والے عبرت حاصل کریں اور پیروی کرنے والے ان کی زندگی کا بغور مطالعہ کریں تاکہ پیروی کرنا ممکن ہو جائے۔

(7) اللہ تعالیٰ نے سیدنا زکریا علیہ السلام کے بیان کے توسط سے اپنے دوستوں پر رحمت اوراس کے حصول کے اسباب اور اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کے ذکر کی کثرت، اس کی معرفت اوراس تک پہنچانے والے اسباب کی دعوت دی ہے۔

(8) اللہ تعالیٰ نے سیدنا زکریا علیہ السلام کو اسرائیلیوں میں سے نبی بنایا۔ انہوں نے اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی ادا کیا۔ انہوں نے رب کے بندوں کو رب کی طرف بلایا اور انہیں وحی کی تعلیم دی۔ اپنی زندگی میں اور اپنی موت کے بعد تک کے لیے ان کے ساتھ خیر خواہی کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کو ایسی ہی خیر خواہی کے جذبے کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔

﴿إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا﴾

''جب اُس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا'' (3)

سوال 1: سیدنا زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے کیسے دُعا کی تھی، اس کی وضاحت ﴿إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا﴾ ''جب اُس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا'' نادیٰ کے معنی ہیں دعا کی اور رغبت سے پکارا۔ (المحرر الوجیز: 4/4)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(2) سیدنا زکریا علیہ السلام نے گوشہ تنہائی میں اپنے رب سے اخلاص کے ساتھ دعا کی، دل کی بات کھول کر سامنے رکھی اور قربت کی حالت میں رب کو پکارا۔

سوال 2: سیدنا زکریا علیہ السلام نے چھپی دعا کیوں کی تھی؟

جواب: (1) رب العزت نے فرمایا: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ ”تم اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے سے پکارو، یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔“ (الاعراف:55)

(2) چھپی دعا اخلاص پر مبنی ہوتی ہے اور ریاکاری سے دور ہوتی ہے۔ (مراغی:29/6)

سوال 3: دعا کا دین میں کیا مقام ہے؟ انبیاء نے کیسے دعائیں کیں؟

جواب: (1) دعا مومن کا ہتھیار ہے۔

(2) ﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْۗءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاۗءَ الْاَرْضِ ۭ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ ”یا وہ جو بے قرار کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اُسے پکارتا ہے؟ اور وہ تکلیف دور کرتا ہے اور تمہیں زمین کا جانشین بناتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔“ (النمل:62)

(3) ایک شخص رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ”یا رسول اللہ! آپ ہمیں کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی طرف جو اکیلا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، جب تم کسی مشکل میں ہوتے ہو تو تمہاری مشکل کشائی کرتا ہے، جنگلوں میں راہ بھول کر اسے پکارتے ہو تو تمہاری راہ نمائی کرتا ہے، جب تمہاری کوئی چیز کھو جائے اور اس سے مانگو تو تمہیں لوٹا دیتا ہے، جب قحط سالی میں اس سے دعائیں مانگو تو موسلا دھار بارشیں برساتا ہے۔“ (مسند احمد:20636)

(4) قرآن مجید نے ہمارے سامنے انبیاء کرام علیہم السلام کی بہت سی مثالیں رکھی ہیں کہ انہوں نے مصیبت، پریشانی اور آزمائش کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مصیبت اور تکلیف دور فرمائی۔ سیدنا یونس علیہ السلام اپنی قوم کو عذاب کی خبر دے کر چلے گئے خود ایک بھری ہوئی کشتی میں سوار ہوئے۔ بوجھ کی زیادتی کی وجہ سے قرعہ ڈالا گیا تو سیدنا یونس علیہ السلام کے نام نکلا، چنانچہ انہیں سمندر میں چھلانگ لگانی پڑی۔ جہاں ایک مچھلی نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں نگل لیا، تب سیدنا یونس علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو پکارنا شروع کیا۔

(5) رب العزت کا سیدنا یونس علیہ السلام کے بارے میں فرمان ہے: ﴿وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (۸۷) فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ (۸۸)﴾ ''اور مچھلی والے کو جب وہ غصے سے بھرا ہوا چلا گیا، پس اُس نے سمجھا کہ ہم اس پر ہرگز قابو نہ پاسکیں گے تو اُس نے اندھیروں میں پکارا: ''کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ پاک ہیں، یقیناً میں ہی ظالموں میں سے تھا۔'' چنانچہ ہم نے اُس کی دُعا قبول کی اور ہم نے اسے غم سے نجات دی اور ہم مومنوں کو اسی طرح نجات دیتے ہیں۔'' (الانبیاء:88,87)

(6)﴿فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ (۱۴۳) لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (۱۴۴)﴾ ''یقیناً پھر اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتا۔ یقیناً وہ اُس دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہتا جب وہ لوگ اُٹھائے جائیں گے۔'' (الصافات:144,143)

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّىْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّىْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ

''زکریا نے کہا: ''اے میرے رب! یقیناً میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور سر بڑھاپے سے شعلے مارنے لگا ہے

بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا﴾

اور اے میرے رب! میں آپ کو پکارنے میں کبھی نامراد نہیں رہا'' (4)

سوال: سیدنا زکریا علیہ السلام نے رب العزت سے جو دعا کی، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ... شَقِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) جب انہوں نے اپنے آپ کو کمزور ہوتے ہوئے دیکھا تو انہیں اس بات کا خدشہ لاحق ہوا کہ وہ اس حال میں وفات پا جائیں گے کہ بندوں کو ان کے رب کی طرف دعوت دینے اور ان کے ساتھ خیر خواہی کرنے میں ان کی نیابت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ تو انہوں نے اپنے رب کے پاس اپنی ظاہری اور باطنی کمزوری کا شکوہ کیا اور اسے چپکے چپکے پکارا تا کہ یہ دعا اخلاص کے لحاظ سے اکمل و افضل ہو۔ (تفسیر سعدی:1561/2)

(2)﴿قَالَ رَبِّ اِنِّىْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّىْ﴾ ''زکریا نے کہا: ''اے میرے رب! یقیناً میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں'' ہڈیاں ڈھیلی پڑ جائیں تو سارا جسم ڈھیلا پڑ جاتا ہے ہڈیوں پر ہی جسم کا ڈھانچہ کھڑا ہوتا ہے۔

(3)﴿وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا﴾ ''اور سر بڑھاپے سے شعلے مارنے لگا ہے'' اس سے مراد ہے کہ جیسے لکڑی کو آگ لگتی ہے ایسے ہی سر کو سفیدی کی آگ لگی ہوئی ہے اور سر تیزی سے اُس کی لپیٹ میں ہے۔ عنقریب اس میں کوئی سیاہ بال نہ رہے گا۔

(4) کیونکہ بڑھاپا ضعف اور کمزوری کی دلیل، موت کا ایلچی اور اس سے ڈرانے والا ہے۔ سیدنا زکریا علیہ السلام نے اپنے ضعف اور عجز کو اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ بنایا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ محبوب ترین وسیلہ ہے کیونکہ یہ بندے کے اپنی قوت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واختیار سے برأت اور دل کے اللہ تعالیٰ کی قوت واختیار پر بھروسہ کرنے کے اظہار پر دلالت کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی:1561/2)

(5)﴿وَلَمۡ أَكُنۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيّٗا﴾ ”اور اے میرے رب! میں آپ کو پکارنے میں کبھی نامراد نہیں رہا“ اپنے رب کے سامنے سیدنا زکریا علیہ السلام نے اپنی کمزوری کو رکھ کر یہ بتایا ہے کہ میں آپ کی رحمت سے نااُمید نہیں ہوں۔

(6) یعنی اے میرے رب! تو نے کبھی بھی میری دعا کو قبولیت سے محروم کر کے مجھے خائب وخاسر نہیں کیا بلکہ تو مجھے ہمیشہ عزت واکرام سے نوازتا اور میری دعا کو قبول کرتا رہا ہے۔ تیرا لطف وکرم ہمیشہ مجھ پر سایہ فگن رہا اور تیرے احسانات مجھ تک پہنچتے رہے۔ یہ سیدنا زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اپنی گزشتہ دعاؤں کی قبولیت کو بارگاہ الٰہی میں بطور وسیلہ پیش کیا۔ پس سیدنا زکریا علیہ السلام نے اس ہستی سے سوال کیا جس نے ماضی میں ان کو احسانات سے نوازا کہ وہ آئندہ بھی انہیں اپنی عنایات سے نوازے۔ (تفسیر سعدی:1561/2)

(7) اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سچی دُعا کیا ہے۔ (i) یہ دعا اس یقین کا اظہار ہے کہ سارے اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اسی کے دینے سے ملے گا، وہ نہ دے تو کچھ نہ ملے گا۔

(ii) اس دُعا کا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے جو حیرت انگیز طور پر پوری ہوگئی۔

﴿وَإِنِّي خِفۡتُ ٱلۡمَوَٰلِيَ مِن وَرَآءِي وَكَانَتِ ٱمۡرَأَتِي عَاقِرٗا فَهَبۡ لِي مِن

”اور یقیناً میں اپنے پیچھے اپنے رشتے داروں سے خوف رکھتا ہوں اور شروع سے میری بیوی بانجھ ہے، سو آپ مجھے

لَّدُنكَ وَلِيّٗا﴾

اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرمائیں“ (5)

سوال: سیدنا زکریا علیہ السلام نے دعا میں جن خدشات کا اظہار کیا، ان کی وضاحت ﴿وَإِنِّي... وَلِيّٗا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿وَإِنِّي خِفۡتُ ٱلۡمَوَٰلِيَ مِن وَرَآءِي﴾ ”اور یقیناً میں اپنے پیچھے اپنے رشتے داروں سے خوف رکھتا ہوں“ سیدنا زکریا علیہ السلام کو خوف تھا کہ اگر میرا کوئی وارث نہ ہوا جو اس مشن کو آگے پہنچائے اور میرے رشتہ داروں میں کوئی اس مشن کا اہل نہیں تو کہیں رشتے دار حق سے دُور نہ ہو جائیں۔

(2) یعنی مجھے خدشہ ہے کہ میری موت کے بعد بنی اسرائیل پر کون مقرر ہوگا؟ وہ تیرے دین کو اس طرح قائم نہیں کر سکیں گے جس طرح قائم کرنے کا حق ہے اور وہ تیرے بندوں کو تیری طرف دعوت نہیں دیں گے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سیدنا زکریا علیہ السلام کو بنی اسرائیل میں کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آ رہا تھا جس میں یہ لیاقت ہو کہ وہ ان کی دینی سربراہی کی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ذمہ داری اٹھا سکے۔

(3) اس سے سیدنا زکریا علیہ السلام کی شفقت اور خیر خواہی کا اظہار ہوتا ہے نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ آپ کو بیٹے کی طلب عام لوگوں کے مانند نہ تھی، جس میں مجرد دنیاوی مصلحتیں مقصود ہوتی ہیں۔ آپ کی طلب تو صرف دینی مصالح کی بنا پر تھی آپ کو خدشہ تھا کہ کہیں دین ضائع نہ ہو جائے اور آپ کسی دوسرے کو اس منصب کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ سیدنا زکریا علیہ السلام کا گھرانہ مشہور دینی گھرانوں میں سے تھا اور رسالت و نبوت کا گھر شمار ہوتا تھا اور اس گھرانے سے ہمیشہ بھلائی کی امید رکھی جاتی تھی، اس لئے سیدنا زکریا علیہ السلام نے دعا کی کہ وہ انہیں بیٹا عطا کرے جوان کے بعد دینی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا سکے۔ (تفسیر سعدی: 1562,1561/2)

(4) ﴿وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا﴾ "اور شروع سے میری بیوی بانجھ ہے" یعنی میری بیوی بانجھ ہے اور میں خود بوڑھا ہو گیا ہوں۔

(5) ﴿فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا﴾ "سو آپ مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرمائیں" یعنی میری نبوت کا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو۔

(6) ﴿مِنْ لَّدُنْكَ﴾ "اپنے پاس سے" مراد ہے کہ ظاہری اسباب ختم ہو چکے ہیں لیکن اپنے خاص فضل سے مجھے خود عطا فرما دے۔

(7) ایک اور مقام پر ان کی دعا کا تذکرہ ہے۔ ﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ﴾ "وہیں زکریا نے اپنے رب کو پکارا، اس نے کہا: "اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بلاشبہ تو ہی دُعا کا خوب سننے والا ہے۔" (آل عمران: 38) اور سورہ الانبیاء میں فرمایا: ﴿وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ "اور زکریا کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا: "اے میرے رب! آپ مجھے اکیلا نہ چھوڑنا اور آپ سب وارثوں میں سے بہترین ہیں۔" (الانبیاء: 89)

﴿يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا﴾

"جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی اور اے میرے رب! اسے پسندیدہ انسان بنا" (6)

سوال: سیدنا زکریا علیہ السلام نے کیسے بیٹے کی دعا کی، اس کی وضاحت ﴿يَّرِثُنِيْ ... رَضِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾ "جو میرا بھی وارث ہو اور آلِ یعقوب کا بھی وارث ہو" سیدنا زکریا علیہ السلام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے دعا کی کہ مجھے ایسالائق بیٹا مل جائے جو میرا اور پیغمبرانہ مشن کا وارث ہو۔

(2)﴿وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا﴾ ''اور اے میرے رب! اسے پسندیدہ انسان بنا''یعنی اسے نیک بندہ بنا جس سے تو راضی ہو اور تو اسے اپنے بندوں کا محبوب بنا دے۔غرضیکہ سیدنا زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے صالح بیٹے کی دعا کی جوان کے مرنے کے بعد باقی رہے،جوان کا ولی اور وارث بنے،اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے نزدیک نہایت پسندیدہ اور نبی ہو۔یہ اولاد کی بہترین صفات ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے پر بے پایاں رحمت ہے کہ اسے ایسا نیک بیٹا عطا کرے جو مکارم اخلاق اور قابل ستائش عادات کا جامع ہو۔(تفسیر سعدی:1562/2)

(3)سیدنا زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے وہ جانتے تھے کہ اس کائنات کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔وہ چاہتے تھے کہ رب کائنات کا پسندیدہ بیٹا مل جائے گا تو میرے لیے مضبوط سہارا ہوگا،صدقہ جاریہ ہوگا۔

﴿يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا﴾

''اے زکریا! یقیناً ہم آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا،اس سے پہلے ہم نے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا''(7)

سوال:سیدنا زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو عاجزی سے چپکے چپکے پکارا تو اللہ تعالیٰ نے رحم،محبت،مہربانی اور رضا کی بارش کیسے برسادی،اس کی وضاحت﴿يٰزَكَرِيَّآ ... سَمِيًّا﴾کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى﴾''اے زکریا! یقیناً ہم آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا''سیدنا زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو عاجزی سے چپکے چپکے پکارا تو اللہ تعالیٰ نے رحم،محبت،مہربانی اور رضا کی بارش ایسے برسادی کہ سیدنا زکریا علیہ السلام کو خوشخبری سنائی کہ آپ کی دعا قبول ہوئی۔

(2)سیدنا زکریا علیہ السلام کو بتایا گیا کہ آپ کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوگی جس کا نام یحییٰ ہوگا۔

(3)﴿لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا﴾''اس سے پہلے ہم نے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا''یعنی اس سے پہلے کسی شخص کا نام یحییٰ نہیں رکھا گیا۔

(4)رب العزت نے فرمایا:﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سَمِيْعُ الدُّعَآءِ﴿۳۸﴾فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴿۳۹﴾﴾ ''وہیں زکریا نے اپنے رب کو پکارا، اس نے کہا: ''اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بلاشبہ تو ہی دُعا کا خوب سننے والا ہے۔ چنانچہ فرشتوں نے اس کو آواز دی جب کہ وہ عبادت خانے میں کھڑے نماز ادا کر رہے تھے: ''بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو یحییٰ کی خوش خبری دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ایک کلمے (عیسیٰ) کی تصدیق کرنے والا اور سردار اور اپنے اوپر بہت ضبط رکھنے والا ہوگا اور نیک لوگوں میں سے نبی ہوگا۔'' (آل عمران:38,39)(5) سیدنا یحییٰ علیہ السلام اسم با مسمّٰی تھے۔

(6) یعنی اس سے پہلے کسی کا یہ نام نہیں رکھا گیا اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں سیدنا یحییٰ علیہ السلام سے پہلے آپ جیسا کوئی نہیں بنایا، تب یہ ان کی کاملیت اور اوصاف حمیدہ سے ان کے متصف ہونے کی بشارت ہے، نیز یہ کہ سیدنا یحییٰ علیہ السلام اپنے سے پہلے تمام لوگوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ مگر اس احتمال کے مطابق، اس عموم میں سے سیدنا ابراہیم، سیدنا موسیٰ اور سیدنا نوح علیہم السلام اور ان جیسے دیگر انبیاء کرام کو مخصوص کرنا ہوگا جو قطعی طور پر سیدنا یحییٰ علیہ السلام سے افضل ہیں۔ (تفسیر سعدی:1563/2)

﴿قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ

''زکریا نے کہا: ''اے میرے رب! میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا؟ جب کہ میری بیوی شروع سے بانجھ ہے اور میں

الْكِبَرِ عِتِيًّا﴾

بڑھاپے کی آخری حد تک پہنچ گیا ہوں'' (8)

سوال: دعا کی قبولیت کے بعد سیدنا زکریا علیہ السلام نے کیا کہا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ...عِتِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿قَالَ﴾ ''زکریا نے کہا'' جب سیدنا زکریا علیہ السلام کی دعا قبول ہوگئی اور بیٹے کی بشارت ملی تو تعجب کرتے ہوئے کہنے لگے۔

(2)﴿رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ﴾ ''اے میرے رب! میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا؟'' یعنی ان حالات میں کہ جذبہ قوی ہے، بیٹے کی شدید خواہش ہے مگر ظاہری اسباب مفقود ہیں تعجب سے انہوں نے کہا۔

(3)﴿وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا﴾ ''جب کہ میری بیوی شروع سے بانجھ ہے'' یعنی میری بیوی شروع سے ہی اولاد پیدا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنے کے قابل نہیں اور اب تو وہ بوڑھی ہو چکیں۔

(4)﴿وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا﴾ ''اور میں بڑھاپے کی آخری حد تک پہنچ گیا ہوں'' اور ادھر صورت حال یہ ہے کہ میری ہڈیاں خشک ہو چکیں، اعضاء کمزور ہو گئے، میں صحبت کرنے کے قابل بھی نہیں رہا۔

(5) یعنی بڑھاپے میں بانجھ جوڑے کے یہاں اولاد کا جنم لینا حیرت انگیز عمل ہے۔

﴿قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ

''کہا ایسا ہی ہوگا، آپ کے رب نے فرمایا کہ مجھ پر وہ بہت آسان ہے اور یقیناً میں اس سے پہلے آپ کو پیدا کر چکا

وَ لَمْ تَكُ شَيْـًٔا﴾

ہوں حالانکہ آپ کچھ بھی نہ تھے'' (9)

سوال: فرشتوں نے سیدنا زکریا علیہ السلام کا تعجب دُور کرنے لیے کیا کہا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ كَذٰلِكَ... شَيْـًٔا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾ ''کہا ایسا ہی ہوگا، آپ کے رب نے فرمایا کہ مجھ پر وہ بہت آسان ہے'' فرشتوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا دینے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اب ایسے ہی ہوگا اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہیں۔ جو رب بانجھ عورت کو اولاد کے قابل نہیں رہنے دیتا اس کے لیے اولاد کے قابل بنانا مشکل کام نہیں۔ پھر جو رب عدم سے وجود میں لا سکتا ہے وہ ظاہری اسباب کے بغیر بیٹا عطا کر سکتا ہے۔

(2) یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت اسباب کے بغیر وجود میں لا سکتی ہے اس لیے یہ اس کے لیے بہت آسان ہے۔

(3)﴿وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا﴾ ''اور یقیناً میں اس سے پہلے آپ کو پیدا کر چکا ہوں حالانکہ آپ کچھ بھی نہ تھے'' یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کو اپنے وجود میں دیکھو، تمہارا نام و نشان تک نہ تھا پھر اس نے پیدا کیا جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا﴾ ''کیا انسان پر زمانے میں سے کوئی وقت ایسا بھی آیا ہے جب وہ قابلِ ذکر چیز ہی نہ تھا؟'' (الدھر:1)

﴿قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ

''زکریا نے کہا: ''اے میرے رب! آپ میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرمائیں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تیرے لیے نشانی یہ ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لَيَالٍ سَوِيًّا﴾

تندرست ہوتے ہوئے تین راتیں لوگوں سے بات نہ کرے گا'' (10)

سوال 1: سیدنا زکریا علیہ السلام نے بیٹے کی خوش خبری ملنے کے بعد کیا دعا مانگی، اس کی وضاحت ﴿قَالَ... اٰيَةً﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً﴾ ''زکریا نے کہا: ''اے میرے رب! آپ میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرمائیں'' سیدنا زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے اس وعدے کی کوئی نشانی بتا دیں تا کہ میرے دل کو اطمینان ہو۔

(2) یہ اللہ تعالیٰ کی بشارت میں شک نہیں ہے بلکہ ویسے ہی ہے جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۭ قَالَ بَلٰي وَلٰكِنْ لِّيَطْمَىِٕنَّ قَلْبِىْ﴾ ''اے میرے رب! مجھے دکھا کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور کیا تو یقین نہیں رکھتا؟'' اُس نے کہا: ''کیوں نہیں؟ لیکن اس لیے کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔'' (البقرۃ:260) (3) نشانی مانگنے کی وجہ دل کا اطمینان تھا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر سکیں۔

سوال 2: سیدنا زکریا علیہ السلام کے لیے کیا نشانی مقرر کی گئی، اس کی وضاحت ﴿قَالَ... سَوِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تیرے لیے نشانی یہ ہے کہ تندرست ہوتے ہوئے تین راتیں لوگوں سے بات نہ کرے گا'' اللہ تعالیٰ نے نشانی بتا دی کہ تم تین دن تک کسی سے بات نہیں کر پاؤ گے حالانکہ نہ تمہیں کوئی نقص لاحق ہوگا، نہ بیماری، نہ تم گونگے ہو گے بلکہ تم صحیح سلامت اور تندرست ہو گے لیکن بولنے سے عاجز ہو گے اور سیدنا زکریا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل مل گئی وہ کلام سے عاجز ہو گئے۔ لوگوں سے تو کلام نہیں کر سکتے تھے مگر تسبیح اور ذکر کر سکتے تھے۔ سبحان اللہ

(2) اسی کا تذکرہ سورۃ آل عمران میں ملتا ہے: ﴿قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ (40) قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ (41)﴾ ''زکریا نے کہا: ''اے میرے رب! میرے ہاں بیٹا کیسے ہوگا حالانکہ یقیناً مجھ تک بڑھاپا آ پہنچا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے؟'' (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: ''اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔'' زکریا نے کہا: ''اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی بتا دیں'' (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''آپ کے لیے نشانی یہ ہے کہ تین دن تک لوگوں سے کچھ اشاروں کے سوا باتیں نہ کر سکو گے اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرو۔'' (آل عمران:41,40)

﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا﴾

''تو وہ اپنے کمرہ عبادت سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آیا، پس ان کی طرف اشارہ کیا کہ صبح و شام تسبیح کرو۔'' (11)

سوال: سیدنا زکریا علیہ السلام محراب سے باہر نکلے تو لوگوں سے کیا کہا، اس کی وضاحت ﴿فَخَرَجَ ...وَّعَشِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ﴾ ''تو وہ اپنے کمرہ عبادت سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آیا'' سیدنا زکریا علیہ السلام محراب سے یعنی کمرہ عبادت سے نکل کر باہر لوگوں کے پاس آئے جہاں انہیں بیٹے کی بشارت ملی تھی۔

(2) ﴿فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا﴾ ''پس ان کی طرف اشارہ کیا کہ صبح و شام تسبیح کرو'' سیدنا زکریا علیہ السلام نے لوگوں کو اشارے سے کہا کہ میری طرح آپ لوگ بھی صبح و شام اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے رہو اور اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کیونکہ سیدنا یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش میں سب لوگوں کے حق میں دینی مصلحت تھی۔

﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا﴾

''اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے پکڑو'' اور ہم نے اسے بچپن میں دین کی سمجھ عطا کی تھی۔'' (12)

سوال: یحییٰ علیہ السلام کو کتاب کو مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیا گیا اور دین کی سمجھ دی گئی، اس کی وضاحت ﴿يٰيَحْيٰى ... صَبِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کی بشارت کے مطابق سیدنا یحییٰ کی ولادت ہوئی اور یہ ان کے شباب اور ان کی عمدہ تربیت پر دلیل ہے کہ رب العزت نے حکم دیا۔

(2) ﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾ ''اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے پکڑو'' یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب کو قوت، کوشش، محنت اور شوق سے پکڑے رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو قوت سے پکڑنے کے لیے اس کے الفاظ اور ان کے معنی کی گہرائی کو سمجھیں، اس پر عمل کرنے کے لیے، اس کے احکامات کو سمجھیں۔ پوری محنت کوشش اور شوق سے ہر حکم پر اسی طرح عمل پیرا ہوں جیسا کہ رب العزت نے حکم دیا اور نواہی سے مکمل طور پر اجتناب کریں۔ یہ ہے کتاب اللہ کو قوت سے کامل طور پر

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

پکڑنا۔سیدنا یحییٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مکمل طور پر تعمیل کی۔انہوں نے کتاب اللہ کو حفظ کیا۔اس کا فہم حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی ذہانت عطا فرمائی تھی جو کسی اور کو نہ دی تھی اور انہوں نے کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑنے کا حق ادا کر دیا۔الٰہی ہمیں بھی کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنے کی توفیق عطا فرمانا۔آمین

(3)﴿وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا﴾ ''اور ہم نے اسے بچپن میں دین کی سمجھ عطا کی تھی'' حکم سے مراد عقل و شعور، دانائی، اللہ تعالیٰ کے احکامات کا فہم، نبوت، علم و عمل کا یکجا ہونا ہے۔امام شوکانی رحمہ اللہ کی رائے میں حکم میں ساری باتیں ہی داخل ہیں۔

(4)اللہ رب العزت نے بچپن ہی سے انہیں اپنے احکامات اور ان کی حکمتوں کی سمجھ عطا فرمائی، انہیں علم، فہم، عزم، نیکیوں کا شوق، رغبت اور ان کے حصول کے لیے محنت اور انتہائی کوشش کرنے کے جذبے بھی کچھ عطا کر دیا تھا۔

(5)سیدنا یحییٰ علیہ السلام چھوٹے تھے تو بچوں نے انہیں کھیلنے کے لیے بلایا تو انہوں نے کہا ہم کھیلنے کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔(مراغی:33/6)

﴿وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِیًّا﴾

''اور اپنی جناب سے اسے نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی تھی اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا تھا'' (13)

سوال: سیدنا یحییٰ علیہ السلام کی صفات کی وضاحت ﴿وَّحَنَانًا... تَقِیًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا﴾ ''اور اپنی جناب سے اسے نرم دلی عطا کی تھی'' حنان سے مراد رحمت، رأفت، شفقت، نرم دلی اور مہربانی ہے۔

(2)سیدنا یحییٰ علیہ السلام کو نرم دلی کے لیے تکلیف نہیں کرنی پڑی۔انہیں فطرت ثانیہ کے طور پر ہی نرم دلی عطا کی گئی جس کی وجہ سے ان کے حالات کی اصلاح ہوئی، ان کے اعمال اور معاملات درست اور آسان ہوئے۔نرم دلی انبیاء کی بنیادی صفات میں سے ہے اور مبلغ کی بنیادی ضرورت ہے۔

(3)نرم دلی کی وجہ سے معاملات آسان ہو جاتے ہیں، لوگوں کے دلوں میں گہری محبت پیدا ہو جاتی ہے، لوگ داعی کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اور اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔رب العزت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ ''پس اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہی کی وجہ سے آپ ان کے لیے نرم ہو گئے ہیں اور اگر آپ بدخُلق اور سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے۔'' (آل عمران:159)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

(4)﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''بلاشبہ تمہارے پاس یقیناً تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آیا ہے اُس پر گراں ہے جو تم مشقت میں پڑو، تم پر بہت حرص رکھنے والا ہے، مومنوں پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' (التوبہ:128)

(5) اس اخلاقی وصف کی تعلیم نبی ﷺ نے لوگوں کو دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نرمی جس چیز میں ہو اس کو زینت دیتی ہے اور جس چیز سے الگ کر لی جاتی ہے اس کو بدنما بنا دیتی ہے۔'' (صحیح مسلم کتاب البر والصلہ)

(6)﴿وَزَكٰوةً﴾ ''اور پاکیزگی عطا کی تھی'' زکوٰۃ سے مراد پاکیزگی، طہارت، پاک دامنی، گناہوں اور آفتوں سے پاکیزگی، دل اور عقل کی پاکیزگی ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کا ترجمہ برکت سے کیا ہے (مختصر ابن کثیر:1125/2) یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں باعث برکت بنایا، زندگی بھر نیک رہے، گناہوں سے کنارہ کشی کی۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا یحییٰ علیہ السلام کو گناہوں اور آفتوں سے پاک کیا تھا جس کی وجہ سے وہ برے اخلاق، بری صفات سے پاک ہو گئے اور اخلاق حسنہ اور صفات حمیدہ کے حامل ہو گئے۔

(7)﴿وَكَانَ تَقِيًّا﴾ ''اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا تھا'' وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرنے والے اور نواہی کو ترک کرنے والے تھے۔

(8) متقی انسان اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر اس کی اطاعت کرتا ہے اور اس کے عذاب کے خوف سے اس کے نواہی سے رکتا ہے۔ (9) جو مومن تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ولی اور اہل جنت میں سے ہوتا ہے۔

(10) نبی ﷺ لوگوں کو تقویٰ کی وصیت کرتے تھے۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جہاں بھی رہو اللہ تعالیٰ سے ڈرو، برائی کے بعد (جو تم سے ہو جائے) بھلائی کرو جو برائی کو مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ۔'' (جامع ترمذی:1987)

(11) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے پیار کرتا ہے جو پرہیزگار اور غنی ہے اور ایک کونے میں چھپ کر بیٹھا ہے (یعنی شہرت اور نمود و نمائش سے اجتناب کرنے والا ہو)۔'' (صحیح مسلم:7432)

﴿وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا﴾

''اور اپنے والدین سے نیکی کرنے والا تھا اور سرکش، نافرمان نہیں تھا'' (14)

سوال 1: سیدنا یحییٰ علیہ السلام کی مزید صفات کی وضاحت ﴿وَّبَرًّا ...عَصِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:(1)﴿وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ﴾ ''اور اپنے والدین سے نیکی کرنے والا تھا'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا یحییٰ علیہ السلام کی صفات میں سے ایک اور پیدائشی صفت کی وضاحت فرمائی ہے کہ وہ اپنے والدین سے حسن سلوک کرنے والے، ان کی اطاعت اور خدمت کرنے والے تھے۔ وہ اپنے قول اور فعل سے حسن سلوک کرتے تھے۔ ان سے کبھی برائی اور ترش روئی سے پیش نہیں آتے تھے۔

(2)﴿وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا﴾ ''اور سرکش، نافرمان نہیں تھا'' سیدنا یحییٰ علیہ السلام سرکش، خودسر اور نافرمان نہیں تھے۔ یعنی نہ تو ان کے اندر تکبر تھا، نہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روگردانی کرنے والے تھے۔ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے بندوں کے مقابلے میں بڑا نہیں سمجھتے تھے۔ والدین کے سامنے عاجزی اور تواضع اختیار کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنے والے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ہر طرح کے معاملات میں سلامتی عطا کی گئی تھی۔

سوال 2: والدین سے حسن سلوک کا جذبہ سیدنا یحییٰ علیہ السلام کے اندر کیسے موجزن ہوا؟

جواب:(1) اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر سیدنا یحییٰ علیہ السلام کو جذبہ عطا کیا تھا جس کی وجہ سے وہ ان کی اطاعت، خدمت اور حسن سلوک کرتے تھے۔ (2) یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم تھا۔

ع 1 15 4

﴿وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا﴾

''اور سلام اس پر جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا اور جس روز زندہ کر کے اٹھایا جائے گا'' (15)

سوال: اللہ تعالیٰ نے سیدنا یحییٰ علیہ السلام کے لیے اپنی رضا کا اظہار کیسے فرمایا ہے، اس کی وضاحت ﴿وَسَلٰمٌ ... حَيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا﴾ ''اور سلام اس پر جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا اور جس روز زندہ کر کے اٹھایا جائے گا'' اللہ تعالیٰ نے تین وحشت کے مواقع پر سلامتی کی خبر دی ہے جو شیطان اور اس کے شر اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے سلامتی کی خبر ہے اور یہ کہ وہ دار السلام یعنی جنت میں ہیں۔

(2) انسان کی زندگی کے تین وحشت ناک مواقع ہیں ایک جب وہ پیدا ہوتا ہے دوسرے جب اسے موت آتی ہے تیسرے جب اسے قبر سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ کسی شاعر نے کہا: تیری ماں نے تجھے جنم دیا تو تو رو رہا تھا، چیخ رہا تھا اور تیرے آس پاس لوگ خوشی سے ہنس رہے تھے۔ تو اپنے لیے کوشش کر کہ جب تیرے مرنے کے دن وہ رو رہے ہوں تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوش ہوا اور ہنس رہا ہو۔

(3) تینوں مواقع پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا یحییٰ علیہ السلام کو امن اور سلامتی کا پیغام عطا فرما کر ان کی عزت اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ (ابن جریر)

(4) اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں سیدنا یحییٰ علیہ السلام اور ان کے والد اور تمام انبیاء پر۔ رب العزت سے دعا ہے ہمیں انبیاء علیہم السلام کے پیروکاروں میں شامل فرمائے یقیناً وہ کریم ہے، رحیم ہے، سخی ہے، کرم کرنے والا ہے۔

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا﴾

''اور اس کتاب میں مریم کا ذکر کرو، جب کہ وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر مشرقی جانب چلی گئی'' (16)

سوال 1: سیدہ مریم علیہا السلام کی فضیلت ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ﴾ کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ﴾ ''اور اس کتاب میں ذکر کرو'' یعنی قرآن مجید میں ذکر کرو۔ ﴿مَرْيَمَ﴾ ''مریم کا'' یہ سیدہ مریم علیہا السلام کی سب سے بڑی فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب میں ان کے نام اور ان کے حالات کا ذکر ہے جس کو دنیا کے گوشے گوشے کے مسلمان تلاوت کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں جہانوں کے بادشاہ نے ان کی مدح و ثناء کی ہے یہ ان کے اعمال حسنہ اور زندگی کی کمال درجے کی جدوجہد کی جزا ہے۔

(2) سیدہ مریم علیہا السلام، سیدنا داوٗد علیہ السلام کے خاندان میں عمران کی بیٹی تھیں جو ایک پاکیزہ اسرائیلی گھرانہ تھا۔ ان کی پیدائش سے پہلے ان کی والدہ نے نذر مانی تھی کہ اپنے پیٹ کا بچہ رب کی نذر کر دوں گی پھر جب بیٹی نے جنم لیا تو پریشان ہو گئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس بیٹی کو بھی قبول کر لیا یوں پہلی بچی ہیکل کی نذر کی گئی۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (۳۵) فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ۭ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُھَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (۳۶)﴾ ''جب عمران کی بیوی نے کہا: ''اے میرے رب! جو میرے پیٹ میں ہے، میں نے نذر مانی ہے کہ تیرے لیے آزاد چھوڑا ہوا ہوگا۔ پس آپ مجھ سے قبول فرمائیں، یقیناً آپ سب کچھ سننے والے، سب کچھ جاننے والے ہیں۔'' پھر جب اس نے بچے کو جنم دیا تو کہا: ''اے میرے رب! میں نے تو لڑکی کو جنم دیا'' حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا جو اس نے جنم دیا ''اور لڑکا تو لڑکی جیسا نہیں ہوتا، اور بلاشبہ میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور یقیناً میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہوں۔'' (آل عمران:36,35)

(3) سیدہ مریم علیہا السلام وہ خاتون ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی خدمت کے لیے منتخب کیا۔ انہیں بن باپ کے بچہ عطا کیا اور یوں وہ اللہ تعالیٰ کے نبی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بنیں۔ سیدہ مریم علیہا السلام قوم کے سردار کی بیٹی تھیں مگر وہ ان کی پیدائش کے وقت وفات پا چکے تھے۔ سیدہ مریم علیہا السلام کی والدہ سیدہ حنّہ نے نذر مانی تو رب نے ان کی بیٹی کو قبول کر لیا اور ان کی عمدہ طریقے سے پرورش کی اور سیدنا زکریا علیہ السلام کو ان کا سرپرست بنایا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ''سو اس کے رب نے اسے اچھی قبولیت کے ساتھ قبول فرمایا اور اس کی بہترین پرورش کی اور زکریا کو اس کا سرپرست بنایا۔ زکریا جب کبھی اس کے پاس عبادت خانے میں آتے اس کے پاس رزق پاتے، وہ پوچھتے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ وہ کہتیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔'' (آل عمران:37) ان کی کفالت کی ذمہ داری کے لیے معزز ترین قوم میں سے بہت سے افراد کی خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ کے لیے آزاد کی گئی بیٹی کی پرورش کا شرف اسے ملے لہٰذا قرعہ اندازی کی گئی تو یہ شرف سیدنا زکریا علیہ السلام کے حصے میں آیا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۭ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ﴾ ''یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں ورنہ آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی سرپرستی کرے گا اور نہ ہی آپ اس وقت ان کے پاس تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے۔'' (آل عمران:44) قرعہ اندازی کے نتیجے میں سیدنا زکریا علیہ السلام ان کے سرپرست تسلیم کر لیے گئے۔ یہ ان کا شرعی حق بھی تھا اور قرعہ اندازی سے ثابت بھی ہو گیا۔ یوں سیدہ مریم علیہا السلام ہیکل میں پرورش پانے لگیں۔

سیدنا زکریا علیہ السلام ان کی عبادت گزاریوں اور رب کی کرم نوازیوں کو دیکھتے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (۳۷)﴾ ''زکریا جب کبھی اس کے پاس عبادت خانے میں آتے اس کے پاس رزق پاتے، وہ پوچھتے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ وہ کہتیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔'' (آل عمران:37)

(4) سیدنا زکریا علیہ السلام نے سیدہ مریم علیہا السلام کے لیے مسجد میں ایک جگہ مقرر کر دی تھی جہاں ان کے سوا کوئی نہیں جاتا تھا۔ وہ وہاں دن رات عبادت میں مشغول رہتی تھیں حتیٰ کہ ان کی عبادت گزاری ضرب المثل بن گئی۔ سیدہ مریم علیہا السلام مسجد کی خدمت کے فرائض بھی انجام دیتی تھیں۔ ان کی کریمانہ عادات اور اعلیٰ صفات لوگوں میں مشہور ہو گئیں۔ سیدنا زکریا علیہ السلام جب کبھی ان کے حجرہ عبادت میں تشریف لے جاتے تو انہیں بے موسم کے پھل دیکھ کر حیرت ہوتی تھی گرمیوں میں سردیوں کے پھل اور سردیوں میں گرمیوں کے پھل موجود ہوتے تھے جب کہ ان دنوں میں پھلوں کو محفوظ رکھنے کے انتظامات بھی نہیں ہوتے تھے۔ سیدنا زکریا علیہ السلام ان سے پوچھتے تھے اے مریم! تیرے پاس یہ رزق کہاں سے آیا ہے؟ وہ جواب دیتیں اللہ تعالیٰ کے پاس سے یقیناً وہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ کرامت دیکھ کر سیدنا زکریا علیہ السلام کے دل میں بیٹے کی خواہش پیدا ہوئی حالانکہ وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ اس دعا کا تذکرہ قرآن مجید میں یوں ہے: ﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ﴾ ''وہیں زکریا نے اپنے رب کو پکارا، اس نے کہا: ''اے میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بلاشبہ تو ہی دعا کا خوب سننے والا ہے۔'' (آل عمران:38)

(5) سیدہ مریم علیہا السلام کا تمام خواتین عالم کے مقابلے میں انتخاب: اللہ رب العزت نے سیدہ مریم علیہا السلام کو چن لیا، انہیں پاک کیا اور دنیا بھر کی عورتوں میں سے اس شرف کے لیے انہیں منتخب کیا کہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ بغیر باپ کے بچہ پیدا کرنے کی قدرت کا اظہار کرے گا اور انہیں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری دی کہ وہ معزز نبی ہوں گے جو مستقبل میں بنی اسرائیل کے رسول اور ان کے راہ نما بننے والے تھے اور انہیں توحید کی دعوت دینے والے تھے۔

(6) رب العزت نے سیدہ مریم علیہا السلام کو حکم دیا کہ وہ کثرت سے عبادت، رکوع اور سجدوں میں مشغول رہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے معزز مقام پانے کی مستحق ہوں اور اس نعمت پر اس کا شکر ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں وہ بہت طویل قیام کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے والدین پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٢﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿٤٣﴾﴾ ''اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کو برگزیدہ بنایا ہے اور آپ کو پاک کیا ہے اور سب جہانوں کی عورتوں پر آپ کو منتخب کیا ہے۔ اے مریم! اپنے رب کی اطاعت کرو، سجدے کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔'' (آل عمران:43,42)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

(7) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چار خواتین تمام جہانوں کی عورتوں سے افضل ہیں، مریم بنت عمران، فرعون کی بیوی آسیہ، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت رسول۔'' (مسند احمد: 368/2)

(8) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''جب آپ نے جھک کر نبی کریم ﷺ کی بات سنی تھی تو آپ کیوں رو پڑی تھیں اور پھر کیوں ہنس دی تھیں؟'' سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ آپ اسی بیماری میں وفات پا جائیں گے۔'' اس پر مجھے رونا آ گیا پھر میں جھکی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''گھر کے افراد میں سب سے پہلے میں (فوت ہو کر) آپ سے جا ملوں گی اور یہ بتایا کہ میں مریم بنت عمران کے سوا تمام خواتین جنت کی سردار ہوں گی تب میں ہنس دی۔'' (بخاری: 6286,6285)

(9) اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا چار خواتین میں سے سیدہ مریم علیہا السلام اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا درجہ زیادہ ہے۔ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مردوں میں تو بہت سے افراد کامل ہوئے۔ عورتوں میں صرف فرعون کی بیوی آسیہ اور سیدہ مریم بنت عمران کامل ہوئیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دوسری عورتوں سے اس طرح افضل ہیں جس طرح ثرید دوسرے تمام کھانوں سے افضل ہوتا ہے۔'' (بخاری: 3769)

(10) کمال سے مراد غالباً اپنے دور میں کمال کا حصول ہے کیونکہ ان دونوں خواتین نے ہونے والے نبیوں کی پرورش کی۔ سیدہ آسیہ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی۔ سیدہ مریم علیہا السلام نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پرورش کی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس امت میں کوئی خاتون کمال کے اس درجے کو نہیں پہنچ سکتی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا با کمال ہیں۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بعثت سے پہلے پندرہ سال اور بعثت کے بعد دس سال گزارے۔ اپنی تمام دولت اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دی اور مشکلات کے دور میں آپ کی دلجوئی فرمائی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی بہنوں پر یہ افضلیت حاصل ہے کہ انہیں نبی ﷺ کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑا جب کہ آپ کی دوسری بہنیں نبی ﷺ کی زندگی میں فوت ہو چکی تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ کو نبی کریم ﷺ کی محبت میں سے وافر حصہ ملا تھا۔ آپ کے سوا کوئی ام المومنین کنواری ہونے کی حالت میں نبی ﷺ کے نکاح میں نہیں آئیں۔ جب منافقوں نے آپ ﷺ کی عزت پر انگشت نمائی کی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کی برأت نازل فرمائی۔ آپ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد پچاس سال زندہ رہیں۔ اس دوران میں آپ قرآن وسنت کی تبلیغ میں مشغول رہیں۔ مشکل شرعی مسائل میں آپ فتووں کے ذریعے سے امت کی راہ نمائی فرماتی رہیں اور اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں صلح کرواتی رہیں۔ اس لیے بعض

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علمائے کرام نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سمیت تمام امہات المومنین سے افضل قرار دیا ہے۔ تاہم سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک دوسرے سے افضل قرار دینے کے مسئلہ میں خاموشی ہی بہتر ہے۔ (قصص الانبیاء:597-603)

سوال 2: سیدہ مریم علیہا السلام اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر کہاں چلی گئیں، اس کی وضاحت ﴿اِذِ انْتَبَذَتْ ... شَرْقِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا﴾ ''جب کہ وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر چلی گئی'' یعنی جب وہ اپنے گھر والوں سے جدا ہو کر (2) ﴿مَكَانًا شَرْقِيًّا﴾ ''مشرقی جانب'' یعنی قدیم ہیکل کے مشرقی حصے میں گوشہ نشین ہو گئی تھیں۔

﴿فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ

''پھر اُس نے اُن کی طرف سے ایک پردہ بنالیا تو ہم نے اُس کے پاس اپنے خاص فرشتے کو بھیجا تو اُس کے لیے

لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾

اُس نے پورے انسان کی شکل اختیار کی'' (17)

سوال 1: سیدہ مریم علیہا السلام نے علیحدگی اور حجاب کیوں اختیار کر لیا تھا، اس کی وضاحت ﴿فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا﴾ ''پھر اُس نے اُن کی طرف سے ایک پردہ بنالیا'' (i) سیدہ مریم علیہا السلام کی علیحدگی اور حجاب اس مقصد کے لیے تھا تا کہ وہ لوگوں سے الگ تھلگ رہیں، انہیں یکسوئی حاصل رہے۔ (ii) یہ پردہ اس مقصد کے لیے بھی تھا تا کہ وہ کسی کو نظر نہ آئیں۔ (iii) یہ پردہ حیض سے پاکیزگی کے لیے بھی تھا۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ کنواری اور کم سن ہونے کے باوجود پاکیزہ تھیں اور اپنی تنہائی سے مطمئن تھیں۔

(2) یعنی ایک پردہ ڈال لیا تھا جو لوگوں کی ملاقات سے مانع تھا۔ سیدہ مریم علیہا السلام کا گوشہ نشیں ہونا، پردہ لٹکا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے الگ تھلگ ہو جانا، اخلاص، خشوع و خضوع اور اللہ تعالیٰ کے لئے تذلل کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت دراصل اس ارشاد الٰہی کی تعمیل ہے: ﴿وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ (٤٢) يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (٤٣)﴾ ''اور جب فرشتوں نے کہا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اے مریم! یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کو برگزیدہ بنایا ہے اور آپ کو پاک کیا ہے اور سب جہانوں کی عورتوں پر آپ کو منتخب کیا ہے۔ اے مریم! اپنے رب کی اطاعت کرو، سجدے کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔" (آل عمران:42،43)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کے پاس کس کو بھیجا، اس کی وضاحت ﴿فَاَرْسَلْنَآ...سَوِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا﴾ "تو ہم نے اُس کے پاس اپنے خاص فرشتے کو بھیجا" روح سے مراد سیدنا جبرائیل علیہ السلام ہیں۔

(2) ﴿فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا﴾ "تو اُس کے لیے اُس نے پورے انسان کی شکل اختیار کی" اللہ تعالیٰ نے سیدنا جبرائیل علیہ السلام کو مکمل انسانی شکل میں بھیجا تھا۔ یعنی ایک خوبصورت اور حسین وجمیل مرد کی شکل میں ظاہر ہوئے، جس میں کوئی عیب تھا نہ نقص، کیونکہ سیدہ مریم علیہا السلام، جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھنے کی متحمل نہ تھیں۔ جب سیدہ مریم علیہا السلام نے سیدنا جبریل علیہ السلام کو اس حال میں دیکھا، جبکہ وہ اپنے گھر سے علیحدہ اور لوگوں سے الگ ہو کر گوشہ نشین ہو گئی تھیں اور عزیز ترین لوگوں، یعنی اپنے گھر والوں سے بھی پردہ کر لیا تھا تو ڈر گئیں کہ وہ مرد ہے کہیں وہ ان کے بارے میں کوئی برا ارادہ نہ رکھتا ہو اور کہیں وہ ان کے ساتھ برائی سے پیش نہ آئے۔ (تفسیر سعدی:1567/2)

﴿قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا﴾

"مریم نے کہا: "یقیناً میں تجھ سے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ تعالیٰ سے ڈر جانے والا ہے" (18)

سوال: سیدہ مریم علیہا السلام سیدنا جبرائیل علیہ السلام کو دیکھ کر کیوں گھبرا اٹھیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پناہ کیوں مانگی، اس کی وضاحت ﴿قَالَتْ...تَقِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَتْ﴾ "مریم نے کہا" (i) سیدہ مریم علیہا السلام نے جب بے دھڑک ایک مرد کو اندر داخل ہوتے دیکھا تو گھبرا اٹھیں کہ کہیں یہ بُری نیت سے نہ آیا ہو۔ (ii) سیدہ مریم علیہا السلام کا گھبرا اُٹھنا فطری امر تھا۔ جس پاکباز عبادت گزار لڑکی کے کمرے میں اچانک نوجوان داخل ہو جائے تو وہ یقیناً گھبرا جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے گی۔ (iii) سیدہ مریم علیہا السلام سیدنا جبرائیل علیہ السلام سے ڈر گئیں کہ کہیں وہ ان کے ساتھ برائی سے پیش نہ آئیں اس لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہوئے کہا۔

(2) ﴿اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ﴾ "یقیناً میں تجھ سے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں" انہوں نے کہا میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہوں اور اس کی رحمت کے سائے تلے آتی ہوں کہ تو مجھے نقصان نہ پہنچائے۔ (جامع البیان:74/16)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(3)﴿اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا﴾ ''اگر تو اللہ تعالیٰ سے ڈر جانے والا ہے'' یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو اور عمل کرتے ہو اور تمہارے دل میں کچھ بھی خوف ہے تو میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہوں۔

(4)(i)سیدہ مریم علیہا السلام نے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ کر اس مرد کے شعور کو بیدار کیا کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے وہ دیکھ رہا ہے۔ یہ جگہ اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں۔(ii)سیدہ مریم علیہا السلام پاکباز دوشیزہ تھیں، اُن کو جنین کی حالت میں ہیکل کی نذر کر دیا تھا، اُن کی اچھی تربیت ہوئی تھی، اُن کی کفالت ایک پاکباز شخص نے کی، وہ پاک ماحول میں رہنے والی تھیں، اُن کے لیے تقویٰ ہی سب سے اہم چیز تھی اس لیے اُنہوں نے اُسی کا واسطہ دیا۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کا خوف بیدار ہو سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جس کے سامنے ذکر کیا جائے وہ متقی ہو۔ تقویٰ کی بیداری سے انسان شیطانی وسوسوں اور شہوت کی اُکساہٹوں سے بچ جاتا ہے۔

(5)سیدہ مریم علیہا السلام کا خوف تھا اور یہ عفت کے بلند ترین درجے شر اور اس کے اسباب سے بُعد کی دلیل ہے یہ عفت خاص طور پر جبکہ تمام اسباب جمع ہوں اور گناہ سے کوئی مانع بھی موجود نہ ہو، بہترین عمل ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی ستائش کی:﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾ ''اور عمران کی بیٹی مریم کی مثال بیان کی، جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی تو چنانچہ ہم نے اُس میں اپنی رُوح پھونک دی اور اُس نے اپنے رب کی باتوں اور اُس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی۔'' (التحریم:12)﴿وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ ''اور وہ عورت جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی تو ہم نے اس میں اپنی روح میں سے پھونکا اور ہم نے اسے اور اس کے بیٹے کو جہانوں کے لیے نشانی بنا دیا۔'' (الانبیاء:91)(تفسیر سعدی:1567/2)

﴿قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ڰ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا﴾

''فرشتے نے کہا: ''یقیناً میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ میں تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں'' (19)

سوال: فرشتے نے سیدہ مریم علیہا السلام کا خوف کیسے دُور کیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ...زَكِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ﴾ ''فرشتے نے کہا'' فرشتے نے واضح کیا۔

(2)﴿اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ﴾ ''یقیناً میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں'' کہ میرے بارے میں آپ کا گمان درست نہیں میں تو آپ کے رب کا قاصد ہوں، آپ کے رب نے مجھے بھیجا ہے اور میرا کام تو آپ کے بارے میں رب کے حکم کو

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

نافذ کرنا ہے۔

(3) ﴿لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا﴾ ''تا کہ میں تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں'' یہ بیٹے اور اس کی پاکبازی کی بہت بڑی خوش خبری ہے کیونکہ پاکیزگی تمام بری عادات سے تطہیر اور قابل تعریف اوصاف کے حامل ہونے کی دلیل ہے۔

﴿قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا﴾

''مریم نے کہا: ''میرے یہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ اور مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں اور میں کبھی بدکار نہ تھی'' (20)

سوال: سیدہ مریم علیہا السلام نے بچے کی پیدائش کے بارے میں تعجب کا اظہار کیسے کیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَتْ... بَغِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا﴾ ''مریم نے کہا: ''میرے یہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ اور مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں اور میں کبھی بدکار نہ تھی'' سیدہ مریم علیہا السلام کو فرشتے کی بات پر تعجب ہوا تو انہوں نے سوال کیا کہ میرے ہاں بیٹا کیسے ہوسکتا ہے جب کہ نہ تو میرا کوئی شوہر ہے اور نہ ہی میں بے حیائی پر آمادہ ہوسکتی ہوں، نہ آج تک مجھے کسی انسان نے چھوا، نہ ہی میں فاحشہ عورت ہوں۔ (نعوذ باللہ)

(2) سیدہ مریم علیہا السلام خوف زدہ تھیں پھر اتنے بے دھڑک انداز میں بچے کی پیدائش کے بارے میں کیسے پوچھنے لگ گئیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی کی عزت خطرے میں ہوتی ہے تو قدرتی طور پر اُس میں بہادری پیدا ہوجاتی ہے۔

(3) سیدہ مریم علیہا السلام سے سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے یہ کہا تھا: ''تا کہ میں تجھے عطا کردوں'' یہ الفاظ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ یہ عطا ظاہری اسباب کے بغیر ہوگی اس لیے سیدہ مریم علیہا السلام کا خوف دُور ہوگیا۔

(4) سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے یہ واضح کردیا تھا کہ میں تیرے رب کا رسول ہوں اور رسول پیغام دینے کے لیے آتا ہے اس لیے بھی خوف دُور ہوگیا۔

(5) ''میرے یہاں لڑکا کیسے ہوگا؟'' سیدہ مریم علیہا السلام کے اس سوال یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ مرد اور عورت کے ملاپ کے ماسوا کسی اور صورت پیدائش پر یقین نہیں رکھتی تھیں۔

﴿قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً

''فرشتے نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا، تیرے رب نے کہا ہے کہ وہ مجھ پر تو بہت آسان ہے اور تا کہ ہم اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی اور اپنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا﴾

جانب سے ایک رحمت بنادیں اور ہمیشہ سے یہ ایک طے شدہ کام ہے۔'' (21)

سوال: ﴿قَالَ ... مَّقْضِيًّا﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ كَذٰلِكِ﴾ ''فرشتے نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا'' فرشتے نے سیدہ مریم علیہا السلام کو جواب دیا کہ ایسا ہی ہوگا یعنی تم سے بیٹا پیدا ہوگا اگر چہ تمہارا کوئی شوہر نہ ہو اور تم پاک دامن ہی رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے اور اس پر ہر کام آسان ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 1127/2)

(2) ﴿قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾ ''تیرے رب نے کہا ہے کہ وہ مجھ پر تو بہت آسان ہے'' اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اس کے لیے کوئی کام مشکل نہیں۔

(3) اللہ تعالیٰ اسباب کا محتاج نہیں ہے اس لیے جو چیز ہمارے لیے معجزہ ہے وہ اس کے لیے مشکل نہیں ہے۔

(4) ﴿وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ﴾ ''اور تا کہ ہم اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنادیں'' (i) اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کے اس بچے کو اپنی تخلیق کی نشانی بنا دیا اور یہ ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ، قدرت اور مشیت بے قید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو مرد اور عورت کے بغیر پیدا کیا یہ پہلی صورت ہے جو انسان جانتے ہیں۔

(ii) اللہ تعالیٰ نے سیدہ حوا علیہا السلام کو صرف مرد سے پیدا کر کے دوسری صورت بھی واضح کر دی تھی۔

(iii) اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام سے ساری نسل انسانی کا سلسلہ چلا دیا تیسری نشانی تھی۔

(iv) اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے توسط سے یہ چوتھی نشانی دکھا دی کہ بغیر مرد کے بھی اللہ تعالیٰ بچے کو تخلیق کر سکتا ہے۔

(5) اللہ تعالیٰ پیدائش کی ہر قسم پر کمال درجے کی قدرت اور کمال درجے کا غلبہ رکھتے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی معبود ہے نہ رب۔

(6) یہ بچہ یعنی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ایک اور اعتبار سے بھی سارے جہان والوں کے لیے نشانی ہوں گے کہ وہ لوگوں سے بچپن (گہوارے) میں بھی باتیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت اور اپنا نبی بنائیں گے، وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید کی دعوت دیں گے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٤٦﴾﴾ ''جب فرشتوں نے کہا: ''اے مریم! یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی طرف سے ایک کلمے کی خوش خبری

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیتا ہے،اس کا نام مسیح عیسیٰ ابنِ مریم ہوگا،وہ دنیاو آخرت میں بہت مرتبے والا اور مقرب بندوں میں سے ہوگا اور وہ گود میں بھی اور اُدھیڑ عمر میں بھی لوگوں سے باتیں کرے گا اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا۔'' (آل عمران:46,45)

(7) یہ سیدنا جبرائیل علیہ السلام کے کلام کا اختتام ہے۔انہوں نے سیدہ مریم علیہا السلام کو یہ خبر دی کہ کام اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت اور اس کی مشیت و تقدیر میں طے پا چکا ہے اور حق تعالیٰ رحمت عالم ﷺ کو اس کی خبر دے رہے ہیں،اس سے کنایہ روح پھونک دینا ہے قرآن میں ہے: ﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾ ''اور عمران کی بیٹی مریم کی مثال بیان کی،جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی تو چنانچہ ہم نے اُس میں اپنی رُوح پھونک دی اور اُس نے اپنے رب کی باتوں اور اُس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی۔'' (التحریم:12) ﴿وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ ''اور وہ عورت جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی تو ہم نے اس میں اپنی روح میں سے پھونکا اور ہم نے اسے اور اس کے بیٹے کو جہانوں کے لیے نشانی بنا دیا۔'' (الانبیاء:91) یعنی اللہ تعالیٰ اس کام کا عزم کر چکا ہے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔(ابن جریر،مختصر ابن کثیر: 1128,1127/2)

(8) وہ نشانی اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرے،نیز اس امر پر بھی کہ اسباب کی کوئی مستقل تاثیر نہیں،ان میں تاثیر صرف اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے۔پس وہ اپنے بندوں کو بعض اسباب کے خلاف خارق عادت واقعات کا مشاہدہ کراتا ہے تاکہ وہ اسباب پر نہ ٹھہر جائیں اور مسبب الاسباب اور ان کو مقدر کرنے والی ہستی کے افعال میں غور وفکر ترک نہ کریں۔(تفسیر سعدی:1568,1567/2)

(9) ﴿وَرَحْمَةً مِّنَّا﴾ ''اور اپنی جانب سے ایک رحمت بنا دیں'' یہ واقعہ پہلے بنی اسرائیل کے لیے رحمت بنا پھر سارے انسانوں کے لیے رحمت بنا۔اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کی پہچان ہے جس کی وجہ سے لوگ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا تلاش کرتے ہیں۔

(10) تاکہ ہم اس کو خود اس کے لئے،اس کی والدہ کے لئے اور تمام لوگوں کے لئے رحمت بنائیں۔ان کا خود اپنے لئے رحمت ہونا اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی وحی کے لئے مختص کیا اور آپ کو اپنی عنایات سے نوازا جس طرح اس نے اولوالعزم انبیاء و مرسلین کو نوازا۔آپ کی والدہ کے لئے آپ کا رحمت ہونا یہ ہے کہ آپ کی وجہ سے آپ کی والدہ کو فخر،ثنائے حسن اور بڑے بڑے اخروی فوائد حاصل ہوئے۔لوگوں کے لئے آپ کا رحمت ہونا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اس نے ان کے اندر اپنا رسول مبعوث کیا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتا ہے، ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، وہ اس پر ایمان لاتے ہیں، اس کی اطاعت کرتے ہیں اور وہ دنیا و آخرت کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ (تفسیر سعدی:1568،1567/2)

(11)﴿وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا﴾ ''اور ہمیشہ سے یہ ایک طے شدہ کام ہے'' (i) اس سے مراد یہ ہے کہ یہ معجزانہ پیدائش تو اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی قدرت کے مطابق طے شدہ ہے۔

(ii) اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ بدلا نہیں جا سکتا، ہو کر رہے گا۔

(12) یعنی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ تھا، اس کا نافذ ہونا اٹل تھا۔ لہٰذا سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے سیدہ مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک ماردی اور سیدہ مریم علیہا السلام اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہوگئیں۔

﴿فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا﴾

''پھر مریم نے اس بچے کا حمل اُٹھالیا تو وہ اس کے ساتھ الگ ہو کر ایک دور کی جگہ چلی گئی'' (22)

سوال: سیدہ مریم علیہا السلام کو حمل ٹھہرا تو وہ کہاں چلی گئیں، اس کی وضاحت ﴿فَحَمَلَتْهُ... قَصِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿فَحَمَلَتْهُ﴾ ''پھر مریم نے اس بچے کا حمل اُٹھالیا'' سیدہ مریم علیہا السلام کو حمل ٹھہر گیا۔

(2)(i) سیدہ مریم علیہا السلام کے حمل کے بارے میں قرآن حکیم میں تذکرہ نہیں ہے۔

(ii) سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے سیدہ مریم علیہا السلام کے دامن یا گریبان میں پھونک ماری اور وہ حمل سے ہوگئیں۔

(3) حمل قرار پانے کے بعد سیدہ مریم علیہا السلام کو یہ سمجھ نہیں آتا تھا کہ لوگوں سے کیا کہیں کیونکہ انہیں علم تھا کہ وہ سچی بات بھی نہیں مانیں گے جب انہیں قوم کی طرف سے زنا کے الزام کا خطرہ محسوس ہوا تو ان سے علیحدہ ہوگئیں اور فضیحت اور رسوائی کے خوف سے دور کے مقام پر چلی گئیں۔

(4)﴿فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا﴾ ''تو وہ اس کے ساتھ الگ ہو کر ایک دور کی جگہ چلی گئی'' (i) سیدہ مریم علیہا السلام بیت اللحم کے مقام پر چلی گئی تھیں۔

(ii) حاملہ ہونا آزمائش ہے لیکن کنواری لڑکی کا حاملہ ہونا بہت بڑی آزمائش ہے اس لیے وہ خاموشی سے ہیکل سے نکلیں اور دُور کے مقام پر چلی گئیں۔

(iii) سیدہ مریم علیہا السلام پہلی بار علیحدہ ہو کر چھپ گئی تھیں کیونکہ انہیں اپنے اخلاق اور تربیت کی فکر تھی یہ صرف اُن کا خفیہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسئلہ تھا اور چھپارہ سکتا تھا۔ دوسری بار کی علیحدگی کو خفیہ نہیں رکھا جا سکتا تھا انہیں جسمانی تکلیف کے ساتھ شدید نفسیاتی تکلیف لاحق تھی۔

(5) ایک روایت میں ہے کہ یہ مقام بیت المقدس سے آٹھ میل دور تھا ایک حدیث میں ہے کہ ولادت عیسیٰ کی جگہ بیت اللحم ہے۔ (نسائی، بیہقی)

﴿فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰى جِذۡعِ النَّخۡلَةِ‌ ۚ قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا

''پھر دردِزہ اسے کھجور کے ایک تنے تک لے آیا، اُس نے کہا: ''اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مرجاتی

وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا﴾

اور میں بھولی بھلائی ہوئی ہوتی'' (23)

سوال 1: سیدہ مریم علیہا السلام نے موت کی تمنا کیوں کی، اس کی وضاحت ﴿فَاَجَآءَهَا ... مَّنۡسِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰى جِذۡعِ النَّخۡلَةِ﴾ ''پھر دردِزہ اسے کھجور کے ایک تنے تک لے آیا'' جب سیدہ مریم علیہا السلام کو زچگی کی تکلیف شروع ہوئی تو وہ بے قرار ہو اٹھیں۔ بے چینی میں وہ کھجور کے درخت کے نیچے آ کر بیٹھ گئیں۔ یہ درخت اسی جگہ تھا جہاں وہ اپنی قوم سے دور رہتی تھیں، ایک طرف زچگی کی تکلیف تھی اور دوسری طرف لوگوں کی باتوں اور طعنوں کا خیال کر کے تمنا کرنے لگیں۔

(2) ﴿قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا﴾ ''اُس نے کہا: ''اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مرجاتی اور میں بھولی بھلائی ہوئی ہوتی'' انہوں نے یہ تمنا کی کہ کاش وہ اس واقعہ سے پہلے ہی وفات پا جاتیں اور ان کا کہیں تذکرہ بھی نہ ہوتا۔

(3) سیدہ مریم علیہا السلام کی یہ تمنا گھبراہٹ کی بنا پر تھی جس میں ان کے لیے کوئی مصلحت، کوئی بھلائی نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ایک عظیم نبی کی ماں بننا ہی ان کی تقدیر میں تھا۔ ان کی بھلائی اور مصلحت تو سیدنا عیسیٰ عَلَيۡهِ السَّلَام کی پیدائش میں ہی تھی۔

(4) سیدہ مریم علیہا السلام کو یہ خوف تھا کہ بچے کی ولادت پر میں کیسے کسی کو مطمئن کر سکوں گی جب کہ کوئی میرا گواہ نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے موت کی آرزو کی تھی۔ (5) سیدہ مریم علیہا السلام کی شہرت ایک پاکباز، عبادت گزار، دُنیا سے بے رغبتی اختیار کرنے والی لڑکی کی تھی انہیں یہ خوف تھا کہ میں لوگوں کی نظروں میں بدکار ٹھہروں گی اس لیے اُنہوں نے موت کی آرزو کی تھی۔

(6) ﴿مَّنۡسِيًّا﴾ اس کپڑے کو کہتے ہیں جو حیض کے خون کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس کے بعد پھینک دیا جاتا ہے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اور بھلا دیا جاتا ہے کہ کوئی نشان بھی نہ دیکھ سکے۔ سیدہ مریم علیہا السلام دُکھ کی اس انتہا پر تھیں کہ اپنا کوئی نام ونشان کوئی یاد بھی باقی نہیں رہنے دینا چاہتی تھیں۔

سوال 2: کیا دینی فتنے کے وقت موت کی تمنا کی جا سکتی ہے؟ سیدہ مریم علیہا السلام کی تمنا کا دین میں کیا مقام ہے؟

جواب: دین میں فتنے کے وقت موت کی آرزو کرنا جائز ہے۔ سیدہ مریم کو معلوم تھا کہ اس بچے کی وجہ سے انہیں ایک زبردست امتحان سے گزرنا پڑے گا اور کوئی شخص بھی ان کی بات ماننے کو تیار نہ ہوگا، اب تک لوگ انہیں عبادت گزار اور نیک سمجھتے رہے مگر اب وہ بدکار اور آوارہ سمجھی جائیں گی، یہ خیال بار بار ان کے کلیجہ کو ستا تا رہا اور انگاروں پر لٹاتا رہا، جب بہت ہی بے چین ہوئیں تو بے ساختہ زبان سے نکلا کہ اس بدنامی سے تو بہتر تھا کہ اس واقعہ سے پہلے ہی میں مرجاتی اور لوگ مریم کو بھول جاتے یا میں پیدا ہی نہ ہوتی۔ (مختصر ابن کثیر: 1129/2) اس سے معلوم ہوا کہ دین میں فتنے کی وجہ سے سیدہ مریم علیہا السلام نے موت کی آرزو کی تھی جو کہ جائز ہے۔

سوال 3: زندگی کے دیگر مصائب میں موت کی تمنا کا کیا مقام ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے کیا تعلیم دی ہے؟

جواب: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی بھی کسی مصیبت کے آجانے کی وجہ سے موت کی تمنا اور خواہش نہ کرے اور اگر اسے ضرور ہی موت کی خواہش کرنا ہو تو کہے: اے اللہ! جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہو مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے وفات بہتر ہو مجھے وفات دے دے۔'' (مسلم: 6814)

﴿فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا﴾

''پھر مریم کو فرشتے نے اس کے نیچے سے آواز دی کہ غم نہ کرو، یقیناً تیرے رب نے تیرے نیچے سے ایک چشمہ (جاری) کر دیا ہے''(24)

سوال: اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کے خوف کو کیسے دور کیا، اس کی وضاحت ﴿فَنَادٰىهَا...سَرِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ﴾ ''پھر مریم کو فرشتے نے اس کے نیچے سے آواز دی کہ غم نہ کرو'' اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کے لیے فرشتے کو بھیجا جس نے یقین دلایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا منصوبہ ہے اس لیے گھبراؤ نہیں۔

(2) اس وقت فرشتے نے ان کو حوصلہ اور ثابت قدمی عطا کی۔

(3) سیدہ مریم علیہا السلام کا غم کسی انسان سے دور نہیں ہو سکتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو بھیج کر سکون دیا۔

(4) ﴿قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا﴾ ''یقیناً تیرے رب نے تیرے نیچے سے ایک چشمہ (جاری) کر دیا ہے''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں مریم کو یہ بات ان کے نیچے سے جبرائیل نے پکار کر کہی تھی۔ (مختصر ابن کثیر:1129/2) فرشتے نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے معجزانہ طریقے سے چشمہ جاری کر دیا ہے اور سوکھے کھجور کے درخت کی تازہ کھجوروں کا انتظام کر دیا ہے یوں یقین دہانی اور غم دور کرنے کا ایک اور انتظام بھی کر دیا گیا۔

﴿وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا﴾

"اور تم کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ، تمہارے اوپر تر وتازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا" (25)

سوال: سیدہ مریم علیہا السلام کو کھجوریں کیسے فراہم کی گئیں، اس کی وضاحت ﴿وَهُزِّيْٓ ... جَنِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ﴾ "اور تم کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ" فرشتے نے مزید تسلی دیتے ہوئے کہا: کھجور کی ٹہنی کو ہلاؤ اور گھبراؤ نہیں۔

(2) ﴿تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا﴾ "تمہارے اوپر تر وتازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا" تمہارے کھانے کا انتظام تمہارے رب نے کر دیا ہے۔ کھجور ہلانے سے تمہارے اوپر تر وتازہ پکی ہوئی کھجوریں ٹپک پڑیں گی۔

(3) سیدنا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: وہ عجوہ کھجور تھی۔ (ابن ابی حاتم:2405/7)

(4) رزق کے حصول کے لیے کوشش کرنا اور سبب اختیار کرنا شریعت کا حکم ہے جو کہ اللہ جل جلالہ پر توکل کے منافی نہیں ہے (اضواء البیان:398/3)

﴿فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ

"پس تم کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو پھر اگر تم انسانوں میں سے کسی کو دیکھو تو اُس سے کہہ دو کہ یقیناً میں نے رحمٰن کے

لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا﴾

لیے روزے کی نذر مان رکھی ہے، چنانچہ آج میں کسی انسان سے ہرگز کوئی بات نہ کروں گی" (26)

سوال 1: سیدہ مریم علیہا السلام کو سکون سے رہنے کے لیے کیا ہدایات دی گئیں، اس کی وضاحت ﴿فَكُلِيْ ... عَيْنًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) سیدہ مریم علیہا السلام کو سکون سے رہنے کے لیے یہ ہدایات دی گئیں: ﴿فَكُلِيْ﴾ "پس تم کھاؤ" یعنی کھجوریں کھاؤ۔ (2) ﴿وَاشْرَبِيْ﴾ "اور پیو" اور اس چشمے کا پانی پیو۔

(3) ﴿وَقَرِّيْ عَيْنًا﴾ "اور آنکھیں ٹھنڈی کرو" یعنی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(4) اللہ تعالیٰ کی جانب سے زچگی کی تکلیف سے دور رہنے کے لیے کھانے پینے کا خوشگوار ماحول فراہم کر دیا گیا۔

(5) کھجوریں زچگی کی مریضہ کے لیے بہترین پھل ہیں جس کی دلیل یہ آیت ہے۔

سوال 2: بچے کے سلسلے میں سیدہ مریم علیہا السلام کو کیا راہ نمائی دی گئی، اس کی وضاحت ﴿فَاِمَّا ۔۔۔ اِنْسِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) لوگوں کی باتوں اور طعنوں کے لیے سیدہ مریم علیہا السلام کے دل میں جو گھبراہٹ تھی اس کے لیے سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے حکم دیا۔

(2) ﴿فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ﴾ ’’پھر اگر تم انسانوں میں سے کسی کو دیکھو تو اس سے کہہ دو‘‘ جب وہ کسی انسان کو دیکھیں تو اشارے سے کہیں۔

(3) ﴿اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا﴾ ’’یقیناً میں نے رحمٰن کے لیے روزے کی نذر مان رکھی ہے‘‘ یعنی خاموش رہنے کی نذر مانی ہے۔

(4) ﴿فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا﴾ ’’چنانچہ آج میں کسی انسان سے ہرگز کوئی بات نہ کروں گی‘‘ یعنی آج تو میں کسی سے نہ بولوں گی۔

(5) اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ اگر معجزانہ طریقے سے بچہ پیدا ہوا ہے تو دفاع بھی معجزانہ ہوگا بس تم بچے کی طرف اشارہ کر دو باقی کام وہ کرے گا۔

(6) فرشتے نے انہیں سمجھا دیا تھا کہ بات چیت نہ کرنا تاکہ تم ان کی باتوں سے بچ سکو۔

(7) ان کے ہاں خاموشی ایک مشروع عبادت تھی۔

سوال 3: سیدہ مریم علیہا السلام کو اپنی طرف سے اس معاملے کی نفی کے سلسلے میں لوگوں سے گفتگو نہ کرنے کا حکم کس حکمت کے تحت دیا گیا؟

جواب: (1) سیدہ مریم علیہا السلام کو اپنی طرف سے اس معاملے کی نفی کے سلسلے میں لوگوں سے گفتگو نہ کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ لوگ اس کو تسلیم نہیں کریں گے اور نہ اس میں کوئی فائدہ ہے۔

(2) اور یہ کہ ان کی برأت کا اظہار پنگھوڑے کے اندر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعے سے ہونا ان کی برأت کی سب سے بڑی شہادت بن جائے کیونکہ عورت کا شوہر کے بغیر بچے کو جنم دینا اور پھر اس کا یہ دعویٰ کرنا کہ یہ بچہ کسی مرد کے چھوئے بغیر ہے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سب سے بڑا دعویٰ ہے۔اگر اس دعویٰ کی تائید میں متعدد گواہ بھی موجود ہوں تب بھی اس دعوے کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا اس لیے اس خارق عادت واقعہ کی تائید کے لیے اسی جیسا ایک اور خارق عادت واقعہ پیش آیا اور وہ ہے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی انتہائی چھوٹی عمر میں کلام کرنا۔

﴿فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا﴾

پھر وہ اُس کو اُٹھا کر اپنی قوم کے پاس آئی ،لوگوں نے کہا: ''اے مریم! بلاشبہ تو نے یقیناً بہت بُرا کام کیا'' (27)

سوال: سیدہ مریم علیہا السلام بچے کو لے کر کیسے واپس آگئیں ،اس کی وضاحت ﴿فَاَتَتْ ... تَحْمِلُهٗ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ﴾ ''پھر وہ اُس کو اُٹھا کر اپنی قوم کے پاس آئی'' سیدہ مریم علیہا السلام جب نفاس سے پاک ہوئیں تو اب وہ پر اعتماد تھیں۔

(2) سیدنا جبرائیل علیہ السلام کی باتوں نے ان کے اندر اعتماد پیدا کر دیا تھا کہ جس دن لوگوں کے پاس جائیں تو چپ کا روزہ رکھ لیں ،کسی سے بات نہ کریں ،اس سے ان کی سچائی ثابت ہو جائے گی اور یہ بات ان کی براءت کے لیے کافی ہو جائے گی۔

(3) سیدہ مریم علیہا السلام کو اپنی براءت اور پاک دامنی کا علم تھا اس لیے وہ بچے کو لے کر اہل خاندان کے پاس واپس آگئیں۔

سوال 2: بچے کو دیکھ کر قوم کے اعتراض کی وضاحت ﴿قَالُوْا ... فَرِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوْا﴾ ''لوگوں نے کہا'' لوگوں نے ان کی گود میں ننھا بچہ دیکھ کر باتیں بناتے ہوئے کہا۔

(2) ﴿يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا﴾ ''اے مریم! بلاشبہ تو نے یقیناً بہت بُرا کام کیا'' اے مریم! تو نے یہ کیا کام کیا؟ تیرا خاندان تو پارسائی اور پاک دامنی میں مشہور تھا۔تو نے بہت نازیبا کام کیا۔اس سے ان کی مراد زنا تھا ،حالانکہ وہ اس سے پاک تھیں۔

(3) یہ درست ہے کہ سیدہ مریم علیہا السلام اچھی شہرت والی پاکباز راہبہ تھیں لیکن ایک بچہ اُٹھا کر آئی تھیں اور بچے مرد اور عورت کے ملاپ کے بغیر پیدا نہیں ہوتے اس لیے اُن کے ذہن میں معجزے کی جگہ وسوسے نے لے لی۔

﴿يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا﴾

''اے ہارون کی بہن! نہ تمہارا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تمہاری ماں کوئی بدکار تھی'' (28)

سوال 1: قوم کے لوگوں نے سیدہ مریم کو علیہا السلام کیا طعنے دیئے ،اس کی وضاحت ﴿يٰۤاُخْتَ ... بَغِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا﴾ ''اے ہارون کی بہن! نہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تمہارا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تمہاری ماں کوئی بدکار تھی‘‘ قوم کے لوگوں نے سیدہ مریم علیہا السلام کو برا بھلا کہتے ہوئے کہا۔ اے ہارون کی بہن مریم! تو تو ایسے پاکیزہ اور شریف خاندان کی بیٹی ہے جو عبادت، ریاضت، صلاح وتقویٰ میں مشہور زمانہ تھا۔ افسوس تجھ سے ایسا گندا کام کیسے سرزد ہوگیا۔ (2) یعنی تمہارے والدین اس برائی سے محفوظ تھے۔

(3) سیدہ مریم علیہا السلام کا خاندان نیکی میں ضرب المثل تھا۔ لوگ اس خاندان کی بزرگی کے قائل تھے۔ بعض خاندان نیک اور شریف ہوتے ہیں ان کی اولاد بھی نیک اور شریف ہوتی ہے۔

(4) ہارون قوم میں ایک مصلح اور اثر والے شخص تھے جو فوت ہوئے تو ان کے جنازے میں چالیس ہزار ایسے افراد تھے جن میں ہر ایک کا نام ہارون تھا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ ان کے جنازے میں کتنے افراد ہوں گے۔ (ابن جریر)

سوال 2: سیدہ مریم علیہا السلام کو قوم نے ہارون کی بہن کہہ کر کیوں پکارا ہے؟

جواب: (1) سیدہ مریم علیہا السلام کو ہارون کی بہن اس لیے کہا کہ وہ ایک مصلح اور قوم میں اثر والے آدمی تھے۔

(2) اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سیدہ مریم علیہا السلام کا کوئی حقیقی بھائی تھا جس کی طرف ان کو منسوب کیا گیا۔ وہ انبیاء کے نام پر نام رکھا کرتے تھے۔ یہ ہارون، موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون بن عمران علیہ السلام نہیں ہیں کیوں کہ ان دونوں کے درمیان بہت صدیوں کا فاصلہ ہے۔ (تفسیر سعدی: 1570/2)

سوال 3: سیدہ مریم علیہا السلام کو قوم نے یہ کیوں کہا کہ تم نے اس فعل کا ارتکاب کیوں کیا جس سے تمہارے والدین محفوظ تھے؟

جواب: یہ کہنے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ غائب حالات میں نیکی اور بدی کے معاملے میں اولاد اپنے والدین سے اثر پذیر ہوتی ہے۔ چنانچہ لوگوں کو ان کے دلوں میں جو بات راسخ تھی اس کی وجہ سے تعجب ہوا کہ سیدہ مریم علیہا السلام سے اس فعل کا ارتکاب کیسے ہوگیا۔ (تفسیر سعدی: 1570/2)

﴿فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا﴾

’’مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا: ’’ہم اُس سے کیسے بات کریں جو گود میں ایک بچہ ہے؟‘‘ (29)

سوال: سیدہ مریم علیہا السلام نے لوگوں کے غیظ وغضب کی پروا کیے بغیر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیسے کر دیا، اس کی وضاحت ﴿فَاَشَارَتْ ... صَبِیًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ﴾ ’’مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا‘‘ سیدہ مریم علیہا السلام کی گود میں بچہ دیکھ کر لوگوں کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شک ہوا تو وہ ان پر برس پڑے اور ان پر بدکاری کا الزام لگانے لگے۔ اس دن سیدہ مریم علیہا السلام چپ کے روزے سے تھیں اس لیے انہوں نے اشارے سے سمجھایا۔ سیدہ مریم علیہا السلام کو جو مشورہ فرشتے نے بچے کی پیدائش کے وقت دیا تھا اُنہوں نے اسی کے مطابق بچہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ ﴿اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا﴾ ”یقیناً میں نے رحمٰن کے لیے روزے کی نذر مان رکھی ہے، چنانچہ آج میں کسی انسان سے ہرگز کوئی بات نہ کروں گی۔“ (مریم:26) جس کا یقین لوگوں کو نہیں تھا سیدہ مریم علیہا السلام اس یقین سے لمحہ لمحہ گزر کر آ رہی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور قدرت کو اُنہوں نے لمحہ لمحہ چکھا تھا انہیں اس لیے کسی کی پرواہ نہیں رہ گئی تھی۔

(2) ﴿قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا﴾ ”لوگوں نے کہا: ”ہم اُس سے کیسے بات کریں جو گود میں ایک بچہ ہے“ کیونکہ عام طور پر بچے اس عمر میں بات نہیں کرتے اس لیے انہوں نے غصے سے تلملا کر کہا: بھلا گود کا بچہ کیسے بول سکتا ہے؟ (3) اور ننھا گول مٹول خوب صورت سا بچہ وہ باتیں سن رہا تھا۔

﴿قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛؕ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا﴾

”بچے نے کہا: ”یقیناً میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اُس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے“ (30)

سوال: ننھے منے بچے کے جواب کی وضاحت ﴿قَالَ ... نَبِیًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ”بچے نے کہا“ اس وقت وہ بچہ یعنی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اپنے پنگھوڑے میں سے بول اٹھے۔

(2) ﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ﴾ ”یقیناً میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں“ انہوں نے سب سے پہلے عبودیت کی، غلامی کی بات کی کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے کیونکہ اولاد غلام نہیں ہوا کرتی یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کا غلام سمجھو اس کے سوا میں کچھ اور نہیں ہوں۔

(3) ﴿اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ﴾ ”اُس نے مجھے کتاب دی ہے“ اللہ تعالیٰ نے مستقبل میں انجیل عطا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

(4) ﴿وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا﴾ ”اور مجھے نبی بنایا ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں انبیاء کی صف میں شامل فرمایا ہے۔

(5) یوں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کی پاک دامنی ظاہر فرمائی۔

﴿وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا﴾

”اور اُس نے مجھے برکت والا بنایا جہاں بھی میں ہوں اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں“ (31)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال 1: اللہ تعالیٰ نے مجھے برکت والا بنایا ہے، اس کی وضاحت ﴿وَّجَعَلَنِيْ ... كُنْتُ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ﴾ "اور اُس نے مجھے برکت والا بنایا جہاں بھی میں ہوں" یعنی ہر جگہ، ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے برکت والا بنایا۔ (2) یعنی میں جہاں بھی ہوں خیر اور بھلائی کا معلم ہوں۔ (جامع البیان: 951/16)

(3) اللہ تعالیٰ نے مجھے بھلائی کی تعلیم، بھلائی کی طرف دعوت، شر سے ممانعت، اپنے اقوال و افعال میں اللہ تعالیٰ کی دعوت کی توفیق عطا فرما کر بابرکت بنایا ہے، لہٰذا جو کوئی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی صحبت اختیار کرتا وہ آپ کی برکت اور سعادت سے بہرہ ور ہوتا تھا۔ (تفسیر سعدی: 1571/2)

(4) برکت سے مراد دین میں ثبات بھی ہے۔ ہر چیز میں کامیابی کا مقدر ہونا بھی ہے۔ لوگوں کے لیے نفع مند ہونا بھی ہے۔ لوگوں کو نیکی کی تعلیم دینا اور برائی سے روکنا بھی ہے کیونکہ یہی وہ کام ہیں جن سے جہان والوں کو بھی برکت ملتی ہے۔

سوال 2: مجھے نماز و زکوٰۃ کا حکم ملا ہے، اس کی وضاحت ﴿وَاَوْصٰنِيْ ... حَيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ "اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں" یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے حقوق ادا کرنے کی وصیت کی ہے، جن میں سب سے بڑا حق نماز ہے اور بندوں کے حقوق پورا کرنے کی وصیت کی ہے جن میں سب سے زیادہ جلیل القدر حق زکوٰۃ ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں زندگی بھر یہ کام کرتا رہوں۔ پس میں اپنے رب کا حکم مانتا، اس کی وصیت پر عمل کرتا اور اس کو نافذ کرتا رہوں گا۔ (تفسیر سعدی: 1571/2)

(2) قرآن حکیم میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ملا ہے: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ "اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین آجائے" (الحجر: 99)

(3) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی وضاحت کی ہے کہ مرتے دم تک یہ دونوں کام مجھ پر فرض ہیں۔

﴿وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا﴾

"اور اپنی ماں سے حسنِ سلوک کرنے والا بنایا اور اُس نے مجھے سرکش، بدبخت نہیں بنایا" (32)

سوال 1: ماں کی فرماں برداری کے حکم کی وضاحت ﴿وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَتِيْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَتِيْ﴾ "اور اپنی ماں سے حسنِ سلوک کرنے والا بنایا" سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ وصیت بھی کی ہے کہ میں اپنی والدہ کی اطاعت کروں، ان کی خدمت کروں، احسان کا معاملہ کروں، ان کے حقوق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پورے کروں کیونکہ والدہ کو شرف اور فضیلت حاصل ہے۔ جنم دینے کی بنا پر وہ مجھ پر ولادت کا حق اور دیگر حقوق رکھتی ہیں۔

(2) رب العزت نے قرآن حکیم میں اپنی عبادت اور اطاعت کے بعد والدین کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے۔ ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾ ''اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان دونوں کو ''اُف'' تک نہ کہو اور نہ ہی ان کو جھڑکو اور ان سے عزت والی بات کرو۔'' (بنی اسرائیل:23)

(3) ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ﴾ ''اور ہم نے انسان کو اُس کے والدین کے بارے میں وصیت کی، اُس کی ماں نے دُکھ پر دُکھ اُٹھا کر اُسے اٹھایا اور اُس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے کہ میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی، میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔'' (لقمان:14)

(4) صرف والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے ہوئی۔ اگر باپ ہوتے تو سیدنا یحییٰ علیہ السلام کی طرح ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے ہوتے۔

سوال 2: میں بد بخت نہیں ہوں، اس کی وضاحت ﴿وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا﴾ ''اور اُس نے مجھے سرکش، بد بخت نہیں بنایا'' اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ماں باپ کی خدمت نہ کرنے والا، اطاعت نہ کرنے والا، بد بخت اور سرکش ہوتا ہے۔

(2) یعنی میں اللہ تعالیٰ کے حضور تکبر کرنے والا اور بندوں سے اپنے آپ کو بڑا اور بلند سمجھنے والا نہیں ہوں۔ شَقِيًّا یعنی میں دنیا و آخرت میں بد بخت نہیں ہوں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا اطاعت شعار، اپنے سامنے جھکنے والا، عاجزی اور تذلل اختیار کرنے والا، اللہ کے بندوں کے ساتھ تواضع اور انکساری سے پیش آنے والا اور دنیا و آخرت میں سعادت سے بہرہ مند ہونے والا بنایا۔ مجھے بھی اور میرے پیروکاروں کو بھی۔ (تفسیر سعدی:1572,1571/2)

سوال 3: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے ساری گفتگو ماضی میں کی ہے حالانکہ واقعات کا تعلق مستقبل سے تھا، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے ساری گفتگو ماضی میں کی ہے حالانکہ واقعات کا تعلق مستقبل سے تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فیصلے تھے جو اٹل تھے، ان کا ظاہر ہونا یقینی تھا۔ جیسے ماضی کے واقعات کے ہونے پر یقین ہوتا ہے اسی طرح سے یہ واقعات بھی یقینی معاملات تھے۔

﴿وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا﴾

''اور سلام مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا'' (33)

سوال: میرے لیے کٹھن منزلوں میں بھی سلامتی ہے، اس کی وضاحت ﴿وَالسَّلٰمُ ... حَيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے کمال اور ان کے اوصاف حمیدہ کے بارے میں وضاحت مکمل ہوگئی تو فرمایا: ﴿وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا﴾ ''اور سلام مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا۔''

(2) یعنی یوم ولادت سے لے کر یوم زندگی بعد الموت تک میرے لیے سلامتی ہی سلامتی ہے۔ اس سے بھی آپ کا بندہ اور مخلوق ہونا ثابت ہو رہا ہے کہ آپ دیگر آدمیوں کی طرح عدم سے عالم وجود میں آئے پھر آپ کو موت بھی آئے گی اور پھر قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہوں گے لیکن یہ تینوں مقامات بڑے کٹھن ہیں۔ اس لیے آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کٹھن منزلوں سے بھی میں سلامتی سے گزر جاؤں گا۔ آپ علیہ السلام پر اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو۔ (مختصر ابن کثیر: 1131/2)

(3) یعنی میرے رب کے فضل و کرم سے، جس روز میری ولادت ہوئی، جس روز میں مروں اور جس روز مجھے اٹھایا جائے گا، مجھے ہر قسم کے شر، شیطان اور عذاب سے سلامتی حاصل ہے۔ یہ سلامتی ہر قسم کے خوف، فاجروں کے گھر سے سلامتی اور دار السلام کے مستحق ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ پس یہ ایک عظیم معجزہ اور اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ آپ در حقیقت اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1572/2)

﴿ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ﴾

''یہ ہے عیسیٰ ابن مریم۔ حق کی بات، جس میں وہ شک کرتے ہیں'' (34)

سوال: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، بیٹے نہیں، اس کی وضاحت ﴿ذٰلِكَ ... يَمْتَرُوْنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ﴾ ''یہ ہے عیسیٰ ابن مریم'' اللہ رب العزت نے فرمایا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سچا واقعہ آپ لوگوں کو سنا دیا۔

(2)﴿قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ﴾ ''حق کی بات، جس میں وہ شک کرتے ہیں''یعنی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی یہی صفات ہیں جس میں کوئی شک نہیں۔ یہی قول حق اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ کہا گیا ہے وہ باطل ہے۔

(3) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، بیٹے نہیں۔(i) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی صفات اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔ وہ ان صفات کے حامل نہیں ہیں جن کے بارے میں عیسائیوں نے غلو کیا اور یہودیوں نے کمی کی۔(ii) قول حق کے مقابلے میں لوگوں کی بات شک پر مبنی ہے۔

﴿مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ

''اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ایسا نہیں کہ وہ کوئی اولاد بنائے، وہ پاک ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو یقیناً اس کے لیے

كُنْ فَيَكُوْنُ﴾

کہتا ہے''ہوجا'' تو وہ ہوجاتا ہے''(35)

سوال: اولاد اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں، اس کی وضاحت ﴿مَا كَانَ لِلّٰهِ ... فَيَكُوْنُ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ﴾ ''اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ایسا نہیں کہ وہ کوئی اولاد بنائے''یعنی یہ بات اللہ تعالیٰ کے لائق ہی نہیں، کیونکہ یہ ایک امر محال ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور قابل ستائش ہے۔ وہ تمام مملکتوں کا مالک ہے۔ پس وہ اپنے بندوں اور غلاموں کو کیسے اولاد بنا سکتا ہے؟ (تفسیر سعدی:1572/2)

(2)﴿سُبْحٰنَهٗ﴾ ''وہ پاک ہے'' اللہ تعالیٰ بیٹے، شریک، شبیہ اور نظیر سے پاک ہے۔ (ایسر التفاسیر:864)

(3) اللہ تعالیٰ ہر نقص سے پاک اور مقدس ہے۔(4)﴿اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا﴾ ''جب وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے'' جب بھی وہ کسی معاملے کا ارادہ کرتا ہے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، وہ کام اس کے لیے مشکل نہیں ہوتا۔

(5)﴿فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ ''تو یقیناً اس کے لیے کہتا ہے''ہوجا'' تو وہ ہوجاتا ہے'' جب اس کی قدرت اور مشیت تمام عالم علوی اور سفلی پر نافذ ہے تو اس کی اولاد کیسے ہوسکتی ہے؟ اور جب وہ کسی چیز کے وجود کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے (کن) ''ہوجا'' تب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے وجود میں لانا کون سا مشکل کام ہے؟ (تفسیر سعدی:1573،1572/2)

(6) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ ولادت کا انکار کرنے والے دراصل اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیۡ وَرَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ﴾

''اور یقیناً اللہ تعالیٰ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی چنانچہ تم اس کی عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے'' (36)

سوال: سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں توحید کی تعلیم دی، اس کی وضاحت ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ ... مُّسۡتَقِيۡمٌ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیۡ وَرَبُّكُمۡ﴾ ''اور یقیناً اللہ تعالیٰ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی'' سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارے میں آگاہ فرمایا ہے کہ وہ بھی دوسری مخلوق کی طرح اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔

(2) ماں کی گود میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے توحید کی تعلیم دی کہ میرا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے، اس کی عبادت کرو۔

(3) اسی نے ہمیں پیدا کیا، ہماری صورت گری کی، ہم پر اس کی تدبیر نافذ ہوئی اور ہم میں اس کی تقدیر نے تصرف کیا۔ (تفسیر سعدی: 1573/2)

(4) ﴿فَاعۡبُدُوۡهُ﴾ ''چنانچہ تم اس کی عبادت کرو'' یعنی اس ایک کی اطاعت اور عبادت کرو یعنی عبادت کو صرف اسی کے لئے خالص کرو اور اس کی طرف انابت اور رجوع میں جدوجہد کرو۔ اس میں توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کا اقرار اور توحید ربوبیت کے ذریعے سے توحید الوہیت پر استدلال ہے۔ (تفسیر سعدی: 1573/2)

(5) ﴿هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ﴾ ''یہ سیدھا راستہ ہے'' یعنی یہی اعتدال کا راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے کیونکہ یہ انبیاء و مرسلین اور ان کے متبعین کا راستہ ہے۔ اس کے سوا ہر راستہ گمراہی کا راستہ ہے۔ (تفسیر سعدی: 1573/2)

(6) جس نے سیدھا راستہ پالیا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے مخالفت کی وہ بھٹک گیا اور گڑھے میں جا گرا۔

﴿فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَيۡنِهِمۡ ۚ فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ مَّشۡهَدِ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ﴾

''پھر گروہوں نے اپنے درمیان اختلاف کیا تو ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا ایک بڑے دن کی حاضری سے ہلاکت ہوگی'' (37)

سوال 1: الاحزاب سے کیا مراد ہے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا اختلاف کیا گیا، اس کی وضاحت ﴿فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَيۡنِهِمۡ﴾ کی روشنی میں کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: (1) ﴿فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ﴾ ''پھر گروہوں نے اپنے درمیان اختلاف کیا'' الاحزاب سے مراد یہودیوں اور عیسائیوں کے فرقے ہیں جنہوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا۔

(2) اختلاف یہ تھا کہ وہ ولد زنا یعنی یوسف نجار کے بیٹے ہیں یا ابن اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ پروٹسٹنٹ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ کیتھولک نے کہا: تین میں سے ایک ہیں۔ آرتھوڈوکس نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ (ایسر التفاسیر، فتح القدیر)

(3) جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا حال بیان فرما دیا جس میں کوئی شک اور شبہ نہیں تو آگاہ فرمایا کہ یہود ونصاریٰ اور دیگر فرقے اور گروہ جو گمراہی کے راستے پر گامزن ہیں، اپنے اپنے طبقات کے اختلاف کے مطابق، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں۔ اس بارے میں ایک گروہ افراط اور غلو میں مبتلا ہے تو دوسرا ان کی شان میں تنقیص اور تفریط کرنے والا ہے۔ پس ان میں سے کچھ لوگ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ مانتے ہیں۔ بعض ان کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے ہیں، بعض کہتے ہیں وہ تین میں سے ایک ہیں، بعض ان کو رسول بھی تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ بہتان طرازی کرتے ہیں کہ وہ (معاذ اللہ) ولد زنا ہیں مثلاً یہودی وغیرہ۔ ان تمام گروہوں کے اقوال باطل اور ان کی آراء فاسد ہیں جو شک وعناد، بے بنیاد شبہات اور انتہائی بودے دلائل پر مبنی ہیں۔ اس قبیل کے تمام لوگ انتہائی سخت وعید کے مستحق ہیں۔ (تفسیر سعدی)

سوال 2: عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کافرانہ کلمات کہنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے جو وعید دی ہے، اس کی وضاحت ﴿فَوَيْلٌ ... عَظِيْمٍ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''تو ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا ہلاکت ہوگی'' اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی کتابوں کا انکار کرنے والوں میں یہودی اور عیسائی شامل ہیں جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کافرانہ کلمات کہتے ہیں۔

(2) ﴿مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ ''ایک بڑے دن کی حاضری سے'' سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کرنے والوں کے لیے وہ بڑا دن ہلاکت اور تباہی والا ہوگا۔ وہ دن جب سب انسان اور جن حاضر ہوں گے، جس دن سارے فرشتے حاضر ہوں گے، جس دن سب مخلوقات اللہ تعالیٰ کے آگے حاضر ہوں گی اس دن شرک کرنے والے فرقوں کی بھی پیشی ہوگی۔ یہ زبردست وعید ہے۔

(3) سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تکلیف دہ بات سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں ہے، مشرک کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے اور پھر بھی وہ انہیں معاف کرتا ہے اور انہیں روزی دیتا ہے۔'' (صحیح بخاری: 7378)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(4) سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ظالم کو چند روز دنیا میں مہلت دیتا رہتا ہے لیکن جب پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا'' راوی نے بیان کیا پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾ ''اور تیرے پروردگار کی پکڑ اسی طرح ہے جب وہ بستی والوں کو پکڑتا ہے جو (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہتے ہیں بیشک ان کی پکڑ بڑی تکلیف دینے والی اور بڑی سخت ہے۔''
(ہود:102) (صحیح بخاری:4686)

﴿اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

''کس قدر سننے والے ہوں گے وہ اور کس قدر دیکھنے والے جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے لیکن آج ظالم کھلی گمراہی میں ہیں'' (38)

سوال: کافر قیامت کے دن خوب سننے والے اور خوب دیکھنے والے ہوں گے، اس کی وضاحت ﴿اَسْمِعْ ... مُّبِيْنٍ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا﴾ ''کس قدر سننے والے ہوں گے وہ اور کس قدر دیکھنے والے، جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے'' وہ دن قیامت کا ہوگا جس دن حق کے لیے گونگے، بہرے اور اندھے بنے رہنے والے خوب سنیں گے اور خوب دیکھیں گے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ﴾ ''اور کاش آپ دیکھیں جب مجرم اپنے رب کے پاس سر جھکائے ہوں گے، اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور ہم نے سن لیا چنانچہ ہمیں واپس بھیج دے ہم نیک عمل کریں گے بلاشبہ ہم یقین کرنے والے ہیں۔'' (السجدہ:12)

(2) اس دن وہ اپنے کفر، شرک اور باطل نظریات کا انکار کریں گے۔

(3) ﴿لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''لیکن آج ظالم کھلی گمراہی میں ہیں'' آج کی گمراہیوں کے لیے کل کوئی عذر نہیں ہوگا۔ کوئی حق کو پہچاننے کے باوجود عناد کی بنا پر گمراہ ہے یا حق کو نہ پہچاننے کی وجہ سے بھٹکا ہوا ہے ہر دو صورت میں اپنی گمراہیوں اور بداعمالیوں پر راضی ہے اور حق پہچاننے کی کوشش سے محروم ہے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے حشر کے دن کی زبردست سماعت اور بصارت سے انسانی شعور کو کیسے جھنجوڑا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے انسان کو بڑی حاضری کے دن کا تصور دلا کر احساس دلایا ہے کہ جب ہر چیز سے محروم ہو جاؤ گے، تو کان بھی اچھی طرح سن رہے ہوں گے اور آنکھیں بھی اچھی طرح دیکھ رہی ہوں گی، حالانکہ نہ وہ دیکھنا چاہیں گے اور نہ وہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سننا چاہیں گے یعنی اپنے اختیارات سے محروم ہو جائیں گے اور آج جب کہ اختیار ہے تو اپنی سماعت اور بصارت کو استعمال کر کے حق تک نہیں پہنچتے اور ایسے لگتا ہے کہ دیکھنا اور سننا نہ جانتے ہوں اور گمراہی میں مبتلا ہوں۔

﴿وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ اِذۡ قُضِىَ الۡاَمۡرُ‌ۘ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ وَّهُمۡ

''اور آپ اُن لوگوں کو حسرت کے دن سے ڈرائیں جب معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ غفلت میں ہیں اور وہ

لَا يُؤۡمِنُوۡنَ﴾

ایمان نہیں لاتے''(39)

سوال: حسرت کے دن سے ڈرانے کے حکم کی وضاحت ﴿وَاَنۡذِرۡهُمۡ... لَا يُؤۡمِنُوۡنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿وَاَنۡذِرۡهُمۡ﴾ ''اور آپ اُن لوگوں کو ڈرائیں'' کسی خوفناک معاملے میں، ترہیب کے پہلو سے اس کی صفات بیان کر کے آگاہ کرنا ''انذار'' ہے۔(تفسیر سعدی:1574/2)

(2)﴿يَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ اِذۡ قُضِىَ الۡاَمۡرُ﴾ ''حسرت کے دن سے ڈرائیں جب معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا'' یعنی اے نبی ﷺ! آپ حسرت و ندامت والے دن سے لوگوں کو متنبہ فرما دیں جب جنت و جہنم والوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا اور ہر ایک ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے اپنے ٹھکانے پر چلا جائے گا۔(مختصر ابن کثیر:1134/2)

(3)﴿يَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ﴾ ''حسرت کے دن سے'' وہ معاملہ جس کے بارے میں بندوں کو سب سے زیادہ ڈرایا جانا چاہیے وہ ''حسرت کا دن'' ہے جب فیصلہ کیا جائے گا۔ پس اولین و آخرین ایک ہی جگہ اکٹھے کئے جائیں گے اور ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ پس جو کوئی اللہ پر ایمان لایا اور اس کے رسولوں کی اتباع کرتا رہا تو وہ ابدی سعادت سے بہرہ مند ہو گا اس کے بعد کبھی اسے بدبختی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لایا اور اس کے رسولوں کی پیروی نہ کی تو وہ بدبختی میں پڑے گا اور اس کے بعد نیک بختی اس کے حصے میں نہیں آئے گی اور اس نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈال دیا۔ پس اس وقت حسرت اور ندامت سے دل پارہ پارہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت سے محرومی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور جہنم کے استحقاق سے بڑھ کر کون سی حسرت ہو سکتی ہے، جہاں دوبارہ عمل کرنے کے لئے واپسی ممکن نہ ہو اور دنیا میں دوبارہ آ کر اپنے احوال کے بدلنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔(تفسیر سعدی:1574/2، 1575)

(4) اس سے مراد قیامت کا دن ہے جہاں سبھی حسرت کریں گے بدکار بھی کہ کاش اُنہوں نے بُرائیاں نہ کی ہوتیں اور نیک لوگ بھی کہ کاش اُنہوں نے زیادہ نیکیاں کمائی ہوتیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(5) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن موت ایک چتکبرے مینڈھے کی شکل میں لائی جائے گی۔ایک آواز دینے والا فرشتہ آواز دے گا کہ اے جنت والو! تمام جنتی گردن اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے،آواز دینے والا فرشتہ پوچھے گا،تم اس مینڈھے کو بھی پہچانتے ہو؟ وہ بولیں گے کہ ہاں، یہ موت ہے اوران میں سے ہر شخص اس کا ذائقہ چکھ چکا ہوگا۔ پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا اور آواز دینے والا جنتیوں سے کہے گا: اب تمہارے لیے ہمیشگی ہے،موت تم پر کبھی نہ آئے گی اور اے جہنم والو! تمہیں بھی ہمیشہ اسی طرح رہنا ہے،تم پر بھی موت کبھی نہیں آئے گی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی ﴿وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ﴾ ''اور انہیں حسرت کے دن سے ڈراؤ جب کہ اخیر فیصلہ کر دیا جائے گا اور یہ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں (یعنی دنیا دار لوگ) اور ایمان نہیں لاتے۔'' (بخاری:4730)

(6) ﴿وَهُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ﴾ ''اور وہ غفلت میں ہیں'' یہ سب کچھ انہیں پیش آئے گا مگر ان کی حالت یہ ہے کہ وہ دنیا میں اس عظیم معاملے کے بارے میں غفلت میں پڑے ہوئے ہیں،اس کے بارے میں انہیں کبھی خیال ہی نہیں آیا اور اگر انہیں کبھی خیال آیا بھی ہے تو وہ بھی غفلت میں۔غفلت نے ان کو گھیر رکھا ہے اور مدہوشی ان پر غالب ہے۔(تفسیر سعدی:2/1575,1574)

(7) ﴿اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ يّٰحَسۡرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطۡتُّ فِیۡ جَنۡۢبِ اللّٰهِ وَاِنۡ كُنۡتُ لَمِنَ السّٰخِرِيۡنَ﴾ ''یہ کہ کوئی شخص کہے: ''ہائے افسوس اُس کوتاہی پر جو میں نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں کی اور بلاشبہ میں مذاق اُڑانے والوں میں سے تھا۔''

(الزمر:56)

(8) ﴿وَّهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ﴾ ''اور وہ ایمان نہیں لاتے'' پس وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں نہ اس کے رسولوں کی اتباع کرتے ہیں۔ان کی دنیا نے ان کو غافل کر دیا،ان کے اور ان کے ایمان کے درمیان ختم ہو جانے والی فانی شہوات حائل ہو گئیں۔(تفسیر سعدی:2/1575,1574)

﴿اِنَّا نَحۡنُ نَرِثُ الۡاَرۡضَ وَمَنۡ عَلَيۡهَا وَاِلَيۡنَا يُرۡجَعُوۡنَ﴾ ع 2 25 5

''یقیناً ہم ہی زمین کے وارث ہوں گے اور جو اس پر ہے اور وہ سب ہماری طرف ہی پلٹائے جائیں گے'' (40)

سوال: اللہ تعالیٰ ہی خالق و مالک ہے، اس کی وضاحت ﴿اِنَّا ... يُرۡجَعُوۡنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَرِثُ الۡاَرۡضَ وَمَنۡ عَلَيۡهَا﴾ ''یقیناً ہم ہی زمین کے وارث ہوں گے اور جو اس پر ہے'' یعنی زمین اور اس پر جو کچھ ہے اس کا خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے وہی اس میں تصرف فرماتا ہے۔یہ دنیا اور اس کی تمام

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

چیزیں دنیا والوں کو چھوڑ جائیں گی اور وہ دنیا کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ زمین اور اس کی ہر چیز کا وارث تو اللہ تعالیٰ ہے۔

(2) زمین کی ہر چیز فنا ہو جائے گی اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہے گی۔ کوئی ملکیت کا دعوے دار نہیں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی باقی رہے گا۔ وہی حاکم ہوگا۔

(3) ﴿وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ﴾ ''اور وہ سب ہماری طرف ہی پلٹائے جائیں گے'' اللہ تعالیٰ سب کو اپنی طرف لوٹائے گا اور اعمال کی جزا دے گا لہٰذا جو کوئی نیک عمل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور جو برے اعمال کرتا ہے اسے اپنے نفس کی ملامت کرنی چاہیے۔

(4) انسان کی خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ وہ خود کو مالک سمجھتا ہے۔ اُس کے ملکیت کے نشے کو توڑ کر، محرومی کی زمین پر کھڑا کر کے حسرت میں مبتلا کر کے غفلت کو توڑ کر اللہ تعالیٰ نے انجام کی فکر لگا دی ہے تا کہ لوگ اُس دن کی تیاری کریں جب کہ عمل کرنے کے مواقع ختم ہو جائیں گے۔ (i) انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ شعور دلایا ہے کہ تم خود کو مالک سمجھتے ہو اور اپنے بھی مالک نہیں۔ (ii) جن اشیاء کا تم خود کو مالک سمجھتے ہو اس کا وارث اللہ تعالیٰ ہے۔ (iii) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی مالک نہیں۔ (iv) اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾

''اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کرو، یقیناً وہ بہت سچے نبی تھے'' (41)

سوال 1: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ﴾ ''اور آپ اس کتاب میں ذکر کرو'' اللہ رب العزت نے اپنے نبی ﷺ سے یہ فرمایا ہے کہ آپ ﷺ اس کتاب یعنی قرآن مجید میں ذکر کرو۔

(2) تمام کتابوں میں سب سے زیادہ جلیل القدر، سب سے افضل اور سب سے زیادہ بلند مرتبے والی کتاب، یہ کتاب مبین اور ذکر حکیم یعنی قرآن مجید ہے۔ اگر اس میں خبریں بیان کی گئی ہیں تو یہ خبریں سب سے زیادہ سچی، سب سے زیادہ حق اور سب سے زیادہ نفع مند ہیں۔ اگر اس میں اوامر ونواہی کا تذکرہ ہے تو یہ اوامر ونواہی سب سے زیادہ قدر و قیمت کے حامل اور سب سے زیادہ عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔

(3) اگر اس میں جزا سزا اور وعدے وعید کا ذکر کیا گیا ہے تو وہ سب سے زیادہ سچی خبر اور سب سے زیادہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کے عدل و فضل پر سب سے زیادہ دلالت کرتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(4) اور اگر اس میں انبیاء ومرسلین کا ذکر ہے تو اس میں مذکورہ مقدس ہستیاں دیگر تمام لوگوں سے کامل اور افضل ہیں۔ بناء بریں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیائے کرام کے واقعات بیان کئے ہیں اور ان کا بار بار اعادہ کیا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے لوگوں پر فضیلت عطا کی اور انہیں قدر ومنزلت سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت، اس کی محبت، اس کی طرف انابت، حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے اور اس راستے میں اذیتوں پر صبر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند درجات عطا کئے اور انہیں مقامات فاخرہ اور منازل عالیہ سے نوازا۔

(5) اس سورۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کا ذکر فرمایا اور اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ بھی ان کا ذکر کریں کیونکہ ان کے تذکرے میں اللہ تعالیٰ کی بھی تعریف ہے اور ان کی مدح وستائش کا اظہار اور ان پر اس کے فضل وکرم کا بیان بھی ہے، نیز اس میں ان پر ایمان لانے، ان کے ساتھ محبت کرنے اور ان کی پیروی کرنے کی ترغیب ہے۔ (تفسیر سعدی: 1577,1576/2)

(6) ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ﴾ ''اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کرو'' یعنی اے نبی قرآن کریم میں ذکر کرو ہمارے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا یعنی مشرکوں کو ان کے والد کا قصہ بیان کرو۔

(7) سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ عراق میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بت پرست تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنالیا تھا۔ (8) نبی ﷺ کے بعد تمام انبیاء ومرسلین میں افضل ہیں۔

(9) اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد میں کثیر انبیاء پیدا کیے۔

(10) سیدنا ابراہیم علیہ السلام تمام اصحاب فضیلت گروہوں کے تیسرے باپ ہیں۔

سوال 2: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: (1) سیدنا ابرہیم علیہ السلام کے تذکرے میں بھی رب العزت کی تعریف ہے اور یہ کہ وہ کیسے اللہ تعالیٰ کی مدح وستائش کا اظہار کرتے تھے۔ (2) اس تذکرے میں ان پر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا بیان بھی ہے اور ان پر ایمان لانے اور ان سے محبت کرنے اور ان کی پیروی کرنے کی رغبت بھی دلائی گئی ہے۔

(3) اس تذکرے سے مشرکوں کو یہ سمجھانا مطلوب ہے کہ جن سے تم عقیدت رکھتے ہو اور جن کی اولاد ہونے پر فخر کرتے ہو وہ تو بت شکن تھے اور تم بت پرست ہو۔ یہ کیسی عقیدت ہے کہ سچے نبی کے ساتھ تعلق رکھ کر جھوٹ کی زمین پر کھڑے ہو۔

سوال 3: ابراہیم علیہ السلام کی صفات کی وضاحت ﴿اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا﴾ ''یقیناً وہ بہت سچے تھے'' یعنی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کثیر الصدق تھے اور سچائی کی اعلیٰ حد تک پہنچے ہوئے تھے۔ (ایسر التفاسیر: 866)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(2) صدیق ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنی باتوں، اپنی خبروں اور اپنے وعدوں میں سچا ہو۔ (تفسیر الثعلبی: 21/16)

(3) اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیک وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو صدیقیت اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ صدیق بہت راست باز شخص کو کہا جاتا ہے۔ پس وہ اپنے اقوال، افعال اور احوال میں سچا ہونے کے ساتھ ساتھ ہر اس چیز کی بھی تصدیق کرتا ہے جس کی تصدیق کا اسے حکم دیا جاتا ہے۔ یہ خوبی مستلزم ہے اس عظیم علم کو جو دل کی گہرائیوں تک پہنچتا اور اس پر اثر انداز ہوتا ہے، نیز یقین اور کامل عمل صالح کا موجب ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1577/2)

(4) صدیق وہ ہوتا ہے جس کے قول اور عمل میں مطابقت ہو، جو سچائی کے اعلیٰ مرتبے پر ہو۔ نبوت کے بعد سب سے اعلیٰ مقام صدیقیت کا ہے۔ ہر نبی صدیق ہوتا ہے لیکن ہر صدیق نبی نہیں ہوتا۔

سوال 4: اسلام صدق یا سچائی کو کیا اہمیت دیتا ہے، وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کی ذات حق ہے۔ وہ سب سے بڑی سچائی ہے جس کی وجہ سے کائنات وجود میں آئی۔ اسلام اس سچائی کا اقرار کرنے اور اس کی سچی باتوں پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے کیونکہ اس کی ہر بات سچی، اس کی ملاقات سچی، اس کے رسول سچے، اس کی کتابیں سچی، اس کی تقدیر سچی ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَإِنَّا لَصٰدِقُوْنَ﴾ ”اور یقیناً ہم ہی سچے ہیں۔“ (الانعام: 146)

(2) انسان کے ہر قول اور عمل کی درستگی کی بنیاد یہ ہے کہ اس کے لیے اس کا دل اور اس کی زبان باہم ایک دوسرے سے مطابق اور ہم آہنگ ہوں، اسی کا نام صدق یا سچائی ہے۔ ﴿وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ ”اور جو شخص سچائی لے کر آیا اور اُس نے اُس کی تصدیق کی، یہی لوگ متقی ہیں“ (الزمر: 33) ﴿قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۣ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ”آپ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے، چنانچہ ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو یکسو تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا۔ (آل عمران: 95)

(3) جو سچا نہیں، اس کا دل ہر برائی کا گھر ہو سکتا ہے، اور جو سچا ہے اس کے لیے ہر نیکی کے حصول کا راستہ آسان ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھ میں چار بری خصلتیں ہیں: ایک یہ کہ بدکار ہوں، دوسری یہ کہ چوری کرتا ہوں، تیسری یہ کہ شراب پیتا ہوں، چوتھی یہ کہ جھوٹ بولتا ہوں۔ ان میں سے جس ایک کو فرمائیے، آپ کی خاطر اسے چھوڑ دوں، ارشاد ہوا کہ جھوٹ نہ بولا کرو، چنانچہ اس نے اس کا عہد کیا، اب جب رات ہوئی تو شراب پینے کو جی چاہا، اور پھر بدکاری کے لیے آمادہ ہوا تو اس کو خیال گزرا کہ صبح کو جب نبی ﷺ پوچھیں گے کہ رات تم

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نے شراب پی اور بدکاری کی؟ تو کیا جواب دوں گا اگر ہاں کہوں گا تو زنا اور شراب کی سزا دی جائے گی، اگر ''نہیں'' کی تو عہد کے خلاف ہوگا۔ یہ سوچ کر ان دونوں سے باز رہا۔ جب رات زیادہ گزری اور اندھیرا خوب چھا گیا تو چوری کے لیے گھر سے نکلنا چاہا تو پھر اسی خیال نے اس کا دامن تھام لیا کہ کل پوچھ گچھ ہوئی تو کیا کہوں گا، ہاں کروں گا تو ہاتھ کٹیں گے، اور نہیں کرتا تو بدعہدی ہوتی ہے، اس خیال کے آتے ہی اس جرم سے بھی باز آیا، صبح ہوئی تو وہ دوڑ کر خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! جھوٹ نہ بولنے سے میری چاروں بری خصلتیں مجھ سے چھوٹ گئیں، یہ سن کر نبی ﷺ مسرور ہوئے۔ یہ روایت سند کی رو سے کتنی ہی کمزور ہو، مگر نتیجہ کے لحاظ سے بالکل درست ہے۔ سچائی کی عادت انسان کو بہت سی برائیوں سے بچاتی ہے، جو سچا ہوگا وہ ہر برائی سے پاک ہونے کی کوشش ضرور کرے گا، وہ راست باز ہوگا راست گو ہوگا، وعدہ کو پورا کرے گا، عہد کو وفا کرے گا، دلیر ہوگا، دل کا صاف ہوگا، ریا کار نہ ہوگا، اس کے دل میں نفاق نہ ہوگا، پیچھے کچھ اور سامنے کچھ اس کی شان نہ ہوگی۔ صدق صفات ربّانی میں سے بھی سب سے بڑی صفت ہے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر سچا کون ہوسکتا ہے، قیامت کے وعدہ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ آپ فرماتا ہے: ﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ ''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تم سب کو قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا جس میں کوئی شبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ بات میں سچا اور کون ہے؟'' (النساء:87)

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے انہیں ہم عنقریب جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ ہمیشہ، اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے، اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون بات میں سچا ہے؟'' (النساء:122)

(4) جو لوگ رب پر ایمان لاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے وعدوں کو سچا ہوتے دیکھ کر پکار اٹھتے ہیں ﴿وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا﴾ ''اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول نے سچ کہا اور اُس چیز نے اُن کے ایمان اور اطاعت میں اضافہ ہی کیا۔'' (الاحزاب: 22)

(5) صدق اور سچائی پیغمبروں کا سب سے پہلا وصف ہے کیونکہ ان کی ساری باتیں، دعوے، دلیلیں اور حکم اگر نعوذ باللہ سچائی سے ذرا بھی خالی ہوں تو ان کی پیغمبری اور نبوت کی ساری عمارت دھڑام سے زمین پر گر جائے، اللہ تعالیٰ نے کئی پیغمبروں کو اس صفت سے خاص طور سے موصوف کیا ہے، سب سے پہلے تو خود ملت حنیف کے داعی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

اس سے متصف فرمایا ہے۔﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾ ''اور آپ اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کرو، یقیناً وہ بہت سچے نبی تھے۔'' (مریم:41) ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾ ''اور آپ اس کتاب میں اِدریس کا ذکر کرو، یقیناً وہ سچا نبی تھا۔'' (مریم:56) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ سیدہ مریم علیہا السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ﴾ ''اور اس کی ماں صدیقہ تھی۔'' (المائدہ:75) سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد سے صبر وشکر کا جو وعدہ پورا کیا تو صادق الوعد کہلائے۔﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾ ''اور آپ کتاب میں اسماعیل کا ذکر کرو، یقیناً وہ وعدے کا سچا تھا اور رسول نبی تھا۔'' (مریم:54)

(6) اسلام اور ایمان کے درجے کے بعد مغفرت اور جنت کا وعدہ سچے لوگوں کے ساتھ ہے: ﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ ''یقیناً اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرماں برداری کرنے والے مرد اور فرماں برداری کرنے والی عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے مغفرت اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔'' (الاحزاب:35)

(7) اسلام میں سچائی کی اہمیت اتنی بڑھائی گئی ہے کہ یہی نہیں کہ سچائی اختیار کرنے کا حکم پر حکم دیا گیا ہے بلکہ یہ بھی تاکید آئی ہے کہ ہمیشہ سچوں کا ساتھ دو، سچوں ہی کی جماعت سے تعلق اور رابطہ رکھو، اور ان ہی کی صحبت میں رہو کہ ان کی سچائی کے اثر سے تم بھی سچے رہو، سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھیوں نے جو تبوک کے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ جا سکے تھے ہر قسم کی تکلیفیں سہہ کر جس سچائی کا ثبوت دیا تھا، اس کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔'' (التوبہ:119)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(8) اسلام کی نگاہ میں سچائی سے مراد صرف قول کی سچائی نہیں، نیت اور ارادے کی سچائی، عزم اور اس کو پورا کرنے میں سچائی، عمل میں سچائی، دین داری کے مقامات اور مراتب میں سچائی یعنی زبان، دل اور عمل کی سچائی بھی ہے۔

﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَ لَا يُبْصِرُ وَ لَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا﴾

"جب اُس نے اپنے باپ سے کہا: "اے میرے اباجان! آپ اس کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کے کچھ بھی کام آسکتا ہے؟" (42)

سوال: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو بتوں کی پوجا سے کیسے منع کیا، اس کی وضاحت ﴿اِذْ قَالَ... شَيْـًٔا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ﴾ "جب اُس نے اپنے باپ سے کہا" جب ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی پوجا سے منع کرتے ہوئے اپنے باپ آزر سے کہا۔

(2) ﴿يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا﴾ "اے میرے اباجان! آپ اس کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ آپ کے کچھ بھی کام آسکتا ہے؟" آپ ایسی چیز کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنے، نہ دیکھے، جو دوسرے حیوانات سے بھی کم تر درجے کی ہو، جو کسی نفع و نقصان کی مالک نہ ہو یعنی انسان تو اسی کے آگے سر جھکا سکتا ہے جو انسان سے اعلیٰ ہو زیادہ علم اور قوت والا ہو جو انسان کو فائدہ پہنچا سکے۔

(3) یعنی آپ ان بتوں کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو اپنی ذات اور افعال میں ناقص ہیں، جو سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں، جو اپنے عبادت گزار کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، بلکہ وہ خود اپنے آپ کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے اور نہ اپنی ذات سے کوئی چیز دور ہٹانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ پس یہ اس حقیقت پر ایک روشن دلیل ہے کہ ایسی ہستی کی عبادت کرنا، جو اپنی ذات اور اپنے افعال میں ناقص ہے، عقل اور شرع کے اعتبار سے قبیح ہے۔ اس کی تنبیہ اور اس کا اشارہ دلالت کرتا ہے کہ عبادت صرف اسی ہستی کی واجب اور مستحسن ہے جو کمال کی مالک ہے، جس کے سوا بندے کہیں سے نعمتیں حاصل نہیں کر سکتے، جس کے سوا کوئی اور ہستی ان سے کوئی تکلیف دور نہیں کر سکتی اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات۔ (تفسیر سعدی: 1577/2)

﴿يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ

"اے میرے اباجان! بلاشبہ میرے پاس یقیناً وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا چنانچہ آپ میرے پیچھے چلیں،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿صِرَاطًا سَوِيًّا﴾

میں آپ کو سیدھے راستے پر لے جاؤں گا'' (43)

سوال 1: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو اپنی پیروی کرنے کی جو دعوت دی، اس کی وضاحت ﴿يَاأَبَتِ...سَوِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿يَاأَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ﴾ ''اے میرے اباجان! بلاشبہ میرے پاس یقیناً وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی معرفت، اللہ تعالیٰ کے یقین، بعث بعد الموت اور مشرکوں کے لیے دائمی عذاب کے علم کا تذکرہ اپنے والد سے کیا۔ (2) یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ علم دیا جو آپ کو نہیں دیا۔ (3) ﴿فَاتَّبِعْنِي﴾ ''چنانچہ آپ میرے پیچھے چلیں'' یعنی میں جس چیز کی آپ کو دعوت دیتا ہوں اس پر میرا اعتقاد ہے اور میں اس پر عمل پیرا ہوں لہٰذا اس میں میری اطاعت کریں۔ (4) یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی پیروی کریں۔ (تفسیر سمرقندی: 394/2) (5) ﴿أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا﴾ ''میں آپ کو سیدھے راستے پر لے جاؤں گا'' اور وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس تنہا کی عبادت کرنا ہے۔ (6) سیدنا ابراہیم علیہ السلام چاہتے تھے کہ وہ ہمیشہ کی سعادت اور کامیابی حاصل کریں۔ یہ ایک نبی کی پیروی کے بغیر ممکن نہ تھا اس لیے اُنہوں نے اپنی پیروی کی دعوت دی تا کہ وہ سیدھے راستے پر چلیں۔

(7) یعنی سیدھا اور معتدل راستہ اور وہ ہے اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تمام احوال میں اس کی اطاعت کرنا۔ اس خطاب میں جو لطف و کرم اور جو نرمی ہے وہ مخفی نہیں۔ آپ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا: اباجان میں عالم ہوں اور آپ جاہل ہیں یا آپ کے پاس کوئی علم نہیں۔ آپ علیہ السلام نے اس پیرائے میں گفتگو فرمائی: میرے پاس اور آپ کے پاس علم ہے مگر جو علم مجھ تک پہنچا ہے وہ آپ تک نہیں پہنچا، اس لئے آپ کے لئے مناسب یہی ہے کہ آپ دلیل کی پیروی کریں اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ (تفسیر سعدی: 1578،1577/2)

سوال 2: کیا بیٹا اپنے باپ کا احتساب کر سکتا ہے؟ قریبی رشتہ داروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے میں رسول اللہ ﷺ کا اسوہ ہماری کیا راہ نمائی کرتا ہے؟

جواب: (1) اگر یہ کہا جائے کہ جس طرح باپ اپنے بیٹے کا، شوہر اپنی بیوی کا، استاد اپنے شاگرد کا، آقا اپنے غلام کا اور بادشاہ اپنی رعایا کا بہر صورت احتساب کر سکتا ہے۔ کیا احتساب کی یہ ولایت باپ پر بیٹے کو، شوہر پر بیوی کو، استاد پر شاگرد کو، آقا پر غلام کو اور بادشاہ پر رعایا کو بھی حاصل ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ان افراد کے لیے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی اصل ولایت ثابت کرتے ہیں لیکن تفصیلات میں قدرے اختلاف ہے۔(احیاء العلوم:508/2)

(2)رب العزت نے گھر والوں کو آگ سے بچانے کا حکم دیا ہے:﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارٗا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلۡحِجَارَةُ عَلَيۡهَا مَلَٰٓئِكَةٌ غِلَاظٞ شِدَادٞ لَّا يَعۡصُونَ ٱللَّهَ مَآ أَمَرَهُمۡ وَيَفۡعَلُونَ مَا يُؤۡمَرُونَ﴾ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس پر تند مزاج، سخت گیر فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے، اور اُنہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں۔“(التحریم:6)

(3)سیدنا قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے (اہل کو آگ سے بچانے) کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ انہیں اطاعت الٰہی کا حکم دے، اس کی نافرمانی سے منع کرے، ان سے احکام الٰہیہ کی پابندی کروائے، اور اس سلسلے میں ان کے ساتھ تعاون کرے، اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا کوئی کام کریں تو انہیں اس سے روک دے، اور اس پر جھڑک دے۔(تفسیر طبری:107/28)

(4)علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق اہل کو جہنم کی آگ سے بچانے کا معنی یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر لگائے رکھے اور اپنے ذمہ فرائض کے ادا کرنے کا پابند کرے۔(البحر المحیط:287/8)

(5)حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ تفسیر کے مطابق اپنی جانوں کو عذاب سے بچانے کی صورت یہ ہے کہ اوامر الٰہیہ کی تکمیل کرے اور اس کی ممنوعہ باتوں سے دور رہے، اور اہل کو عذاب سے بچانے کی صورت یہ ہے کہ انہیں نیک اعمال کرنے کا حکم دیا جائے اور برے کاموں سے منع کیا جائے۔(زاد المسیر:312/8)

(6)رب العزت کے یہاں حق کے معاملے میں رشتہ داروں کا لحاظ نہیں ہوگا۔﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُونُواْ قَوَّٰمِينَ بِٱلۡقِسۡطِ شُهَدَآءَ لِلَّهِ وَلَوۡ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمۡ أَوِ ٱلۡوَٰلِدَيۡنِ وَٱلۡأَقۡرَبِينَۚ إِن يَكُنۡ غَنِيًّا أَوۡ فَقِيرٗا فَٱللَّهُ أَوۡلَىٰ بِهِمَاۖ فَلَا تَتَّبِعُواْ ٱلۡهَوَىٰٓ أَن تَعۡدِلُواْۚ وَإِن تَلۡوُۥٓاْ أَوۡ تُعۡرِضُواْ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُونَ خَبِيرٗا﴾ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! انصاف پر پوری طرح قائم رہنے والے اور اللہ تعالیٰ کے لئے گواہی دینے والے بنو، اگرچہ تمہاری اپنی جانوں کے یا والدین کے اور رشتے داروں کے خلاف ہو، اگر کوئی مال دار ہے یا فقیر، تو اللہ تعالیٰ ان دونوں سے زیادہ حق دار ہے، چنانچہ خواہشِ نفس کی اتباع نہ کرو کہ تم عدل کرو اور اگر تم زبان کو پیچ دو یا پہلو تہی کرو تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے جو تم عمل کرتے ہو اس سے پوری طرح باخبر ہے۔“(النساء:135)

(7)غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں تحریر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے والدین اور رشتے داروں کے خلاف گواہی دینے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سے مراد یہ ہے کہ انہیں نیکی کا حکم دیا جائے۔(احیاء علوم الدین:307/2)

(8) شیخ ابن داؤد صالحی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں لکھا ہے کہ یہ آیت واضح طور پر (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کے وجود پر دلالت کناں ہے، اگر چہ اس کا تعلق ماں باپ اور رشتے داروں سے کیوں نہ ہو۔(الکنز الاکبرفی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر:47/1)

(9) رب العزت نے فرمایا:﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کے لیے خوب قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنادے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ، جو بھی تم عمل کرتے ہو یقیناً اللہ تعالیٰ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔''(المائدہ:8)

(10) علامہ محمد جمال الدین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کریمہ کی تفسیر میں بعض مفسرین کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور انصاف کے ساتھ ڈٹے رہنے کی فرضیت پر دلالت کناں ہے، اور اسی میں عدل وانصاف کے ساتھ گواہی دینا، فیصلہ کرنا اور فتویٰ دینا شامل ہے۔ اسی طرح حق بات کہنے کے فریضہ میں کسی دشمن یا دوست کی وجہ سے کوتاہی نہ کی جائے اور نہ ہی خواہش کی پیروی کی جائے۔(قاسمی:117/6)

(11) علامہ ابن حیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا ہے: اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس شخص کی عزت اور تکریم کا حکم دیا گیا ہے، صراط مستقیم سے ہٹنے کی صورت میں اس کا بھی احتساب کیا جائے گا۔(البحر المحیط:169/4)

(12) اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعوت کی) ابتدا سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ سے کی اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہائش پذیر تھے، یہ لوگ ایمان لا کر باقی لوگوں پر سبقت لے گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے باقی تمام لوگوں کو دعوت دی، پھر اہل عرب کو، اور پھر غلاموں کو۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے (بھی) دعوت کی ابتدا اپنے باپ اور قوم سے کی۔(دعوۃ الرسل الی اللہ:43)

(13) شیخ احمد عدوی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے احتساب کے واقع سے مستفید باتیں بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے: اللہ تعالیٰ ہمیں یہ بتلا رہے ہیں کہ اس کے نبی سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے باپ اور اپنی قوم کو بتوں کی پرستش کرتے دیکھا تو احترامِ باپ ان کے احتساب کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو واضح فرما دیا کہ باپوں کے ادب کا معنی یہ نہیں کہ انہیں غلط کام کرتے رہنے دیا جائے۔ اگر ان کا احتساب ان کے ناراض ہونے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا سبب بنتا ہے تو (کچھ پرواہ نہیں کیونکہ) یہی طرزِ عمل رضائے الٰہی کے حصول کا باعث ہے، اور اللہ تعالیٰ کا حق باپوں کے حق سے زیادہ ہے۔ شیخ ابوبکر الجزائری رحمہ اللہ نے قلم بند کیا: ان آیات سے حاصل ہونے والی ہدایت کی باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مشرکوں کو شرک پر ٹوکا جائے، اور ان سے موافقت نہ کی جائے اگرچہ وہ (شرک کا ارتکاب کرنے والا) انتہائی قریبی رشتے دار کیوں نہ ہو۔ (ایسر التفاسیر:625/1)

(14) باپ کے احتساب کی حکمت بیان کرتے ہوئے شیخ محمد احمد عدوی نے تحریر کیا ہے: یقیناً باپ اپنے بچے کی تربیت کے ذریعے اور اس کو دیگر نعمتیں مہیا کر کے اس پر کمال احسان کرتا ہے اور مناسب بات یہ ہے کہ اس کے اس احسان کا بدلہ چکایا جائے اور باپ کے ساتھ سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس کو ایسی بات کی دعوت دی جائے جس میں اس کی سعادت ہو اور اس کو جہنم کی آگ سے بچانا ہو۔ (دعوت الرسل الی اللہ:44)

(15) شیخ عمر سنامی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے: اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ماں یا باپ (کے تقدس اور مقام و مرتبہ) کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتے کیونکہ اس بارے میں نصوص سب کے احتساب کو شامل ہیں۔ علاوہ ازیں احتساب تو محتسب علیہ کے فائدے کے لیے ہے اور اولاد کی نفع رسانی کے لیے سب سے زیادہ حق دار والدین ہیں۔ (نصاب الاحتساب:89)

(16) سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے اپنے باپ کو دعوت دینے کے فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی قوم پر اتمام حجت ہو جائے اور ان میں سے کوئی یہ کہنے کی جسارت نہ کر سکے کہ جب وہ اپنے قرابت داروں کو گمراہی سے نکلنے کی دعوت نہیں دے رہا تو پھر ہمیں کیوں دعوت دیتا ہے؟ اگر اس کی دعوت سچی ہے تو کیا یہ مناسب نہیں کہ دعوت میں، قریبی اور اجنبی میں فرق روا نہ رکھا جائے؟ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے اس عذر کی بیخ کنی کی خاطر اپنے باپ کو اس طرح صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا جس طرح کہ انہیں دیا۔ (دعوۃ الرسل:44)

(17) شیخ عدوی نے یہ بھی لکھا ہے: شاید اسی حکمت کی بنا پر ہمارے نبی کریم ﷺ کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ وہ اپنی قوم کو ڈرانے سے پہلے اپنے قرابت داروں کو ڈرائیں۔ چنانچہ جب نبی ﷺ نے اعلان حق کیا تو اپنے اقارب کو جمع کرنا اور ڈرانا شروع کیا۔ آپ نے ان پر واضح کر دیا کہ انہوں نے آپ کی نافرمانی کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے سلسلے میں ان کے کسی کام نہ آسکیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔ اے رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی صفیہ! میں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کے کسی کام نہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

آؤں گا۔اے فاطمہ بنت محمد ﷺ! میرے مال میں سے جو چاہو مجھ سے طلب کرلو لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔" (دعوۃ الرسل:44)

(18) ﴿وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾ "اور آپ کے رب نے فیصلہ کردیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان دونوں کو "اُف" تک نہ کہو اور نہ ہی ان کو جھڑکو اور ان سے عزت والی بات کرو۔" (بنی اسرائیل:23)

(19) ﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ "اور اگر وہ دونوں تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی کو شریک کرے جس کا تجھے علم بھی نہیں پھر اُن دونوں کی اطاعت نہ کرنا اور دنیا میں اُن دونوں کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو اور اُس کے راستے پر چلو جس نے میری طرف رجوع کیا، پھر میری طرف ہی تمہارا پلٹنا ہے تو میں تمہیں بتادوں گا جو کچھ تم عمل کیا کرتے تھے۔" (لقمان:15)

(20) ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ "اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیں اور اُن سے اس طریقے سے بحث کریں جو زیادہ اچھا ہو یقیناً آپ کا رب اُن کو زیادہ جانتا ہے جو اُس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے۔" (النحل:125)

(21) والدین سے متعلقہ برائی کا ہاتھ سے بدلنا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے، پس اگر (اس کی) طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے (بدل دے)، پس اگر (اس کی بھی) استطاعت نہ ہو تو اپنے دل سے برا جانے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔" (صحیح مسلم:95)

(22) یہ کہا جاسکتا ہے کہ کتاب وسنت میں امر بالمعروف کا حکم مطلقاً وارد ہوا ہے اس میں کسی طرح کی کوئی تخصیص موجود نہیں ہے اور والدین کو ایذا رسانی سے منع کرنے کا حکم مخصوص ہے مگر اس وقت کے لیے ہے جب کہ وہ کسی منکر میں مبتلا نہ ہو۔ یعنی بیٹے کا یہ حق نہیں ہے کہ اگر اس کا باپ کسی منکر میں مبتلا ہو تو وہ ڈانٹ ڈپٹ یا مار پیٹ کے ذریعے سے اسے اس منکر سے باز رکھ سکے۔ جلاد کے لیے حد زنا میں اپنے باپ کو قتل کرنا اور اجراء حد کی کارروائیوں میں براہ راست

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شریک ہونا جائز نہیں ہے۔ مسلمان بیٹے کا کافر باپ کے قتل میں شریک ہونا بھی جائز نہیں ہے۔ باپ کا حق یہاں تک ہے کہ اگر وہ اپنے بیٹے کا ہاتھ کاٹ دے تو اس کا قصاص نہیں ہوگا۔ بیٹے کے لیے تو یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ کو کٹے ہوئے ہاتھ کے بدلے کوئی ایذا پہنچائے۔ اس سلسلے میں متعدد روایات ہیں اور بظاہر اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

(23) رشتے داروں کو ڈرانے کا حکم: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ ''اور آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیں۔'' (الشعراء:214)

(24) رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل: دعوتِ طعام پر کنبے والوں کو ڈرانا: جب یہ آیت ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ نازل ہوئی، تو نبی ﷺ نے اپنے کنبے کے لوگوں کو جمع فرمایا، ان کی تعداد تیس ہوگئی، وہ کھا پی چکے تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ''میرے دین اور وعدوں کی ضمانت دے کر کون جنت میں میرا ساتھی اور میرے کنبے میں میرے بعد میرا جانشین ہوگا؟'' ایک شخص نے کہا: شریک (یعنی حدیث کے راوی) نے اس کا نام ذکر نہیں کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ تو (جود وسخاوت کے) سمندر ہیں، اس ذمہ داری کو کون سر انجام دے سکتا ہے؟ انہوں (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) نے بیان کیا: ''پھر ایک دوسرے شخص نے (کچھ) گفتگو کی۔ نبی ﷺ نے اسی بات کی پیش کش اپنے گھر والوں پر فرمائی، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں (یعنی میں آپ کی پیش کش قبول کرنے کے لیے حاضر ہوں)۔ (مسند احمد:883)

(25) کوہ صفا پر جب آیت کریمہ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ نازل ہوئی تو نبی ﷺ (کوہ) صفا پر تشریف لے گئے اور پکارنے لگے: اے بنو فہر! اے بنو عدی! قریش کے مختلف قبیلوں کے نام لے کر انہیں بلانا شروع کیا، یہاں تک کہ وہ جمع ہو گئے۔ جو شخص خود نہ جا سکا اس نے اپنا قاصد بھیجا تا کہ وہ صورت حال سے آگاہ ہو۔ ابولہب اور قریش (کے دیگر لوگ) پہنچ گئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اس وادی میں موجود گھڑ سواروں کی ایک جماعت تم پر غارت گری کا ارادہ کر رہی ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟'' انہوں نے جواب دیا: ہاں، آپ کے بارے میں ہمارا تجربہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ سچ بولا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً میں تمہیں شدید عذاب کی آمد سے پہلے ڈرانے والا ہوں۔'' ابولہب نے کہا: سارا دن تیری تباہی ہو، کیا تو نے اسی مقصد کی خاطر ہمیں جمع کیا ہے؟ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ ''ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور وہ نامراد ہوا۔'' (لہب:1)(بخاری:477)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا﴾

''اے میرے ابا جان! آپ شیطان کی عبادت نہ کریں، یقیناً شیطان ہمیشہ سے رحمٰن کا بڑا نافرمان ہے۔'' (44)

سوال: بت پرستی چھوڑ دیجیے، ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت کی وضاحت ﴿يٰٓاَبَتِ ... عَصِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ﴾ ''اے میرے ابا جان! آپ شیطان کی عبادت نہ کریں'' یعنی شیطان کی دعوت قبول نہ کرو۔

(2) سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو بت پرستی سے روکنے کے لیے کہا کہ شیطان کی یعنی بتوں کی بندگی نہ کریں کیونکہ شیطان ہی بت پرستی سے خوش ہوتا ہے اور وہی شرک پر آمادہ کرتا ہے۔

(3) جو کوئی شیطان کی اطاعت کرتا ہے وہ اس کی عبادت کرتا ہے۔ (سمرقندی: 394/2)

(4) شیطان کی عبادت سے مراد اس کی بتائی ہوئی چیزوں کی عبادت ہے۔ انسان کے اندر فطری طور پر یہ جذبہ رکھ دیا گیا ہے کہ وہ کسی کو بڑا درجہ دے کر اپنی محبت وعقیدت کے جذبات اس پر نچھاور کر دے۔ انسان کی محبتوں کا اصل مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے مگر شیطان طرح طرح سے انسان کے ذہن کا رُخ پھیر دیتا ہے اس طرح وہ انسان کو مشرک بنانے کی کوشش کرتا ہے اور انسان وہ جذبے اور توجہ جو رب کو دینی چاہیے غیر اللہ کو دے دیتا ہے۔

(5) ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا﴾ ''یقیناً شیطان ہمیشہ سے رحمٰن کا بڑا نافرمان ہے'' شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے، اپنے رب کی عبادت سے تکبر کرتا ہے۔ جو اس کی اطاعت کرتا ہے اس کو شیطان اغوا کر لیتا ہے۔ (قرطبی: 111/11)

(6) پس جو کوئی شیطان کے نقش قدم کی پیروی کرتا ہے وہ شیطان کا دوست اور شیطان کی مانند اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے۔ یہاں نافرمانی کو اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک (رحمٰن) کی طرف مضاف کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نافرمانیاں بندے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کر دیتی ہیں اور اس پر رحمت کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، رحمت الٰہی کے حصول کا سب سے بڑا سبب ہے۔ (تفسیر سعدی: 1578/2)

(7) ﴿اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ ''اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تمہیں تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرو یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔'' (یٰسین: 60)

(8) ﴿تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ''اللہ تعالیٰ کی قسم! بلا شبہ یقیناً آپ سے پہلے بھی بہت سی اُمتوں کی طرف ہم نے رسول بھیجے۔ پھر

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

شیطان نے ان کے لیے ان کے اعمال کو خوش نما بنا دیا، چنانچہ پھر وہی آج ان کا سرپرست ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' (النحل:63)

﴿يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا﴾

''اے میرے ابا جان! یقیناً میں ڈرتا ہوں کہ آپ کو رحمٰن کا کوئی عذاب پکڑ لے پھر آپ شیطان کے ساتھی ہو جائے'' (45)

سوال: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو شیطان کی دوستی سے کیسے روکا، اس کی وضاحت ﴿يٰٓاَبَتِ... وَلِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ﴾ ''اے میرے ابا جان! یقیناً میں ڈرتا ہوں کہ آپ کو رحمٰن کا کوئی عذاب پکڑ لے'' ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا کہ آپ کے کفر کی وجہ سے مجھے ڈر لگتا ہے اور آپ کی سرکشی کی وجہ سے مجھے خوف آتا ہے۔

(2) ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو شیطان کی دوستی سے روکنے کے لیے کہا کہ مجھے خوف ہے کہ جس شیطان کے وسوسے سے آپ بتوں کی پوجا کرتے ہیں وہ دراصل اس شیطان کی پرستش ہے جو رحمان کا نافرمان ہے۔ وہ دوسروں کو اپنے جیسا بننے میں مدد دیتا ہے۔ اگر آپ نے اس کی بندگی کی اور آپ کو موت آ گئی تو شیطان کے ساتھی بن جائیں گے اور ہمیشہ کے لیے اپنے آپ کو ٹھکرا دیا جائے گا۔

(3) یہاں خوف سے مراد علم ہے جیسے خشیت علم کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا﴾ ''چنانچہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں پھنسا دے گا۔'' (الکہف:80)

(4) ﴿فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا﴾ ''پھر آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں'' یعنی دنیا اور آخرت میں شیطان کی دوستی کی وجہ سے آپ شرک اور بتوں کی عبادت کریں اور مذموم مقام پر پہنچ جائیں۔ یوں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو آسان راستہ بتایا کہ آپ میری اطاعت کریں تو میں سیدھے راستہ کی طرف راہ نمائی کروں گا اور شیطان کی عبادت نہ کریں، اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے اور شیطان آپ کا دوست بن جائے گا۔

﴿قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ

باپ نے کہا: ''اے ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں سے بے رغبتی کرنے والے ہو؟ یقیناً اگر تم باز نہ آئے تو میں ضرور تمہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا﴾

سنگسار کر دوں گا اور تم مجھے چھوڑ دو کہ تم صحیح سالم حال میں ہو'' (46)

سوال: مشرک والد نے اپنے توحید پرست بیٹے کی محبت بھری دعوت کا جو جواب دیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ... مَلِیًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ''باپ نے کہا'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو رد کرتے ہوئے ان کے والد نے جواب دیا۔

(2) ﴿اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰٓاِبْرٰهِیْمُ﴾ ''اے ابراہیم علیہ السلام! کیا تم میرے معبودوں سے بے رغبتی کرنے والے ہو؟'' اے ابراہیم علیہ السلام! کیا تم بتوں کی عبادت سے بے زار ہو؟ وہ ابراہیم کو بتوں کی عبادت نہ کرنے پر ملامت کرنے لگا۔

(3) ﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ﴾ ''اگر تم باز نہ آئے'' اگر تم میرے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے اور مجھے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلانے سے باز نہ آئے۔

(4) ﴿لَاَرْجُمَنَّكَ﴾ ''تو میں ضرور تمہیں سنگسار کر دوں گا'' کہ میں تمہیں بدترین سزا دوں گا یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دوں گا۔

(5) ﴿وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا﴾ ''اور تم مجھے چھوڑ دو کہ تم صحیح سالم حال میں ہو'' یعنی بہتر یہ ہے کہ گھر سے نکل جاؤ، مجھ سے لمبے عرصے بات نہ کرو۔

(6) اسلام انسان کو مہذب بنا دیتا ہے۔ اسلامی تہذیب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی نرمی، بھلائی، محبت اور ادب میں نظر آتی ہے۔ کافرانہ رویہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد میں جلوہ گر نظر آتا ہے۔ غصہ ہے، سختی ہے، سنگدلی ہے، شر ہے، بھلائی سے نفرت ہے، دھمکی ہے، ارادہ قتل ہے، جھگڑا ہے۔ یوں ہی کفر انسان کو برباد کر دیتا ہے۔

﴿قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ

''اُس نے کہا: ''آپ پر سلام ہو! میں ضرور ہی اپنے رب سے آپ کے لیے بخشش کی دُعا کروں گا، یقیناً وہ مجھ پر

حَفِیًّا﴾

ہمیشہ سے بہت مہربان ہے'' (47)

سوال: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مشرک باپ کے ارادہ قتل اور دھمکی پر جو جواب دیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ... حَفِیًّا﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ﴾ ''اُس نے کہا'' سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو رحمٰن کے بندوں کی طرح تحمل سے، انتہائی نرمی، محبت، بھلائی اور ادب سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

(2)﴿سَلٰمٌ عَلَيْكَ﴾ ''آپ پر سلام ہو!'' یعنی آپ میری گفتگو میں ناگوار باتوں سے محفوظ رہیں گے۔ میں گھر سے چلا جاؤں گا، آپ سلامت رہیں۔ یہ سلام تحیہ نہیں تھا جو کہ مسلمان ایک دوسرے کو کرتے ہیں بلکہ بات کو ختم کرنا تھا۔

(3) یعنی آپ میرے خطاب میں سب وشتم اور ناگوار باتوں سے محفوظ رہیں گے۔(تفسیر سعدی:1579/2)

(4)﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ ''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی اور عاجزی سے چلتے ہیں اور جب جاہل اُن سے بات کریں تو کہہ دیتے ہیں سلام ہو۔'' (الفرقان:63)

(5)﴿سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ﴾ ''میں ضرور ہی اپنے رب سے آپ کے لیے بخشش کی دُعا کروں گا'' میں اپنے رب سے آپ کے لیے مغفرت اور ہدایت کی دعا کرتا رہوں گا۔

(6) یہ دُعا سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس دور میں کی تھی جب کہ دُعائے مغفرت کی ممانعت کا حکم نہیں آیا تھا جب انہیں یہ علم ہوا تو اُنہوں نے دُعا مانگنی چھوڑ دی۔ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (۱۱۳) وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (۱۱۴)﴾ ''نبی کو اور جو لوگ ایمان لائے کبھی جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دُعا کریں خواہ وہ رشتہ دار ہوں اس کے بعد کہ ان کے لیے واضح ہو چکا کہ یقیناً وہ دوزخ والے ہیں اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا صرف اس وعدے کے سبب تھا جو اُس نے اپنے باپ سے کیا تھا چنانچہ جب اُس کے لیے واضح ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہو گیا، بے شک ابراہیم یقیناً بڑا نرم دل، بڑا بردبار تھا۔'' (التوبہ:114,113)

(7)﴿اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا﴾ ''یقیناً وہ مجھ پر ہمیشہ سے بہت مہربان ہے'' میرا رب مجھ پر بہت مہربان ہے اس نے مجھے اخلاص کے ساتھ عبادت کی توفیق عطا فرمائی۔ وہ میری دعا رد نہیں کرے گا کیونکہ وہ میرے حال پر بہت رحیم اور مہربان ہے اور مجھے اپنے سایہ اعتناء میں رکھتا ہے۔ پس سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دے دے گا، اپنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باپ کے لئے استغفار کرتے رہے، پھر جب آپ پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور اس کے لئے استغفار کرنا اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا تو اس لئے مغفرت کی دعا کرنا چھوڑ دی اور اس سے برأت کا اظہار کر دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں ملت ابراہیم کی اتباع کا حکم دیا ہے اور ان کی ملت کی پیروی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے میں ہم آپ کی راہ پر گامزن ہوں اور علم وحکمت اور نرم رویہ اپنائیں۔ دعوت الی اللہ میں تدریج اور ترتیب کا طریقہ اختیار کریں، اس پر صبر کریں اور اس سے ہرگز نہ اکتائیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے کو، لوگوں کی طرف سے، جن قولی اور فعلی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان پر صبر کرے اور عفو ودرگزر، قولی اور فعلی حسن سلوک کے ساتھ ان اذیتوں کا مقابلہ کرے۔ (تفسیر سعدی: 1579/2)

﴿وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ

''اور میں تم سے بھی کنارہ کشی کرتا ہوں اور ان سے بھی جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا تم پکارتے ہو۔ اور میں اپنے رب کو پکارتا ہوں،

بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا﴾

اُمید ہے کہ میں اپنے رب کو پکارنے میں نامراد نہیں ہوں گا'' (48)

سوال 1: سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے کیا کہا، اس کی وضاحت ﴿وَاَعْتَزِلُكُمْ ... رَبِّيْ شَقِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے کہا۔ ﴿وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ''اور میں تم سے بھی کنارہ کشی کرتا ہوں اور ان سے بھی جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا تم پکارتے ہو'' یعنی میں آپ سے اور آپ کے دیوی دیوتاؤں سے اظہار بیزاری کرتا ہوں۔

(2) ﴿وَاَدْعُوْا رَبِّيْ﴾ ''اور میں اپنے رب کو پکارتا ہوں'' یعنی میں اپنے رب سے اخلاص سے دعا کروں گا۔ یہ دعائے سوال اور دعائے عبادت دونوں کو شامل ہے۔ (تفسیر سعدی: 1579/2)

(3) ﴿عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا﴾ ''اُمید ہے کہ میں اپنے رب کو پکارنے میں نامراد نہیں ہوں گا'' عسیٰ یقین کے لیے ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو اپنے رب کے وعدے پر کامل یقین تھا، ان کا دل مکمل طور پر مطمئن تھا۔

(4) یعنی مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میری دعا اور اعمال کو قبول فرما کر مجھے سعادت سے نواز دے گا۔ یہ اس داعی حق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا وظیفہ ہے جو ایسے لوگوں سے مایوس ہو گیا تھا جن کو اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی مگر وہ اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتے رہے اور وعظ و نصیحت نے ان کو کوئی فائدہ نہیں دیا اور وہ اپنی سرکشی میں اصرار کے ساتھ سرگرداں رہے۔ جو کوئی اس قسم کی صورت حال میں مبتلا ہو جائے تو اس پر فرض ہے کہ وہ اپنے نفس کی اصلاح میں مشغول رہے اور اپنے رب سے امید رکھے کہ وہ اس کی کوشش کو قبول فرمائے گا اور وہ شر اور اہل شر سے دور رہے۔ (تفسیر سعدی: 1579/2) (5) سیدنا ابراہیم علیہ السلام لوگوں سے مایوس ہو گئے تھے مگر رب پر کامل بھروسہ تھا۔

سوال 2: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں ہمارے لیے کیا سبق ہے؟

جواب: سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں ہمارے لیے سبق ہے کہ جب دعوت دین کے نتیجے میں گھر والے اور باہر والے سب مخالف ہو جائیں اور داعی لوگوں سے مایوس ہو جائے تو اپنی اصلاح میں مصروف ہو جائے، اپنے رب پر یقین رکھے کہ وہ اسکی کوشش کو ضرور قبول فرمائے گا۔

سوال 3: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب اہل خاندان سے الگ ہو جانے کا اظہار کیا عین اُس موقع پر رب سے جو تعلق نظر آتا ہے، اُس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے رب سے باپ کی بخشش کی درخواست کرتے ہیں یعنی انہیں باپ کی نہیں رب کی ناراضگی کی فکر ہے۔

(2) سیدنا ابراہیم علیہ السلام باپ کے ارادہ قتل پر دل برداشتہ نہیں ہوئے بلکہ رب کی اپنی ذات پر مہربانیوں کا اظہار کیا کہ وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔

(3) اپنی قوم کو، اپنے گھر والوں کو چھوڑتے ہوئے یہ واضح کیا کہ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو پوجتے ہو۔ عین اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں دوسروں کو لانے پر ناگواری کا اظہار کیا۔

(4) اپنے رب سے دُعائیں کرنے کا اظہار کیا یعنی ایک ایسے تعلق کو جو ٹوٹنے والا نہیں جسے مصیبت میں پکارا جائے تو وہ جواب دیتا ہے جو قریب ہے، مجیب ہے۔ باپ کے مقابلے میں رب کے رشتے کو اختیار کرنے کی وجہ بتا دی کہ وہ مہربان ہے لیکن تم کتنے نامہربان ہو۔

(5) سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے یہ واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ کو پکار کر میں کبھی بھی بدبخت نہیں رہوں گا یعنی رشتوں سے علاقے سے کٹتے ہوئے بدبختی کو جو احساس گھیر لیتا ہے اور دوسروں کے ذہن میں بھی اُٹھتا ہے کہ جانے والا محروم ہو گیا سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موقع پر اپنے رب کے اصل تعلق کو واضح کیا کہ اُسے پکارو تو کوئی بد بخت نہیں رہتا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اُمید لگائی ہے اور اپنی رشتے داری اللہ تعالیٰ سے قائم کی ہے۔ اس طرز عمل سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان لوگوں کو اور اپنے نفس کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے رجوع کر سکتا ہے۔

سوال 4: داعی مایوس کیوں نہیں ہوتا؟

جواب: دعوت کا عمل ایک ربانی عمل ہے جب بھی شروع ہوتا ہے اس کی نفسیات مختلف ہوتی ہے اگر دعوت کے عمل میں لوگ حقیر جانیں، ظلم کریں تب بھی دل میں ایک نرم گوشہ موجود رہتا ہے اگر اپنے ماحول میں بظاہر دعوت دینے والا بے سہارا بن جائے تب بھی رب کے سہارے کو پکڑ لیتا ہے اُسے یقین ہوتا ہے کہ بدبختی اُسے نہیں گھیرے گی اسی وجہ سے وہ مایوس نہیں ہوتا۔

سوال 5: دعوت کے میدان میں مقامِ عمل کو تبدیل کیوں کرنا پڑتا ہے؟

جواب: دعوت کے میدان میں وہ موڑ بھی آتا ہے جب لوگ دعوت کے جواب میں ظلم پر اُتر آتے ہیں اُس وقت داعی کو مقامِ عمل تبدیل کرنا پڑتا ہے اسی کا نام ہجرت ہے بعض اوقات یہ تبدیلی قریب کے حلقے میں ہوتی ہے اور بعض اوقات دور کے حلقے میں۔

﴿فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۙ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ ۖ

''تو جب وہ اُن سے جدا ہو گیا اور جن کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے تو ہم نے اُسے اسحاق اور یعقوب

وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا﴾

عطا فرمائے اور ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا'' (49)

سوال: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے رب کی خاطر سب کچھ چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کیا معاملہ کیا، اس کی وضاحت ﴿فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ ... نَبِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ﴾ ''تو جب وہ اُن سے جدا ہو گیا اور جن کی وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے تو ہم نے اُسے اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے'' یعنی جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے والد اور گھر والوں سے جدا ہو کر شام جا لیے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بہترین لوگ عطا کیے۔ رب نے انہیں تنہا نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد بھی دی اعلیٰ مقام بھی عطا کیا تا کہ انہیں جدائیوں کا صدمہ بھول جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(2) انسان کے لیے اپنی قوم اور گھر والوں سے جدا ہونا سب سے مشکل کام ہے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی خاطر کوئی چیز چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے عوض بہتر چیز عطا فرماتا ہے۔

(3) ﴿وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ﴾ "تو ہم نے اُسے اسحاق اور یعقوب عطا فرمائے" اللہ تعالیٰ نے انہیں سیدنا اسحاق علیہ السلام اور سیدنا یعقوب علیہ السلام عطا کیے۔ جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: ﴿وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِينَ﴾ "اور ہم نے اُسے اسحٰق عطا کیا اور یعقوب بھی زائد انعام کی صورت میں! اور ہر ایک کو ہم نے نیک بنایا۔" (الانبیاء:72)

(4) اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کے ساتھ پوتے کی بشارت دی۔

(5) سیدنا اسحٰق علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے جو سیدہ سارہ علیہما السلام سے تھے۔

(6) سیدنا یعقوب علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور سیدنا اسحاق علیہ السلام کے بیٹے تھے جن سے بنی اسرائیل کی نسل چلی۔

(7) ﴿وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا﴾ "اور ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا" یعنی سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا اسحٰق علیہ السلام اور سیدنا یعقوب علیہ السلام سب کو نبی بنایا۔

ع 3 10 6

﴿وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾

"اور ہم نے انہیں اپنی رحمت سے نوازا اور ہم نے اُن کے لیے سچی ناموری کو بہت بلند کر دیا" (50)

سوال: اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کیا رحمتیں عطا کی تھیں، اس کی وضاحت ﴿وَوَهَبْنَا ... عَلِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا﴾ "اور ہم نے انہیں اپنی رحمت سے نوازا" اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اور پوتے کو نوازا۔ ﴿مِّنْ رَّحْمَتِنَا﴾ "اپنی رحمت سے" یعنی انہیں مال اور اولاد دی، نبوت اور نفع مند علم دیے، اعمال صالح کی توفیق دی۔ ان کی اولاد ساری دنیا میں پھیل گئی۔ ان میں کثیر انبیاء آئے۔

(2) اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کو چھوڑ دینے اور ہجرت کرنے کی عوض رحمت عطا کی تھی تاکہ وہ ان کی رفیق رہے اور تنہائیوں میں ساتھ دے۔

(3) ﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾ "اور ہم نے اُن کے لیے سچی ناموری کو بہت بلند کر دیا" یعنی خلیل اللہ کا خوب صورت تذکرہ لوگوں کی زبانوں پر رہتا ہے۔ (i) لسان صدق سے مراد اچھا تذکرہ، ذکر جمیل ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(ii) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو سچی ناموری عطا کی تھی لوگوں کی زبانوں پر ان کا ذکر جمیل رہتا ہے وہ ان کا احترام اور اطاعت کرتے ہیں یہ نبوت کے بعد بڑا انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سچی ناموری ہجرت کے عوض عطا کی تھی۔

(4) ﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾ ''اور ہم نے اُن کے لیے سچی ناموری کو بہت بلند کر دیا'' یہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس سے ان کو بہرہ ور کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نیک کام کرنے والے ہر شخص سے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس کی نیکی کے مطابق اسے سچی شہرت عطا کرے گا۔ ان کا شمار تو ائمہ محسنین میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں سچی، جس میں جھوٹ کا شائبہ نہیں، ظاہر و باطن میں غیر مخفی ثنائے حسن عطا کی۔ ان کے ذکر خیر، ان کی ثنائے حسن اور ان کے ساتھ محبت نے مشرق و مغرب کو لبریز کر دیا ہے۔ خلائق کے دلوں میں ان کی محبت سما گئی، لوگوں کی زبان پر ان کا ذکر اور ان کی مدح و ثنا جاری ہو گئی۔ وہ پیروی کرنے والوں کے قائد اور راہنمائی حاصل کرنے والوں کے راہ نما بن گئے۔ ہر زمانے میں ان کا ذکر خیر نئے نئے اسالیب میں لوگوں کی زبانوں پر جاری رہا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم کا مالک ہے۔ (تفسیر سعدی: 1580/2) اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں اور سلامتیاں ہوں ان پر۔ وسلام علی المرسلین

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾

''اور اس کتاب میں موسیٰ کا ذکر کرو، یقیناً وہ ایک خالص کیا ہوا شخص تھا اور رسول، نبی تھا'' (51)

سوال 1: موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بیان ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاذْكُرْ﴾ ''اور ذکر کرو'' اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے کے بعد نبی محمد ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے سنہرے سلسلے کا ذکر کریں۔

(2) ﴿فِي الْكِتٰبِ﴾ ''اس کتاب میں'' قرآن عظیم میں۔

(3) ﴿مُوْسٰى﴾ ''موسیٰ کا'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے مقام و مرتبے اور اخلاق عظیم کا تذکرہ کریں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے جو بنی اسرائیل میں مبعوث کیے گئے۔

(4) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ تھے ان کا مقام بلند ہے، ان کے اخلاق عظیم ہیں۔

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَ بِكَلَامِيْ ۡ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے موسیٰ! یقیناً اپنے پیغامات اور کلام کے ساتھ میں نے تجھے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

تمام لوگوں میں سے منتخب کیا ہے، سو لے لو جو میں نے تمہیں دیا ہے اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔'' (الاعراف:144)

(6) سیدنا موسیٰ علیہ السلام پانچ اولوالعزم پیغمبروں میں سے تھے۔

سوال 2: موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات کی وضاحت ﴿اِنَّهٗ ... نَّبِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا﴾ ''یقیناً وہ ایک خالص کیا ہوا شخص تھا'' مخلَص لام کی زبر کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ چنا ہوا اس اعتبار سے یہ مصطفیٰ، مجتبیٰ اور مختار کے ہم معنی ہے۔ تو اس کا مطلب ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کریں اور یہ پسند نہ کریں کہ لوگ ان کی تعریف کریں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پسند کیا، انہیں چن لیا، انہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی۔ مخلِص لام کی زیر کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص تھے، اپنے ارادوں میں، ہستیوں میں، اپنے قول و قرار میں، اپنے اعمال میں یعنی اخلاص ان کا وصف تھا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ذات میں دونوں ہی صفات پائی جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اخلاص کی وجہ سے ان کو چنا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ مومن کا کمال درجے کا وصف ہے۔

(2) ﴿وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾ ''اور رسول، نبی تھا'' (i) رسول کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں کو سنانے والا اور نبی کے معنی وحی الٰہی کی خبر دینے والا دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے (ii) اللہ تعالیٰ جس بندے کو لوگوں کی ہدایت اور راہ نمائی کے لیے چن لیتا ہے، اُسے اپنی وحی سے نوازتا ہے، اُسے رسول اور نبی کہتے ہیں۔

(3) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں رسالت اور نبوت کو یکجا کر دیا۔ پس رسالت، بھیجنے والے کے کلام کی تبلیغ کا تقاضا کرتی ہے، نیز یہ بھی تقاضا کرتی ہے کہ شریعت کی جو بھی چھوٹی یا بڑی چیز آئی ہے اسے بندوں تک پہنچایا جائے اور نبوت اس بات کی مقتضی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر وحی آتی ہو اور اللہ تعالیٰ نے وحی کی تنزیل کے لئے اسے مختص کر لیا ہو۔ پس نبوت کا تعلق بندے اور اس کے رب کے درمیان ہے اور رسالت کا تعلق بندے اور مخلوق کے درمیان ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی جلیل ترین اور سب سے افضل نوع کے ساتھ خاص فرمایا اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا ان سے کلام کرنا اور انہیں اپنی سرگوشی کے لئے اپنے قریب کرنا۔ انبیاء میں سے اس فضیلت کے ساتھ صرف موسیٰ علیہ السلام کو خاص کیا گیا کہ وہ رحمان کے کلیم ہیں۔ (تفسیر سعدی:1581/2)

﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا﴾

''اور ہم نے پہاڑ کی دائیں جانب سے اُسے پکارا اور ہم نے سرگوشی کرتے ہوئے اُسے قریب کیا'' (52)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کی وضاحت ﴿وَنَادَيْنٰهُ ... نَجِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہم کلامی کے شرف سے نوازا، رب العزت نے فرمایا: ﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ﴾ "اور ہم نے پہاڑ کی دائیں جانب سے اُسے پکارا" ایمن سے مراد بابرکت ہے۔ یعنی جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام سفر کر رہے تھے اور پہاڑ پر تشریف لے گئے تو پہاڑ کی دائیں جانب سے آگ والے درخت سے انہیں آواز آئی۔

(2) ﴿وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا﴾ "اور ہم نے سرگوشی کرتے ہوئے اُسے قریب کیا" ندا اور مناجات میں فرق یہ ہے، کہ ندا بلند آواز میں ہوتی اور مناجات اس سے کم تر دھیمی آواز میں ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کی تمام انواع مثلاً ندا اور مناجات وغیرہ کا اثبات ہوتا ہے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ اس کے برعکس جہمیہ، معتزلہ اور ان کے ہم مسلک گروہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا انکار کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1581/2)

(3) اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلایا، قریب بلایا اور رازداری سے بات کی۔

﴿وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا﴾

"اور ہم نے اسے اپنی رحمت سے اُس کا بھائی ہارون نبی بنا کر اُسے عطا کیا" (53)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی کیا خاص رحمت تھی، اس کی وضاحت ﴿وَوَهَبْنَا ... نَبِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا﴾ "اور ہم نے اسے اپنی رحمت سے اُس کا بھائی ہارون نبی بنا کر اُسے عطا کیا" اللہ تعالیٰ کی سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر خاص رحمت یہ تھی کہ انہیں مددگار کے طور پر سیدنا ہارون علیہ السلام جیسا ساتھی عطا کیا۔ سیدنا ہارون علیہ السلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی کے لئے خیر خواہ تھے۔ ان کے حسن سلوک اور خیر خواہی کی دلیل ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ سیدنا ہارون علیہ السلام کو ان کے ساتھ ذمہ داری میں شریک کر کے رسول بنا دیں۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ﴾ "اور میرے لیے میرے خاندان سے ایک معاون مقرر کر دے۔" (طٰہٰ: 29)

(2) ﴿وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ﴾ "میرا بھائی ہارون زبان میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے، تو اُسے میرے ساتھ مددگار کے طور پر بھیج دے کہ وہ میری تائید کرے، یقیناً میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔" (القصص: 34)

(3) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی: ﴿قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى﴾ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یقیناً جو تم نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مانگا تجھے دے دیا گیا اے موسیٰ!'' (طٰہٰ:36) اور اپنی رحمت سے ان کے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام کو رسول بنا دیا۔

(4) سیدنا ہارون علیہ السلام کی نبوت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے تابع ہے۔ وہ نبوت کے معاملات میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی مدد کرتے تھے۔

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾

''اور آپ کتاب میں اسماعیل کا ذکر کرو، یقیناً وہ وعدے کا سچا تھا اور رسول نبی تھا'' (54)

سوال 1: سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں رب العزت کے بیان ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاذْكُرْ﴾ ''اور ذکر کرو'' یعنی اے نبی ﷺ آپ ذکر کریں۔

(2) ﴿فِي الْكِتٰبِ﴾ ''کتاب میں'' قرآن عظیم میں۔

(3) ﴿اِسْمٰعِيْلَ﴾ سیدنا اسماعیل بن ابراہیم کا، جو سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے، جن سے عرب قبیلے کی نسل چلی، جن سے بنی آدم کے سردار محمد ﷺ پیدا ہوئے جو آخری نبی تھے۔

سوال 2: اسماعیل علیہ السلام کی خصوصیات کی وضاحت ﴿اِنَّهٗ كَانَ ... نَّبِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ﴾ ''یقیناً وہ وعدے کا سچا تھا'' وعدے کا سچا وہ ہوتا ہے جو کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا یعنی وہ جو وعدہ کرتے تو پورا کرتے۔ وہ اپنے قول کے سچے تھے انہوں نے اپنے رب کے ساتھ جو وعدہ کیا اسے پورا کر کے دکھلایا اس میں وہ وعدے بھی شامل ہیں جو انہوں نے بندوں سے کئے۔ جب ان کے والد سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے انہیں ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا: ﴿سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ''ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔'' (الصافات:102) انہوں نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے والد کو پورا اختیار دیا کہ وہ انہیں ذبح کر دیں۔

(2) ﴿وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾ ''اور رسول نبی تھا'' پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں رسول اور نبی بنایا اور انہیں مخلوقات کے سب سے بلند طبقے میں سے کر دیا۔ اس سے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی سیدنا اسحٰق علیہ السلام پر فوقیت ثابت ہوئی کیونکہ وہ صرف نبی تھے دوسرے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں میں سے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کے خاندان کو اور عمران کے خاندان کو منتخب فرمایا ہے۔'' (آل عمران:33) اس سے بھی ان کی فضیلت نکلتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 3: ایفائے عہد کی اہمیت اور فضیلت بیان کریں؟

جواب: (1) وعدہ پورا کرنا اخلاق حمیدہ میں سے ہے اور وعدہ خلافی اخلاق سیئہ میں سے ہے۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو؟'' (الصف:2)

(3) نبی ﷺ نے فرمایا: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: (i) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (ii) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔ (iii) اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔'' (بخاری:33)

(4) ایک دوسری روایت میں نشانی ہے: جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ کرے۔ (بخاری:34)

(5) منافقوں کی صفات ایمان والوں سے متضاد ہیں۔ اس لیے اللہ رب العزت نے اپنے نبی کی تعریف کی ہے کہ وہ وعدے کے سچے ہیں۔

﴿وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ ۪ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا﴾

''اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھا'' (55)

سوال 1: سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی دعوت کے ارکان کیا تھے، اس کی وضاحت ﴿وَكَانَ... مَرْضِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَكَانَ يَأْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ﴾ ''اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا'' یعنی سیدنا اسماعیل علیہ السلام اپنے گھر والوں اور قبیلے والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا۔

﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ ''اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی اس پر خوب پابند رہیں، ہم آپ سے کوئی رزق نہیں مانگتے، رزق تو ہم ہی آپ کو دیں گے۔ اور آخری انجام تو تقویٰ (والوں) کے لیے ہے۔'' (طٰہٰ:132)

(2) نماز معبود کے لیے اخلاص ہے اور زکوٰۃ بندوں کے ساتھ احسان کرنے کے لیے مال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ حصہ ہے۔

(3) سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے خود کو بھی کمال تک پہنچایا اور دوسروں کے کامل بننے کے لیے ان کی مدد کی۔ خاص طور پر وہ جو ان کے قریب تھے، جو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ حق دار تھے۔ رب العزت نے نبی علیہ السلام کو حکم دیا۔

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ ''اور آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیں۔'' (الشعراء:214)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(4)﴿وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا﴾ ''اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھا'' اس کا سبب یہ تھا انہوں نے یہ وعدہ پورا کر دکھایا اور اپنے والد کو پورا اختیار دیا کہ وہ ان کو ذبح کریں، جو کہ سب سے بڑی مصیبت ہے جو انسان کو پہنچ سکتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو رسالت اور نبوت سے متصف کیا جو اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر سب سے بڑا احسان ہے اور انہیں مخلوق کے بلند ترین طبقے میں سے کیا۔ (تفسیر سعدی:1582/2)

(5) اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بننے والوں کے لیے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی زندگی میں یہ سبق ہے کہ وہ وعدوں کے سچے اور گھر والوں کے حق میں مخلص بنیں اور انہیں رب شناس بنانے کے لیے صلوٰۃ وزکوٰۃ کا حکم دیں۔

سوال 2: کیا گھر والوں کی تربیت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کی گئی ہے؟

جواب: (1) رب العزت نے گھر والوں کو آگ سے نجات کا حکم دیا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس پر تند مزاج سخت گیر فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے، اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں۔'' (التحریم :6)

(2) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے، جو رات میں بیدار ہوا، اور نماز پڑھی، اور اپنی بیوی کو بھی جگایا، اس نے نماز پڑھی، اگر نہ اٹھی تو اس کے چہرہ پہ پانی چھڑکا، اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم کرے، جو رات میں بیدار ہوئی، پھر اس نے نماز پڑھی اور اپنے شوہر کو جگایا، اس نے بھی نماز پڑھی اگر نہ اٹھا تو اس کے منہ پر پانی چھڑکا۔'' (ابن ماجہ:1336) (3) نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لڑکا جب سات برس کا ہو جائے تو اس کو نماز پڑھنے کی ہدایت کرو جب دس سال کی عمر کا ہو جائے تو نماز کے لئے مارو۔'' (ابوداؤد:494)

(4) قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس بارے میں باز پرس کریں گے کیونکہ اخلاقی تربیت دینی فریضہ ہے۔ (5) نیکی کا شوق دلانا اور بری باتوں سے روکنا مومن کا فرض ہے۔ کسی کو اس کے حال پر چھوڑنا جائز نہیں کہ وہ آگ کا نوالہ بن جائے۔

﴿وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾

''اور آپ اس کتاب میں ادریس کا ذکر کرو، یقیناً وہ سچا نبی تھا'' (56)

سوال: سیدنا ادریس علیہ السلام سچے نبی تھے، اس کی وضاحت ﴿وَاذْكُرْ... نَّبِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: (1)﴿وَاذْكُرْ﴾ ''اور ذکر کرو'' اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو حکم دیا ہے کہ اس سنہرے سلسلے میں ذکر کرو۔

(2)﴿فِي الْكِتٰبِ﴾ ''اس کتاب میں'' یعنی قرآن عظیم میں۔

(3)﴿اِدْرِيْسَ﴾ ''اِدریس کا'' سیدنا ادریس علیہ السلام جو سیدنا نوح علیہ السلام کے جد امجد تھے۔

(4) سیدنا ادریس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی تھے یہ سیدنا آدم علیہ السلام کے بعد پہلے نبی تھے۔ جنہوں نے سب سے پہلے کپڑے سیے۔ (5) یعنی اس کتاب کریم میں تعظیم وجلال اور صفات کمال سے متصف ہونے کے اعتبار سے سیدنا ادریس علیہ السلام کا ذکر کرو! (تفسیر سعدی: 1583/2)

(6) شب معراج میں نبی ﷺ نے سیدنا ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر دیکھا۔ آپ درزی تھے، جب سوئی میں ڈور ڈالتے تو سبحان اللہ فرماتے اور جب شام ہوتی تو روئے زمین پر ان سے زیادہ عمل کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔ (مختصر ابن کثیر: 1138/2)

(7)﴿اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾ ''یقیناً وہ سچا نبی تھا'' یعنی وہ کثرت سے سچ بولنے والے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کی تصدیق کرنے والے تھے۔ (تفسیر منیر: 465/8)

(8) اللہ تعالیٰ نے ان کو بیک وقت صدیقیت جو تصدیق تام، علم کامل، یقین ثابت اور عمل صالح کی جامع ہے اور اپنی وحی اور رسالت کے لئے چن لیا۔ (تفسیر سعدی: 1583/2)

(9) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سچ انسان کو نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور انسان سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سچا لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ انسان کو برائی کا راستہ دکھاتا ہے اور برائی دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔ انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔'' (صحیح مسلم: 6637)

﴿وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾

''اور ہم نے اُسے بہت عالی مقام تک بلند کیا'' (57)

سوال: سیدنا ادریس علیہ السلام کو بلند درجہ عطا کیا گیا، اس کی وضاحت ﴿وَّرَفَعْنٰهُ...عَلِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ ''اور ہم نے اُسے بہت عالی مقام تک بلند کیا'' اس سے مراد وہ بلندی ہے جو نبوت کے بعد انہیں عطا کی گئی۔

(2) یعنی اللہ تعالیٰ نے جہانوں میں ان کا ذکر اور مقربین کے درمیان ان کا درجہ بلند کیا۔ پس وہ ذکر کے لحاظ سے بھی بلند تھے اور مقام ومرتبہ کے اعتبار سے بھی بلند۔ (تفسیر سعدی: 1583/2)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(3) اس سے عام طور پر آسمان کی طرف اُٹھانا مراد لیا گیا ہے لیکن قرآن حکیم یا حدیث رسول سے اس کا ثبوت نہیں ملتا اور اسرائیلی روایات کافی نہیں ہیں۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ

''یہی لوگ ہیں جو ان پیغمبروں میں سے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے آدم کی اولاد میں سے انعام فرمایا، اور ان میں سے جن کو ہم نے

وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا

نوح کے ساتھ سوار کیا تھا، اور ابراہیم اور یعقوب کی اولاد میں سے، اور ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت بخشی اور ہم نے منتخب

وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا﴾ السجدة 5

کیا۔ جب انہیں رحمان کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے تھے'' (58)

سوال 1: پیغمبر اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ لوگ ہیں، اس کی وضاحت ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ ... وَّبُكِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ ''یہی لوگ ہیں جو ان پیغمبروں میں سے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا'' اللہ رب العزت نے جب خاص انبیاء اور مرسلین کے فضائل کا ذکر کیا تو فرمایا کہ یہ انعام یافتہ لوگ ہیں اور نبوت ورسالت ایسا انعام ہے جسے کوئی اپنی ذاتی کوشش سے حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے راستے پر چلا دے۔ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ان لوگوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ ''اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین میں سے اور یہی بہترین ساتھی ہیں۔'' (النساء:69)

(2) ﴿مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ﴾ ''آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے، اور ان میں سے جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ سوار کیا تھا'' یعنی ان میں سے کچھ تو آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور کچھ ان لوگوں کی اولاد ہیں جنہیں نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا یعنی نوح کی ذریت میں سے ہیں۔

(3) ﴿وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ﴾ ''اور ابراہیم اور یعقوب کی اولاد میں سے'' یعنی ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دنیا کے تمام گھرانوں میں سے بہتر گھرانے سے ہیں یعنی ابراہیم جن سے اسحٰق علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسرائیل جن کی اولاد سے سیدنا موسیٰ، سیدنا ہارون، سیدنا داوٗد، سیدنا سلیمان، سیدنا زکریا، سیدنا یحییٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔

(4)﴿وَمِمَّنْ هَدَيْنَا﴾ ''اور ان میں سے جنہیں ہم نے ہدایت بخشی'' یعنی جن کو ہم نے سیدھے راستے کی ہدایت دی۔

(5)﴿وَاجْتَبَيْنَا﴾ ''اور ہم نے منتخب کیا'' اور انہیں ہم نے اپنی نبوت کے لیے چن لیا۔

(6) یعنی جنہیں ہم نے اسلام کی ہدایت دی اور ایمان کے لیے چن لیا۔ (فتح القدیر:425/3)

(7)﴿إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ﴾ ''جب انہیں رحمان کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی تھیں'' یعنی جب ان کے سامنے رحمٰن کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں۔

(8)﴿خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا﴾ ''تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے ہیں'' وہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں جب اس کے دلائل سنتے ہیں تو عاجزی سے رب کے آگے روتے ہوئے جھک جاتے ہیں۔

(9) وہ اللہ تعالیٰ کے بڑے انعام پر شکر کے طور پر سجدے میں گر جاتے ہیں۔

(10) وہ ان لوگوں کی طرح نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات سن کر اندھے، بہرے بن جاتے ہیں۔

سوال 2: آیات کی نسبت اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک رحمٰن کی طرف کی گئی، اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب: آیات کی، اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک (رحمان) کی طرف اضافت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات، اس کے بندوں پر اس کی رحمت اور احسان ہے کیونکہ اس نے آیات کے ذریعے سے ان کی حق کی طرف راہنمائی کی، ان کی کورنگاہی کو دور کر کے بصیرت سے نوازا، انہیں گمراہی سے بچایا اور جہالت کی تاریکیوں میں انہیں علم کی روشنی عطا کی۔ (تفسیر سعدی:1584،1583/2)

سوال 3: اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر کب اور کیسے انسان سجدوں میں آہ و بکا کے قابل ہوتا ہے؟

جواب: (1) انسان اس کیفیت تک تب پہنچتا ہے جب انسان کے شعور میں ارتعاش پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سن کر انسان کو جب اظہار کے لیے موزوں کلمات نہیں ملتے تو ان احساسات کا اظہار آنسوؤں سے ہوتا ہے۔ سجدے میں گر کر، رو کر اندرونی جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا اعتراف ہے۔ جو اس درجے پر پہنچا اُس نے ایمان کی مٹھاس چکھ لی۔ یہ درجہ نبیوں اور رسولوں کے لیے خاص ہے۔

(2) انعامات کی وجہ سے ان کی مشترکہ خصوصیت تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے احساس میں اتنے ڈوبے ہوئے تھے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کا کلام سن کران کا سینہ دہل جاتا تھا اور اُن پر رقت اور بکاء کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی حتیٰ کہ روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے تھے۔

(3) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں، ان کے دل اللہ تعالیٰ کی آیات میں غیب کی خبروں اور رب العزت کی صفات، آخرت کی خبروں اور اللہ کے وعدوں اور وعیدوں کی وجہ سے ایمان اور رغبت و محبت سے لبریز ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کی آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل اور جسم سجدے میں گر جاتے ہیں۔

﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ

''پھر اُن کے بعد ایسے جانشین اُن کی جگہ آئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشاتِ نفس کے پیچھے لگ گئے، تو

يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾

جلد ہی وہ گمراہی کو ملیں گے'' (59)

سوال 1: ناخلف جانشینوں کی خصوصیات کی وضاحت ﴿فَخَلَفَ ... غَيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ﴾ ''پھر اُن کے بعد ایسے جانشین اُن کی جگہ آئے'' رب العزت نے انبیاء اور صالحین کا ذکر فرمایا جو کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کرنے والے، اس کے احکامات پر عمل کرنے والے اور اس کے نواہی سے اجتناب کرنے والے، اپنے رب کی رضا کے مطابق زندگی گزارنے والے، اسی کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ تو ان کے بعد آنے والی ناخلف اولاد کا ذکر کیا ہے جو اپنے آباؤ اجداد کے بالکل متضاد ہیں۔ نیک لوگوں کے گھر میں کیسے ناخلف لوگ پیدا ہوئے۔

(2) ﴿اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ﴾ ''جنہوں نے نماز کو ضائع کیا'' (i) یعنی وہ انبیاء کی اولاد ہونے کے باوجود نماز کو ضائع کرنے لگے۔ انہوں نے دین کا ستون، اس کی روح اور بہترین عمل کو ہی کھو دیا۔ (ii) یعنی انہوں نے نماز کی حفاظت نہیں کی جس کی حفاظت اور قائم کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے دین کے ستون، ایمان کی میزان اور رب العالمین کے لیے اخلاص کو کھو دیا تو جن لوگوں نے نماز کو ضائع کر دیا ان سے باقی دین کو قائم کرنے کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ (iii) ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿٤﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴿٥﴾ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ﴿٦﴾﴾ ''پس بڑی ہلاکت ہے ان نمازیوں کے لیے۔ جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔ جو ریا کاری کرتے ہیں'' (الماعون: 4-6) (iv) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک دن نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''جس شخص نے نماز کی حفاظت کی اس شخص کے لئے نماز قیامت کے روز نور، برہان اور نجات ہوگی جس نے نماز کی حفاظت نہ کی اس کے لئے روز قیامت نہ نور ہوگا نہ برہان اور نہ نجات نیز قیامت کے روز اس کا انجام قارون، ہامان اور ابی ابن خلف کے ساتھ ہوگا۔'' (ابن حبان: 1467/4)

سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ خواب کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص قرآن یاد کر کے بھلا دیتا ہے اور فرض نماز پڑھے بغیر سو جاتا ہے اس کا سر پتھر سے کچلا جا رہا تھا۔'' (بخاری: 7047)

(3) ﴿وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ﴾ ''اور خواہشاتِ نفس کے پیچھے لگ گئے'' نماز کو چھوڑ دینے کا سبب بیان فرمایا ہے کہ وہ شہوات نفس کے پیچھے لگ گئے، ان کے ارادوں کا رخ، ان کی ہمتوں کی جہت بدل گئی۔ نہ انہوں نے شہوات کو اللہ تعالیٰ کے حقوق سے زیادہ اہمیت دی تو اللہ تعالیٰ کا حق ضائع کر بیٹھے اور شہوات نفس کے پیچھے پڑ گئے یوں وہ دنیاوی لذتوں میں گم ہو گئے اور اپنی دنیا کی زندگی پر مطمئن ہو گئے۔

(4) ﴿فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ ''تو جلد ہی وہ گمراہی کو ملیں گے'' یعنی وہ قیامت کے دن کئی گنا سخت عذاب سے دوچار ہوں گے۔

(5)(i) ﴿غَيًّا﴾ کا مطلب ہلاکت، بُرا انجام اور دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے۔ (ii) عنقریب وہ بُرے انجام کو پہنچیں گے یعنی وہ سیدھا راستہ گم کر دیں گے اور ہلاکت تک جا پہنچیں گے۔

سوال 2: نماز کو ضائع کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اس سے نمازوں کا وقت، بے وقت، سستی اور کاہلی سے ادا کرنا اور مطلق چھوڑ دینا دونوں چیزیں مراد ہیں۔ (سراج المنیر 1140/2)

(2)(i) اس سے مراد نماز کو چھوڑ دینا ہے جو کفر ہے۔ (ii) اس کے اوقات کو ضائع کرنا ہے مثلاً وقت پر نماز ادا نہ کرنا، بلا عذر نمازیں اکٹھی کر کے پڑھ لینا، جب جی چاہے نماز پڑھ لینا۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کفر اور شرک کے درمیان حد فاصل ترک نماز ہے۔'' (صحیح مسلم: 204)

سوال 3: کون سے کام انسان کو نمازوں کو بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں؟

جواب: (1) خواہش پرستی سے اُوپر اُٹھ جانا۔ (2) اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔ (3) اللہ تعالیٰ کے کلام کو توجہ سے سننا۔

(4) پیغمبروں سے وابستگی سے اُن جیسے اعمال کرنے کی حرص پیدا کرنا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا﴾

''مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے۔تو وہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا'' (60)

سوال: دوزخ کی ہلاکت سے کون لوگ بچ سکتے ہیں، اس کی وضاحت ﴿إِلَّا مَن...شَيْئًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿إِلَّا مَن تَابَ﴾ ''مگر جس نے توبہ کی'' یعنی دوزخ کی ہلاکت سے وہ لوگ بچ جائیں گے جو نماز ضائع کرنے سے اور شہوات کے پیچھے پڑنے سے بچ جائیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ﴿اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهُ﴾ ''گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو'' (ابن ماجہ: 4250) (المراغی: 57/6)

(2) یعنی جس نے شرک، بدعات اور معاصی سے توبہ کر لی اور ان کو ترک کر کے ان پر نادم ہوا اور دوبارہ ان کا ارتکاب نہ کرنے کا پکا عزم کر لیا۔

(3) ﴿وَآمَنَ﴾ ''اور ایمان لایا'' اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور روز قیامت پر ایمان لایا۔

(4) ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ ''اور نیک عمل کیے'' اور عمل صالح سے مراد وہ عمل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبان پر مشروع فرمایا ہے جبکہ عمل کرنے والے کی نیت رضائے الٰہی کا حصول ہو۔ (تفسیر سعدی: 1585/2)

(5) بُرے انجام سے وہی بچ سکتے ہیں جو توبہ کر کے ایمان لے آئیں اور عمل صالح کے تقاضوں کو پورا کریں۔

(6) یعنی اگر سچے دل سے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دے گا اور اس کی توبہ قبول کر لے گا۔

(7) ﴿فَأُولَٰئِكَ﴾ ''تو وہی لوگ'' تو جن لوگوں نے توبہ کی، ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔

(8) یعنی جنہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا۔

(9) ﴿يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ﴾ ''جنت میں داخل ہوں گے'' وہ اپنے سلف صالحین کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گے۔

(10) یعنی ان کا رب ان کے گناہوں کو بخش دے گا اور انہیں جنتوں میں داخل کرے گا۔

(11) ﴿وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا﴾ ''اور اُن پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا'' یعنی ان کی نیکیوں کے ثواب میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔ (ایسر التفاسیر: 870)

(12) یعنی انہیں ان کے اعمال کا کئی گنا اجر ملے گا۔ یہ رب کریم کی عطا ہے۔ اسی لئے رب العزت نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو، خالص توبہ۔ تمہارا رب قریب ہے کہ تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے اور تمہیں داخل کر دے ان باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، اس دن اللہ تعالیٰ نبی کو اور اُن لوگوں کو جو اُس کے ساتھ ایمان لائے ہیں، رُسوا نہ کرے گا، اُن کا نور اُن کے آگے اور اُن کی دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا، وہ کہیں گے: ''اے ہمارے رب! ہمارا نور مکمل کر دے اور ہمیں بخش دے، بلاشبہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔'' (التحریم:8)

﴿جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا﴾

''ابدی جنتیں ہیں، جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے بن دیکھے وعدہ کیا ہے، یقیناً اس کا وعدہ ہمیشہ سے پورا ہو کر رہنے والا ہے'' (61)

سوال: سچی توبہ کرنے والوں کے لیے جنتیں ہیں، اس کی وضاحت ﴿جَنَّاتِ ... مَأْتِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿جَنَّاتِ عَدْنٍ﴾ ''ابدی جنتیں ہیں'' سدا بہار جنتیں سچی توبہ کرنے والوں کے لیے ہیں جہاں سے انہیں کہیں منتقل نہیں کیا جائے گا، نہ ان کی نعمتیں زائل ہوں گی۔ ان کے لیے سدا بہار رونقیں کبھی ختم نہ ہونے والی خوشیاں ہوں گی۔

(2) ﴿الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ﴾ ''جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے بن دیکھے وعدہ کیا ہے'' ان جنتوں کا وعدہ الرحمٰن نے کیا ہے اور اس کا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے کیونکہ وہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

(3) عباد سے مراد وہ بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ جب کہ اس اعتبار سے تو سبھی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو پیدا کیا، انہیں رزق دیا، ان کی زندگی کے لیے ہر طرح کے انتظامات کیے۔

(4) یعنی رحمٰن نے اپنے بندوں کے ساتھ ان جنتوں کا وعدہ کیا ہے جن کو بندوں نے نہ دیکھا ہے، نہ ان کا مشاہدہ کیا ہے پھر بھی وہ اس پر ایمان لائے اور اس کے حصول کے لیے کوششیں کرتے رہے۔ رب رحمٰن نے اپنے بندوں کے ایمان بالغیب کی مدح فرمائی ہے۔

(5) اس آیت کریمہ میں جنت کے لیے ترغیب دلائی گئی ہے۔ رب العزت نے فرمایا۔ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ''چنانچہ کوئی شخص نہیں جانتا اُن کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے کیا چھپا کر رکھا گیا اس عمل کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے۔'' (السجدۃ:17)

(6) ﴿إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًّا﴾ ''یقیناً اس کا وعدہ ہمیشہ سے پورا ہو کر رہنے والا ہے'' یعنی جنت کا وعدہ ضرور پورا ہونا ہے کیونکہ رب رحمٰن نہ تو وعدے میں ردوبدل کرتا ہے نہ وعدہ خلافی کرتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿السَّمَاءُ مُنفَطِرٌ بِهِ ۚ كَانَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا﴾ ''آسمان اس میں پھٹ جانے والا ہے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہمیشہ سے پورا ہو کر ہی رہنے والا ہے۔(المزمل:18)

(7)﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ ''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تم سب کو قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا جس میں کوئی شبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ بات میں سچا اور کون ہے؟ (النساء:87)

(8)﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے انہیں ہم عنقریب جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ہمیشہ ہمیشہ، اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے، اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون بات میں سچا ہے۔'' (النساء:122)

﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا﴾

''اُس میں وہ سلام کے سوا کوئی لغو بات نہ سنیں گے اور اُن کے لیے اس میں صبح وشام اُن کا رزق ہوگا'' (62)

سوال: جنتوں میں بے ہودہ کلام نہیں ہوگا اور صبح وشام رزق ملے گا، اس کی وضاحت ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ... وَّعَشِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا﴾ ''اُس میں وہ کوئی لغو بات نہ سنیں گے'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، وہ اس میں کوئی باطل بات نہیں سنیں گے۔ (2) یعنی جنت میں فضول، فحش، بے معنی کلام نہیں سنیں گے۔

(3) یعنی وہ جنت میں بے فائدہ، لغو اور گناہ پر مبنی باتیں نہیں ہوں گی۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو۔

(4)﴿اِلَّا سَلٰمًا﴾ ''سلام کے سوا'' یعنی وہ صرف ایسی باتیں سنیں گے جو ہر قسم کے نقص سے پاک ہوں گی یعنی خیر اور بھلائی کی باتیں، ذکر الٰہی، سلام وغیرہ۔

(5) یعنی وہ صرف ایسی باتیں سنیں گے جو ہر عیب سے پاک ہوں گی۔ یعنی ذکر الٰہی، سلام، پر سرور باتیں، بشارت، دوستوں کے درمیان خوبصورت اور اچھی اچھی باتیں، رحمٰن کا خطاب، حوروں، فرشتوں اور غلمان کی دل ربا آوازیں، طرب انگیز نغمات، اور نرم الفاظ سننے کو ملیں گے کیونکہ یہ سلامتی کا گھر ہے جہاں ہر لحاظ سے کامل سلامتی کے سوا کچھ نہیں۔ (تفسیر سعدی:1587/2)

(6)﴿وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا﴾ ''اور اُن کے لئے اس میں صبح وشام اُن کا رزق ہوگا'' یعنی ان کے لیے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

وہاں لذیذ مشروبات اور کھانا ہوگا۔ وہ جو چاہیں گے طلب کریں گے۔ جب چاہیں گے جو چاہیں گے ہمیشہ موجود پائیں گے۔

(7) ان کی تکمیل، ان کی لذت اور ان کا حسن یہ ہے کہ یہ معلوم اوقات میں ہوں گی۔ ﴿بُكْرَةً وَّعَشِيًّا﴾ تاکہ ان چیزوں کا وقوع باعظمت اور ان کا فائدہ کامل ہو۔ (تفسیر سعدی:2/1586،1587)

﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾

''یہ وہ جنت ہے جس کا وارث اپنے بندوں میں سے اُسے ہم بنائیں گے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو'' (63)

سوال: جنت کی وراثت کس کو ملے گی، اس کی وضاحت ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ... تَقِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ﴾ ''یہ وہ جنت ہے'' یعنی جنت جس کے اوصاف اور جس کی خوبیاں ہم نے بیان کی ہیں۔

(2) ﴿الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا﴾ ''جس کا وارث اپنے بندوں میں سے اُسے ہم بنائیں گے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہو'' جنت کی وراثت توبہ کر کے ایمان لانے والے، عمل صالح کرنے والے کو ملے گی۔

(3) جنت کی وراثت نسب سے نہیں، عمل سے ملے گی۔

(4) جنت کی وراثت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو ہی ملے گی۔ یعنی یہ وراثت ان لوگوں کو ملے گی جو اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر فرائض ادا کرتے رہے اور اس کے عذاب کے خوف سے نافرمانیوں سے اجتناب کرتے رہے۔

(5) جنت کی وراثت دائمی ہوگی، کبھی ان سے کسی اور کو منتقل نہیں ہوگی۔ وہ وہاں سے کسی اور مقام پر نہ منتقل ہونا چاہیں گے، نہ انہیں کہیں بھیجا جائے گا۔

(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾﴾ ''یقیناً مؤمن کامیاب ہو گئے۔ وہی جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔ اور وہی جو لغویات سے منہ موڑنے والے ہیں۔ اور وہی جو زکوۃ کو ادا کرنے والے ہیں۔ اور وہی جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں کے یا جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے تو یقیناً وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں۔ پھر جو اس کے علاوہ کچھ اور ڈھونڈیں تو وہی حد سے بڑھنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والے ہیں۔اور وہی جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں۔اور وہی جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔یہی لوگ وارث ہیں۔جو فردوس کے وارث ہوں گے،وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔''(المؤمنون:1-11)

(7)اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وجہ سے ایمان اور یقین میں پختگی آتی ہے۔اللہ تعالیٰ سے ڈر کر انسان اللہ تعالیٰ کے وعدے کے حصول کے لیے ایمان اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے انسان آزاد زندگی کو اپنے ارادے سے اللہ تعالیٰ کی پابندیوں والی زندگی بنالیتا ہے۔یوں مشکل قربانی کا ثبوت دیتا ہے جس کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں۔

﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ

''اور ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر نہیں اُترا کرتے اُسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾

اور جو اس کے درمیان ہے اور آپ کا رب کبھی بھولنے والا نہیں ہے''(64)

سوال:فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوتے ہیں،اس کی وضاحت ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ...نَسِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ﴾''اور ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر نہیں اُترا کرتے''یعنی فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہوتے۔

(2)رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا:''جیسا کہ اب آپ ہماری ملاقات کو آیا کرتے ہیں اس سے زیادہ آپ ہم سے ملنے کو کیوں نہیں آیا کرتے؟''اس پر یہ آیت نازل ہوئی﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ﴾''اور ہم فرشتے نازل نہیں ہوتے بجز آپ کے پروردگار کے حکم سے،اسی کا ملک ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے۔''(بخاری:4731)

(3)یعنی فرشتوں کا اختیار نہیں وہ تو تبھی نازل ہوتے ہیں جب انہیں حکم دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے:﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾''اے لوگو جو ایمان لائے ہو!اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جس پر تند مزاج سخت گیر فرشتے مقرر ہیں،جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے،اور اُنہیں جو حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں۔''(التحریم:6)

(4)﴿لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ﴾''اُسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے''یعنی جو دنیا اور آخرت میں ہے، ماضی حال مستقبل سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔اس کی تقدیر ہے۔جب اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے وہ اسے نافذ کرتا ہے اور جب اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے اسے مؤخر کر دیتا ہے۔

(5)﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾''اور آپ کا رب کبھی بھولنے والا نہیں ہے''یعنی آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو بھولنے والا نہیں جیسا کہ فرمایا:﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾''آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا ہے اور نہ وہ ناراض ہوا ہے۔''(الضحیٰ:3)

﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَ اصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ

''وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور اس کا رب ہے اور جو بھی ان دونوں کے درمیان ہے، چنانچہ آپ اس کی عبادت کرو اور

ع 4 15 7

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾

اُسی کی عبادت پر پوری طرح جمے رہو، کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں''(65)

سوال:اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا خالق اور حاکم ہے، اس کی وضاحت﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ...سَمِيًّا﴾کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾''وہ آسمانوں کا اور زمین کا اور اس کا رب ہے اور جو بھی ان دونوں کے درمیان ہے''یعنی اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق، مالک، حاکم اور متصرف ہے۔

(2)زمین اور آسمان میں اس کی ربوبیت، اور ان کا بہترین اور کامل ترین نظام کے مطابق رواں دواں رہنا، جس میں غفلت کا کوئی شائبہ ہے نہ کوئی چیز بے فائدہ ہے اور نہ کوئی چیز باطل ہے۔اس حقیقت پر قطعی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو شامل ہے، لہٰذا آپ ﷺ اپنے آپ کو اس میں مشغول نہ کریں بلکہ آپ ان امور میں اپنے آپ کو مشغول کریں جو آپ کو کوئی فائدہ دیتے ہیں اور جن کا فائدہ آپ کی طرف لوٹتا ہے اور وہ ہے اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت جس کا کوئی شریک نہیں۔(تفسیر سعدی:1588/2)

(3)سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ پریشانی کے وقت یہ دعا کرتے تھے:''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بہت جاننے والا بڑا بردبار ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عرش عظیم کا رب ہے۔اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں جو آسمانوں کا رب ہے، زمین کا رب اور عرش کریم کا رب ہے۔''(بخاری:7426)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(4) رب وہ ہے جو بتدریج نشو ونما کرتا ہے وحی کے نزول میں آنے والے وقفے کے حوالے سے رب العزت نے فرمایا کہ وہ آسمان وزمین اور جو اُن کے درمیان ہے ہر چیز کی نشوونما کرنے والا ہے وہ بہتر جانتا ہے کہ کس ترتیب کے ساتھ کب کون سے احکامات لائے جائیں۔

(5) ﴿فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ﴾ ''چنانچہ آپ اس کی عبادت کرو اور اُسی کی عبادت پر پوری طرح جمے رہو'' یعنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کا پابند بنائیں اور اس کے اوامر ونواہی پر کاربند ہوجائیں۔

(6) اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہیں اور اس کو کامل ترین طریقے سے قائم کریں۔

(7) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (۱۳۱) وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْــَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى (۱۳۲)﴾ ''اور آپ نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں اس کی طرف جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو سروسامان دیا ہے، دنیا کی زندگی کی زینت ہے تاکہ ہم انہیں اس آزمائش میں ڈالیں اور آپ کے رب کا رزق ہی بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی اس پر خوب پابند رہیں، ہم آپ سے کوئی رزق نہیں مانگتے، رزق تو ہم ہی آپ کو دیں گے۔ اور آخری انجام تو تقویٰ (والوں) کے لیے ہے۔'' (طٰہٰ: 132،131)

(8) عبادت پر قائم رہنے کے لیے زمین والوں کو اپنی ساری سرگرمیوں میں آسمان والے کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ انسان مادی ضروریات کی کشمکش میں پھنستا ہے۔ اس بھنور سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے جس کی بہترین صورت صلوٰۃ ہے۔ خواہشات نفس کے دباؤ میں انسان مجبور ہوجاتا ہے۔ ان مجبوریوں سے اُوپر اُٹھنے کے لیے حوصلوں کی ضرورت ہے جو کلام اللہ کے ساتھ مستقل تعلق کے بغیر نہیں آتا جو تواصوا بالحق اور تواصوا بالصبر کے ساتھ آتا ہے۔

(9) ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا﴾ ''کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں'' یعنی کوئی اس کے مثل، اس جیسا نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

(10) کیا آپ تمام مخلوق میں اس کی کوئی ہم نام، کوئی مشابہت اور مماثلت رکھنے والی ہستی جانتے ہیں؟ یہ استفہام نفی کا معنی دیتا ہے جو عقلاً معلوم ہے، یعنی آپ کسی ایسی ہستی کو نہیں جانتے جو اللہ تعالیٰ کی برابری کرنے والی، اس کے مشابہ اور مماثل ہو کیونکہ وہ رب ہے اور دوسرے مربوب، وہ خالق ہے اور دیگر تمام مخلوق، وہ ہر لحاظ سے بے نیاز ہے اور دیگر تمام ہر لحاظ سے ہر ذات محتاج ہیں، وہ کامل ہے جو ہر لحاظ سے کمال مطلق کا مالک ہے اور دیگر تمام ناقص ہیں، کسی میں کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کمال نہیں سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کر دیا۔ پس یہ اس حقیقت پر برہان قاطع ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا عبودیت کا مستحق ہے۔ اس کی عبادت حق اور ماسوا کی عبادت باطل ہے، اس لئے اس نے صرف اپنی عبادت کرنے اور اس پر پابند رہنے کا حکم دیا اور اس کی علت یہ بتلائی کہ وہ اپنے کمال، اپنی عظمت اور اسمائے حسنیٰ میں منفرد ہے۔ (تفسیر سعدی:1589/2)

﴿وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا﴾

''اور انسان کہتا ہے کہ کیا جب میں مرجاؤں گا تو واقعی جلد ہی میں زندہ کر کے نکالا جاؤں گا'' (66)

سوال: انسان کے دل میں یہ سوال کیوں پیدا ہوتا ہے کہ جب میں مرجاؤں گا تو دوبارہ اُٹھایا جاؤں گا، اس کی وضاحت ﴿وَيَقُولُ الْإِنسَانُ...حَيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيَقُولُ الْإِنسَانُ﴾ ''اور انسان کہتا ہے'' یعنی بعث کا، آخرت کے گھر کا اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا انکار کرنے والا کہتا ہے۔

(2) ﴿أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا﴾ ''کہ کیا جب میں مرجاؤں گا تو واقعی جلد ہی میں زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟'' انسان کے دل میں یہ سوال کہ جب میں مرجاؤں گا تو دوبارہ اُٹھایا جاؤں گا، غفلت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ نے ایسے انسانوں کی بات کو قابل تعجب قرار دیا ہے جو دوبارہ اٹھائے جانے پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَإِن تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ ''اور اگر تم تعجب کرو تو تعجب کے قابل اُن کی یہ بات ہے کہ کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا واقعتاً ہم یقیناً نئی تخلیق میں ہوں گے؟ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا کفر کیا اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی آگ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔'' (الرعد:5)

(4) ایک اور مقام پر رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ (٧٨) قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (٧٩)﴾ ''اور اُس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، اس نے کہا کہ اُن ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ بوسیدہ ہوں گی؟ آپ کہہ دیں کہ انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے اُنہیں پہلی بار پیدا کیا اور وہ ہر طرح کی تخلیق کو خوب جاننے والا ہے۔'' (یٰس:79,78)

(5) یعنی جب میں مر کر بوسیدہ ہو جاؤں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے کیسے زندہ کرے گا؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(6)﴿يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿١٠﴾ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿١١﴾ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿١٢﴾ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ فَإِذَا هُم بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٤﴾﴾ ''وہ کہتے ہیں: ''کیا بلاشبہ ہم واقعی پہلی حالت میں واپس لوٹائے جانے والے ہیں؟ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے؟'' انہوں نے کہا: ''تب یہ واپسی تو بڑی خسارے والی ہے۔'' چنانچہ وہ تو بس ایک ڈانٹ ہوگی۔ پھر اچانک وہ ایک کھلے میدان میں ہوں گے۔'' (النازعات:10-14)

(7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ) ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ اس کے لیے یہ مناسب نہ تھا۔ اس نے مجھے گالی دی حالانکہ یہ اس کا حق نہیں تھا۔ مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ کہتا ہے کہ میں اسے دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا جیسا کہ میں نے اسے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔ اس کا گالی دینا یہ ہے کہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے حالانکہ میں بے پرواہ ہوں، میرے ہاں نہ کوئی اولاد ہے اور نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور نہ کوئی میرے برابر کا ہے۔'' (بخاری:4975)

﴿أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا﴾

''اور کیا انسان یاد نہیں کرتا کہ یقیناً ہم نے اس سے پہلے بھی اسے پیدا کیا تھا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا'' (67)

سوال: اللہ تعالیٰ نے موت کے بعد کی زندگی کے لیے کیسے شعور دلایا ہے، اس کی وضاحت ﴿أَوَلَا ... شَيْئًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ﴾ ''اور کیا انسان یاد نہیں کرتا'' یعنی بعثت اور آخرت کا انکار کرنے والا۔ (ایسر التفاسیر:873)

(2) (i) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا انسان نے غور نہیں کیا کہ وہ موجود ہے اور اُسے پیدا کیا گیا تھا؟ (ii) انسان غور تو کرے کہ جب وہ نہیں تھا تو کہاں تھا؟ (iii) انسان غور و فکر کرے کہ وہ کچھ نہیں تھا اور اب ہے تو کیسے ہے؟ (iv) اگر وہ غور کر لے تو اُسے سمجھ آ جائے گی کہ پہلی بار پیدا کرنے کے مقابلے میں دوبارہ پیدا کرنا آسان کام ہے۔

(3) ﴿أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ﴾ ''کہ یقیناً ہم نے اس سے پہلے بھی اسے پیدا کیا تھا'' یعنی کیا وہ اپنی اس حالت کو یاد نہیں کرتا جب کہ وہ کچھ نہیں تھا اور جس ہستی نے اسے عدم سے وجود عطا کیا وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے اور ریزہ ریزہ ہونے کے بعد دوبارہ اکٹھا کرنے کی قدرت نہیں رکھتی؟ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ ''اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے، پھر وہی اُس کا اعادہ کرے گا اور وہ اُس پر آسان ترین ہے اور آسمانوں اور زمین میں سب سے اعلیٰ صفت اُسی کے لیے ہے اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔'' (الروم:27)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

(4)﴿اَوَلَا یَذْكُرُ الْاِنْسَانُ﴾ ”اور کیا انسان یاد نہیں کرتا“ رب العزت نے انتہائی شفقت سے غور وفکر کی دعوت دی ہے کہ کیا انسان کو یاد نہیں؟ اگر وہ یاد کرے گا تو وہ ہرگز انکار نہیں کرے گا۔

(5)﴿اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَكُ شَیْـًٔا﴾ ”کہ یقیناً ہم نے اس سے پہلے بھی اسے پیدا کیا تھا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا“ یعنی وہ بعثت کو جھٹلاتا اور اس کا انکار کرتا ہے اور وہ نہیں یاد کرتا کہ ہم نے اسے اس سے پہلے پیدا کیا جب کہ وہ کچھ نہیں تھا؟

(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا﴾ ”کیا انسان پر زمانے میں سے کوئی وقت ایسا بھی آیا ہے جب وہ قابلِ ذکر چیز ہی نہ تھا؟“ (الدھر:1)

(7)﴿اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ (۷۷) وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ (۷۸) قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ (۷۹)﴾ ”اور کیا انسان نے دیکھا نہیں کہ یقیناً ہم نے اُسے نطفے سے پیدا کیا؟ اچانک وہ کھلم کھلا جھگڑا کرنے والا ہے۔ اور اُس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، اس نے کہا کہ اُن ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ بوسیدہ ہوں گی؟ آپ کہہ دیں کہ انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے اُنہیں پہلی بار پیدا کیا اور وہ ہر طرح کی تخلیق کو خوب جاننے والا ہے۔“ (یٰسٓ:77-79)

﴿فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّیٰطِیْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ

”پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب کو شیاطین سمیت ضرور اکٹھا کریں گے پھر ہم ضرور اُنہیں جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل

جِثِیًّا﴾

گرے ہوئے حاضر کریں گے“(68)

سوال: زندگی بعد الموت یقینی ہے، اس کی وضاحت ﴿فَوَرَبِّكَ ... جِثِیًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿فَوَرَبِّكَ﴾ ”پس آپ کے رب کی قسم!“ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھا کر کہا ہے کہ لازماً تمام لوگوں کو اُٹھایا جائے گا۔ یہ ایک طے شدہ فیصلہ ہے۔

(2)﴿لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّیٰطِیْنَ﴾ ”ہم ان سب کو شیاطین سمیت ضرور اکٹھا کریں گے“ اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت والی ذات کی قسم کھا کر فرمایا کہ وہ تمام انسانوں اور جنوں کو ضرور اکٹھا کرے گا اور ایک مقررہ وقت پر جمع کرے گا۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

(3) یہاں شیاطین سے مراد بُرے لیڈر ہیں جو لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کرتے ہیں۔

(4)﴿ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا﴾ ''پھر ہم ضرور اُنہیں جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کریں گے''، یعنی ہولناکیوں کی شدت، زلزلے کی کثرت اور احوال کی خوفناکی کی وجہ سے وہ اپنے گھٹنوں کے بل آئیں گے اور بلند و برتر اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر ہوں گے۔(تفسیر سعدی:1590/2)

(5) اللہ تعالیٰ نے دُنیا کے جباروں اور قہاروں کے شعور کو یوں بیدار کیا ہے کہ حشر کے میدان میں جہاں بے حد وحساب لوگ جمع کر لیے گئے توہین آمیز انداز میں گھٹنوں کے بل گھسیٹ کر لایا جائے گا۔ وہ بے بسی سے دیکھیں گے، خوفزدہ ہوں گے، گھٹنوں کے بل چلیں گے اور اوندھے گرا دیئے جائیں گے جیسے چھوٹے لوگ گریں گے ویسے ہی بڑے بھی جا گریں گے۔

(6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمہیں وہ معلوم ہوتا جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔''(بخاری:6485)

(7) گھٹنوں کے بل بیٹھنا حساب کے خوف اور بُرے انجام کی وجہ سے ہوگا۔

﴿ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا﴾

''پھر ہم ہر گروہ میں سے ضرور کھینچ نکالیں گے جو اُن میں سے رحمان کے مقابلے میں زیادہ سرکش ہے''(69)

سوال: مجرموں کے جرم کی سنگینی کے اعتبار سے جماعتیں ہوں گی، اس کی وضاحت ﴿ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ ... عِتِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا﴾ ''پھر ہم ہر گروہ میں سے ضرور کھینچ نکالیں گے جو اُن میں سے رحمان کے مقابلے میں زیادہ سرکش ہے''، ہم ہر گروہ سے اور ہر فرقے سے ان لوگوں کو نکالیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر کیا اور جنہوں نے سرکشی اور ظلم کیا۔ یعنی جرم کی سنگینی کے اعتبار سے مجرموں کی جماعتیں بنادی جائیں گی۔ (2) ہر گروہ میں سے بڑے سرکشوں کو ہٹ دھرمی کی سزا دینے کے لیے الگ کرلیا جائے گا۔

(3)﴿عِتِيًّا﴾ ''سرکش'' عتو وہ شخص ہے جو سب سے بڑا سرکش اور ظالم ہے۔ اس کو عذاب میں سب سے آگے کیا جائے گا، پھر اس کو جو گناہ میں اس سے کم ہوگا اور وہ سب ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿قَالَ ادْخُلُوْا فِيْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَاؕ حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًاۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾﴾ ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''آگ میں داخل ہو جاؤ جنوں اور انسانوں کے گروہوں کے ساتھ جو تم سے پہلے گزر چکے۔'' جب بھی کوئی جماعت داخل ہوگی وہ اپنی ساتھی جماعت پر لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب وہ سب اُس میں آملیں گی تو اُن کی پچھلی اپنے سے پہلی جماعت کے بارے میں کہے گی: ''اے ہمارے رب! یہی لوگ ہیں جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا چنانچہ آپ اُنہیں آگ کا دوگنا عذاب دیں'' اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ''ہر ایک کے لئے دوگنا ہے اور لیکن تم نہیں جانتے۔'' اوران کی پہلی جماعت اپنی پچھلی کے لئے کہے گی: ''پھر تمہیں بھی ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں تھی تو تم عذاب کا مزہ چکھو، اس کے بدلے میں جو تم کماتے تھے۔'' (الاعراف:39,38)

(4) جو لوگ رحمٰن کی بات نہیں مانتے مجرم تو وہ بھی ہیں مگر بڑے سرکش وہ ہیں جو رحمٰن کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں اور دوسروں کو بھی اُٹھائیں۔

﴿ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا﴾

''پھر یقیناً ہم اُن لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو جہنم میں داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں'' (70)

سوال: اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کے جرم کی مقدار معلوم ہے، اس کی وضاحت ﴿ثُمَّ لَنَحْنُ... صِلِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا﴾ ''پھر یقیناً ہم اُن لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو جہنم میں داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ کون جہنم میں جھونکے جانے کا زیادہ حق دار ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ کو یہ بھی خوب معلوم ہے کہ دنیا میں انہوں نے کیسے اعمال کیے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون ہمیشہ کی آگ میں جلتا بھنتا رہے گا اور کون دگنے عذاب کا حق دار ہے۔

(3) مجرموں کو ان کے جرم کی سنگینی کے اعتبار سے عذاب دیا جائے گا۔ جن لوگوں نے گمراہ کیا اور جو ان کے پیچھے چلے اللہ تعالیٰ سب کے اعمال کو جانتا ہے۔ اس کا فیصلہ عدل پر مبنی ہوگا۔

﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾

''اور تم میں سے ہر شخص اُس پر سے گزرنے والا ہے، یہ ہمیشہ سے آپ کے رب کی حتمی بات ہے جس کا فیصلہ کیا ہوا ہے'' (71)

سوال: جہنم سے ہر شخص گزرے گا، اس کی وضاحت ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ... مَّقْضِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:(1)﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا﴾ ''اور تم میں سے ہر شخص اُس پر سے گزرنے والا ہے'' اللہ رب العزت نے یہ خطاب مومنوں اور کافروں، صالح اور بدکار سب ہی قسم کے لوگوں سے کیا ہے کہ مخلوق میں سے کوئی ایسا نہیں جو جہنم پر وارد نہ ہو۔

(2)﴿كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا﴾ ''یہ ہمیشہ سے آپ کے رب کی حتمی بات ہے جس کا فیصلہ کیا ہوا ہے'' یعنی یہ رب العزت کا حتمی فیصلہ ہے۔ یہ اس کا نافذ ہونے والا فیصلہ ہے۔ لیکن وارد ہونے کے معنی میں اختلاف ہے۔

(3) صحیح احادیث میں اس پل کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ جہنم کے اُوپر ایک پل بنایا جائے گا جس سے ہر ایک کو گزرنا ہوگا۔ مومن کافر سب ہی گزریں گے۔ مومن نیک اعمال کی وجہ سے جلد گزر جائیں گے کچھ پلک جھپکنے میں، کچھ ہوا کی طرح، کچھ پرندوں کی طرح، کچھ عمدہ گھوڑوں کی طرح، کچھ سواریوں کی طرح، کچھ صحیح سالم، کچھ زخمی لیکن پل عبور کرلیں گے، کچھ جہنم میں گر پڑیں گے جنہیں شفاعت کے ذریعے نکال لیا جائے گا۔ کافر اس پل کو عبور کرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے اور سب جہنم میں گر پڑیں گے۔

(4) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ دوزخ میں وارد ہوں گے پھر اپنے عملوں کے موافق اس سے نکلیں گے سو پہلا گروہ ایسا جائے گا جیسے بجلی چمکتی ہے (جن کے اعمال بہت اچھے ہوں گے)، دوسرا جیسے ہوا، تیسرا جیسے گھوڑا دوڑے، چوتھا جیسے سواری لیے ہوئے اونٹ، پانچواں جیسے دوڑتا ہوا آدمی، چھٹا جیسے آدمی چلتا ہو'' (جامع ترمذی: 3159)

(5) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ! پل کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ ایک پھسلواں گرنے کا مقام ہے اس پر سنسنیاں ہیں، آنکڑے ہیں، چوڑے چوڑے کانٹے ہیں، ان کے سر خمدار سعدان کے کانٹوں کی طرح ہیں، جو نجد کے ملک میں ہوتے ہیں۔ مومن اس پر پلک مارنے کی طرح، بجلی کی طرح، ہوا کی طرح، تیز رفتار گھوڑے اور سواری کی طرح گزر جائیں گے۔ ان میں بعض تو صحیح سلامت نجات پانے والے ہوں گے اور بعض جہنم کی آگ سے جھلس کر بچ نکلنے والے ہوں گے۔ یہاں تک کہ آخری شخص اس پر سے گھسٹتے ہوئے گزرے گا۔'' (صحیح بخاری: 7439)

(6) ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مجھے امید ہے کہ جو لوگ بدر کی لڑائی اور حدیبیہ کی صلح میں حاضر تھے ان میں سے کوئی جہنم میں نہیں جائے گا اگر اللہ تعالیٰ چاہے۔'' میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے تم

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

میں سے کوئی ایسا نہیں جو جہنم پر وارد نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے بعد تم نے نہیں پڑھا: ''پھر ہم اُن لوگوں کو بچا لیں گے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے اور ہم ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔'' (یا اللہ تو ہم کو بھی اپنی رحمت سے پار کرا دے آمین یا ارحم الراحمین) (ابن ماجہ:4281)

(7) سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''پل صراط جہنم کے دونوں کناروں پر رکھا جائے گا (جیسے دریا کا پل دونوں کناروں پر ہوتا ہے) اس پر سعدان کے کانٹوں کی طرح کانٹے ہوں گے۔ پھر لوگ اس پر سے گزرنا شروع کریں گے تو بعض لوگ صحیح سلامت گزر جائیں گے (ان میں بجلی کی طرح گزر جائیں گے، بعض ہوا کی طرح، بعض پیدل کی طرح) اور بعض کے کچھ اعضاء کٹ کر جہنم میں گریں گے پھر نجات پا جائیں گے اور بعض اسی پر اٹکے رہیں گے اور بعض اوندھے منہ جہنم میں گریں گے۔'' (ابن ماجہ:4280)

﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا﴾

''پھر ہم اُن لوگوں کو بچا لیں گے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے اور ہم ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے'' (72)

سوال: جہنم سے ہر شخص گزرے گا لیکن پرہیز گار نجات پا جائیں گے، اس کی وضاحت ﴿ثُمَّ نُنَجِّي ۔۔۔ جِثِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا﴾ ''پھر ہم اُن لوگوں کو بچا لیں گے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے'' جب تمام لوگ پل صراط سے گزریں گے اور کافر کٹ کٹ کر اس میں گر رہے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جو اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر اس کی اطاعت کرتے رہے، اس کے عائد کردہ فرائض کو ادا کرتے رہے اور اس نے جن معاصی سے روکا ان سے اجتناب کرتے رہے ایسے متقیوں کو ان کے اعمال کے مطابق سلامتی سے پل صراط پر سے گزار دیا جائے گا۔ ان کی رفتار دنیا میں کیے گئے اعمال کے مطابق ہوگی۔

(2) ﴿وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ﴾ ''اور ہم ظالموں کو چھوڑ دیں گے'' اور ظالم جنہوں نے تکبر کیا، جو کفر اور بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتے رہے۔

(3) ﴿فِيهَا جِثِيًّا﴾ ''اس میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا'' ظالموں کو گھٹنوں کے بل گرا دیا جائے گا۔ یہ ان کے ظلم اور کفر کی وجہ سے ہوگا۔ ان کی نجات کے سارے اسباب ختم ہو جائیں گے۔

(4) اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو اوندھے منہ جہنم میں گرا ہوا دکھا کر یہ احساس دلایا ہے کہ دُنیا اور دنیا کی بڑائی کیسے منہ کے بل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جہنم میں گرانے والی ہے۔

﴿وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا

''اور جب انہیں ہماری واضح آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں نے کفر کیا وہ ان لوگوں سے کہتے ہیں جو ایمان لائے

أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا﴾

کہ ہم دونوں گروہوں میں سے کون سا مقام میں بہتر ہے اور مجلس میں زیادہ اچھا ہے'' (73)

سوال 1: کافر اپنی دنیوی خوش حالی پر فخر کرتے ہیں، اس کی وضاحت ﴿وَإِذَا تُتْلَىٰ ... نَدِيًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ﴾ ''اور جب انہیں ہماری واضح آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں'' یعنی جب کفار قریش اور توحید، نبوت، بعث اور جزا کے منکرین پر قرآن کے واضح دلائل پڑھے جاتے ہیں۔

(2) ﴿قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ ''وہ ان لوگوں سے کہتے ہیں جو ایمان لائے'' اللہ تعالیٰ کی آیات جو ایمان اور یقین میں اضافہ کرتی ہیں کافروں پر کتنی گراں گزرتی ہیں کہ وہ سن کر ایمان والوں پر فخر کرتے ہوئے اور ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں۔

(3) ﴿أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا﴾ ''کہ ہم دونوں گروہوں میں سے کون سا مقام میں بہتر ہے اور مجلس میں زیادہ اچھا ہے'' وہ دنیا میں اپنی خوش حالی کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مومنوں اور کافروں میں سے کون سا فریق دنیا میں مال اور مقام کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے؟

(4) وہ کہتے ہیں کہ ہمارا دین درست ہے تب ہی تو ہمارا مرتبہ تم سے اونچا ہے اور ہماری مجالس زیادہ شان دار ہیں، ہمارے گھر زیادہ خوب صورت ہیں، ہمارے حالات تم سے زیادہ اچھے ہیں۔ اگر ہمارا دین اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہوتا تو ہماری مجالس اتنی شان دار کیسے ہوتیں؟ جب کہ مسلمان دار ارقم میں چھپے ہوئے ہیں وہ بھلا کیسے حق پر ہو سکتے ہیں؟

(5) یعنی انہوں نے دنیا میں اپنے مال اور اولاد کی کثرت، اکثر آسائشوں کے حصول اور مجلس آرائیوں سے یہ نتیجہ نکالا کہ ان کے احوال اچھے ہیں اور اہل ایمان کا حال اس کے برعکس ہے، اس لئے وہ اہل ایمان سے بہتر ہیں اور یہ انتہائی فاسد دلیل ہے یہ چیز تقلیب حقائق میں شمار ہوتی ہے۔ ورنہ کثرت مال و اولاد اور خوبصورت منظر میں بہت سی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو ان لوگوں کی ہلاکت، شر اور شقاوت کی باعث ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1592/2)

(6) ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُونَا إِلَيْهِ ۚ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ﴾ ”اور کافروں نے ایمان والوں کے متعلق کہا کہ اگر یہ دین بہتر ہوتا تو وہ ہم سے پہلے اس کی طرف نہ آتے اور جب اُنھوں نے اس سے ہدایت نہیں پائی تو ضرور وہ کہیں گے: ”یہ تو پرانا جھوٹ ہے۔“ (الاحقاف:11)

سوال 2: قرآنی دعوت کا مقابلہ دُنیا کی مجلسوں اور مقام سے کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب: دُنیا میں جو لوگ دُنیا کی خاطر جیتے ہیں اور دُنیا ہی کی خاطر مر جانا چاہتے ہیں اُن کی ساری قوتیں اور صلاحیتیں دُنیا کمانے کے لیے لگ جاتی ہیں اور وہ دُنیا کی رونقیں اور مال اکٹھا کر لیتے ہیں جب کہ دوسری طرف جو لوگ رب کی خاطر جیتے ہیں وہ انسانوں کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں اور زمین کے بگاڑ کو ختم کرنے کے لیے ساری قوتیں اور صلاحیتیں لگا دیتے ہیں۔ ایسے لوگ دُنیا کی مصلحتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور آخرت کی مصلحتوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس وجہ سے ظاہری شان وشوکت سے محروم رہتے ہیں۔ یہی فرق لوگوں کے لیے غلط فہمی کا سبب بن جاتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جس کے پاس دُنیا کا مال واسباب ہے، رونقیں ہیں وہی کامیاب ہے۔ اسی وجہ سے وہ قرآنی دعوت کا مقابلہ اپنی مجلسوں اور مقام سے کرتے ہیں کہ دونوں میں سے کس کا مقام اور مجلسیں زیادہ اچھی ہیں؟ یہ معیار سراسر غلط ہے کیونکہ انسانوں کا ماضی یہ بتاتا ہے کہ جتنے لوگوں نے دُنیا کا مال اسباب اکٹھا کیا، جن کے پاس اقتدار رہا، لوگوں کی زندگی کے فیصلے جن کے ہاتھ میں رہے وہ سب مٹی میں مل گئے۔ کتنے ہی محل کھنڈر بن گئے، کتنی بستیاں ویران ہو گئیں جب کہ وہ لوگ جو دُنیا کی رونقیں اکٹھی نہ کر پائے، شاندار مجلسیں اور لوگوں کی بھیڑ اکٹھی نہ کر سکے آج دُنیا کی محبتوں اور عقیدتوں کا مرکز ہیں مثال کے طور پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام۔

سوال 3: اہل ایمان کی مجلسیں دُنیا پرستوں کو کیوں حقیر لگتی ہیں؟

جواب: بڑی بڑی مجلسوں کے مقابلے میں اہل ایمان کی مجلسوں میں نہ قیمتی لباس ہوتے ہیں، نہ مال و جمال، نہ کھانے پینے کے لذیذ سامان، نہ بہترین جائے قیام بلکہ مشقت، جدوجہد، قربانیاں اور کلمہ حق کی دعوت ہوتی ہے۔ اس لیے دونوں مجلسوں میں ظاہری چکا چوند والی مجلس لوگوں کو بھلی دِکھتی ہے۔ اسی لیے اہل مکہ کو دارالندوہ کی اجتماع گاہ، مسلمانوں کے دارالشوریٰ اور دارارقم کے مقابلے میں شاندار لگتی تھی۔

﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا﴾

”اور کتنے ہی زمانوں کے لوگ ہم نے ان سے پہلے بھی ہلاک کر دیے ہیں جو ان سے ساز وسامان اور دیکھنے میں زیادہ اچھے تھے؟“ (74)

سوال: اللہ تعالیٰ نے ظاہری زیب وزینت کی حقیقت کو کیسے سمجھایا ہے، اس کی وضاحت ﴿وَكَمْ ... اَثَاثًا وَّرِءْيًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جواب: (1)﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ ''اور کتنے ہی زمانوں کے لوگ ہم نے ان سے پہلے بھی ہلاک کر دیے ہیں'' کافروں نے جب مال کی بنیاد پر اپنے دین کو درست سمجھا تو رب العزت نے ان کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے فرمایا کہ کتنی جھٹلانے والی قوموں کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا جو تم سے پہلے گزر چکیں۔

(2)﴿هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا﴾ ''جو ان سے ساز و سامان اور دیکھنے میں زیادہ اچھے تھے'' یعنی جن کے گھر آسائش و آرام کے اعتبار سے تم سے زیادہ بہتر تھے، جن کا مال و متاع اور جن کی لذتیں تم سے زیادہ تھیں، جو زیادہ آسودہ حال تھے، جن کے مناظر پر کشش اور چہرے خوب صورت تھے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکے تو تم کیسے بچ سکتے ہو جب کہ تم لذتوں اور آسودگی میں، مال و متاع اور سہولتوں میں ان سے کم تر ہو؟

(3)اللہ تعالیٰ نے ماضی کے کھنڈروں تک انسانی شعور کو پہنچا کر یہ سمجھایا ہے کہ ان تباہ حال قوموں کو دیکھو، ان کے پاس کتنے مال و اسباب تھے، وہ تم سے زیادہ سرو سامان رکھتی تھیں اور ظاہری شان و شوکت میں کتنا بڑھی ہوئی تھیں مگر کیسے اُن کی فصل کٹ گئی لہٰذا اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈر جاؤ۔ پہلے لوگوں کو بھی دُنیا کے ساز و سامان نے اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچایا پھر تم کیسے بچ جاؤ گے؟

(4)رب العزت نے فرمایا:﴿اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ﴾ ''کیا تمہارے کافر اُن سے بہتر ہیں؟ یا تمہارے لیے اگلی کتابوں میں معافی ہے؟'' (القمر:43)

(5)اس سے یہ واضح ہو گیا کہ دنیا کے مال و متاع سے آخرت کے انعامات پر استدلال کرنا درست نہیں۔

(6)فرعون اور اس کی قوم کے سمندر میں غرق ہونے کے واقعے کو بیان کرتے ہوئے رب العزت نے فرمایا:﴿كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾﴾ ''وہ کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئے۔ اور کھیتیاں اور شان دار قیام گاہیں اور وہ سامانِ عیش جن میں وہ مزے اڑانے والے تھے۔'' (الدخان:25-27)

﴿قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا

''آپ کہہ دیں جو شخص گمراہی میں ہوتا ہے تو لازم ہے کہ اسے رحمٰن ایک مدت تک مہلت دے، یہاں تک کہ جب وہ اسے

مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ۭ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ

دیکھ لیں گے جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے عذاب یا قیامت، تو وہ ضرور جان لیں گے کہ کون ہے جو مقام میں بدتر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا﴾

ہے۔اور لشکر کے لحاظ سے زیادہ کمزور ہے؟" (75)

سوال: گمراہوں کو ڈھیل دی جاتی ہے، اس کی وضاحت ﴿قُلْ مَنْ ... مَدًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ﴾ "آپ کہہ دیں جو شخص گمراہی میں ہوتا ہے" یعنی ہم میں سے یا تم میں سے جو بھی گمراہی پر ہے یعنی جو حق کے راستے سے ہٹ گیا ہے، جو ایسے راستے پر چل پڑا ہے جو ہدایت کا راستہ نہیں۔ (جامع البیان: 136/116)

(2) ﴿فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا﴾ "تو لازم ہے کہ اسے رحمٰن ایک مدت تک مہلت دے" رب العزت اسے خوب ڈھیل دیتا ہے اور اسے سرکشی میں چھوڑ دیتا ہے۔ آخر کار وہ بھول جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے اور اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے پھر اسی حال پر اس کا دم نکل جاتا ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 1145/2)

(3) اللہ تعالیٰ گمراہوں کو امتحان کی وجہ سے ڈھیل دیتے ہیں۔ یہ ڈھیل کسی حق کی بنا پر نہیں دی جاتی۔

(4) جو کوئی گمراہی پر راضی ہے اور اس کے لیے کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی میں اضافہ فرما دیتا ہے۔ یہ اضافہ اس طرح ممکن ہوتا ہے کہ رب العزت ان کی گمراہی کی محبت اور چاہت میں اضافہ فرما دیتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی اختیار کرتے ہیں۔

(5) اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے قرآن مجید میں ایک اور مقام پر رب العزت نے فرمایا: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾ "اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسے پہلی بار وہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم انہیں چھوڑ دیں گے وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں گے۔" (الانعام: 110)

(6) ﴿حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ﴾ "یہاں تک کہ جب وہ اسے دیکھ لیں گے جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے عذاب یا قیامت" یعنی قتل، قید یا قیامت کی گھڑی جو اعمال کی جزا سزا کا آغاز ہے۔ وہ ان کو دیکھتے ہیں جن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

(7) ﴿فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا﴾ "تو وہ ضرور جان لیں گے کہ کون ہے جو مقام میں بدتر ہے اور لشکر کے لحاظ سے زیادہ کمزور ہے" یعنی اس وقت ان کو اپنے دعووں کی حقیقت معلوم ہو گی کہ کس قدر کمزور دعوے تھے۔ اس وقت انہیں یقین ہو جائے گا کہ وہ گمراہ تھے مگر تب علم فائدہ نہیں دے گا کیونکہ دنیا میں واپسی ممکن نہ ہو گی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ نیک اعمال کر سکیں۔

(8) انسان ڈھیل کی وجہ سے وقتی مہلت کو مستقل حالت سمجھ لیتا ہے۔ اس کا شعور اس وقت تک بیدار نہیں ہوتا جب تک عذاب نہ آ جائے یا قیامت نہ آ جائے یعنی مدت کے خاتمے کا اعلان نہ ہو جائے۔ جس انسان کا شعور دلیل سے بیدار نہیں ہوتا مدت کے خاتمے کا اعلان اس انسان کی سرکشی کو ختم کر دیتا ہے۔ پھر شعور پر پڑے ہوئے دبیز پردے ہٹ جاتے ہیں اور جس چیز کو انسان زندگی میں سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتا انجام اُسے سمجھا دیتا ہے۔ پھر اُسے پتہ لگ جاتا ہے کہ کس کا حال خراب ہے اور کس کا جتھا کمزور ہے۔

﴿وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ

”اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنھوں نے ہدایت پائی، ہدایت میں زیادہ کرتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں ہی آپ کے

رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا﴾

رب کے نزدیک ثواب اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں“ (76)

سوال 1: ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اضافہ کیا جاتا ہے، اس کی وضاحت ﴿وَيَزِيْدُ اللّٰهُ ... هُدًى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى﴾ ”اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنھوں نے ہدایت پائی، ہدایت میں زیادہ کرتا ہے“ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت سے ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اضافہ فرماتے ہیں۔ (2) اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے ان کی بصیرت اور یقین میں اضافہ فرماتے ہیں۔

(3) (i) ہدایت میں یقین کے اضافے کے ساتھ اضافہ ہوتا ہے۔ (ii) یہ یقین باہر سے اندر اُترتا ہے۔ (iii) یہ یقین ہر صورت حال میں صحیح Reasoning سے انسان کے اندر اُترتا ہے۔ (iv) یقین میں کیفیت کے اعتبار سے اضافہ ہوتا ہے۔ (v) یقین میں زندہ پودے کی طرح اضافہ ہوتا ہے جتنی کھاد ملے، جتنا پانی ملے، جتنی روشنی ملے، جتنی Care ملے ایمان کے پودے میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ جتنا علم ملے، جتنا اللہ تعالیٰ کا کام ملے، جتنا اچھا ماحول ملے، جتنے اچھے ساتھی ملیں جتنے غور و فکر کے مواقع ملیں اتنا ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ (vi) یقین پتھر کی طرح نہیں ہوتا کہ اس میں اضافہ ہی نہ ہو جہاں ہوا اسی طرح پڑا رہ جائے۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ ”اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تم میں سے کس کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا؟ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے، سو ان کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا ہے اور وہ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں۔“ (التوبہ:124)

(5) اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ شخص کے علم اور ایمان میں اضافہ فرماتے ہیں۔ اس کے لیے ہدایت کا راستہ آسان فرماتے ہیں اور اس کو ایسے کام انجام دینے کی توفیق عطا فرماتے ہیں جن کے بارے میں وہ گمان بھی نہیں کر سکتا۔

(6) اللہ تعالیٰ کے ہدایت میں اضافہ کرنے سے یہ دلیل ملتی ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا﴾ ”اور وہ لوگ جو ایمان لائے ایمان میں بڑھ جائیں۔“ (المدثر:31)

(7) اور فرمایا: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ ”بلاشبہ مومن وہی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی آیات اُن کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں وہ اُن کو ایمان میں بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر اعتماد کرتے ہیں۔“ (الانفال:2)

سوال 2: ہدایت کسے کہتے ہیں اور ہدایت یافتہ کون ہوتا ہے؟

جواب: (1) ہدایت سے مراد نفع مند علم اور عمل صالح کی توفیق ہے۔

(2) ہدایت یافتہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنے والی وحی کے نفع مند علم میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اضافہ کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے عمل صالح کرتا رہے۔

(3) ہدایت یافتہ ایسا شخص ہے جس کا ایمانی شعور بے دار ہو جائے اور صحیح رُخ پر کام کرنے لگے۔ (i) وہ شخص جس کے سامنے کوئی صورت حال پیش آئے تو وہ اس بارے میں Reasoning کرکے، خود غور و فکر کرکے اس کو اپنے لیے مفید بنا لے۔ (ii) وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی کے مطابق مستقل چل پڑے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر اور انجام کے اعتبار سے کیا چیز بہتر ہے، اس کی وضاحت ﴿وَالْبٰقِيٰتُ... مَّرَدًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اجر اور انجام کے اعتبار سے باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں۔

(2) ﴿وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ﴾ ”اور باقی رہنے والی نیکیاں“ یعنی آخرت کے لیے کیے جانے والے سارے اعمال یا پانچ نمازیں یا ﴿سبحان الله، والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر﴾ (تفسیر الاساس:3301/6)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

(3) یعنی باقی رہنے والے وہ اعمال جو کبھی منقطع نہیں ہوتے جبکہ دیگر اعمال منقطع ہوجاتے ہیں اور جو مضمحل نہیں ہوتے، یہ نیک اعمال ہیں مثلاً نماز، زکوۃ، روزہ، حج، عمرہ، قراءت قرآن، تسبیح وتکبیر، تحمید وتہلیل، مخلوق کے ساتھ حسن سلوک اور دیگر تمام اعمال قلب اور اعمال بدن وغیرہ۔ پس یہ تمام اعمال: ﴿خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا﴾ "آپ کے رب کے نزدیک ثواب اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں" یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان اعمال کا بہتر اجر وثواب ہے، اہل اعمال کے لئے ان اعمال کا فائدہ اور اجر بہت زیادہ ہے۔ یہ اسم تفضیل کو کسی اور جگہ استعمال کرنے کے باب میں ہے کیونکہ وہاں باقیات الصالحات کے سوا کوئی عمل صاحب عمل کو کوئی فائدہ دے گا نہ اس کا ثواب صاحب عمل کے لئے باقی رہے گا۔ یہاں باقیات صالحات کو ذکر کرنے کی مناسبت یہ ہے (واللہ اعلم) چونکہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ظالم کفار اپنے مال و اولاد اور حسن مقام وغیرہ کے دنیاوی احوال کو اپنے حسن حال کی علامت قرار دیتے ہیں، اس لئے یہاں آگاہ فرمایا کہ معاملہ اس طرح نہیں جس طرح وہ سمجھتے ہیں بلکہ عمل، جو سعادت کا عنوان اور فلاح کا منشور ہے، ان امور کی تعمیل ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور ان پر راضی ہے۔ (تفسیر سعدی: 1594،1593/2)

(4) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿خُذُوا جُنَّتَكُمْ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، أَمِنْ عَدُوٍّ قَدْ حَضَرَ؟، قَالَ: لَا، وَلَكِنْ جُنَّتَكُمْ مِنَ النَّارِ، قَوْلُ سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلهِ، وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ، فَإِنَّهُنَّ يَأْتِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُنْجِيَاتٍ، وَمُعَقِّبَاتٍ، وَهُنَّ الْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ﴾ "اپنی جنت لے لو۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: کیا دشمن سے جو پہنچنے والا ہے؟ فرمایا: "نہیں۔ بلکہ اپنی جنت آگ سے لے لو۔ یہ کہنا: اللہ تعالیٰ پاک ہے، تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ یقیناً یہ قیامت کے دن نجات دلوانے والے اور پہرہ دینے والے بن کر آئیں گے۔ اور یہی باقی رہنے والی نیکیاں ہیں۔" (مستدرک حاکم: 541/1)

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا﴾ "مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں ہی آپ کے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں، اور اُمید میں بھی زیادہ اچھی ہیں۔" (الکہف: 46)

(6) مرنے والے کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں، پھر دو چیزیں واپس آجاتی ہیں جبکہ ایک چیز باقی رہ جاتی ہے۔ مرنے والے کے ساتھ اس کے گھر والے اور اس کا مال اور اس کا عمل جاتے ہیں۔ اس کے گھر والے اور اس کا مال تو واپس آجاتے ہیں اور اس کا عمل باقی رہ جاتا ہے۔ (صحیح مسلم: 7424، صحیح بخاری: 6514)

(7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال، حالانکہ اس کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مال میں سے اس کی صرف تین چیزیں ہیں: جو کھایا اور ختم کر لیا، جو پہنا اور پرانا کر لیا اور جو اس نے (اللہ تعالیٰ کے راستے میں) دیا اور (یا آخرت کے لیے جمع کر لیا) اس کے علاوہ تو صرف جانے والا اور لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔'' (صحیح مسلم: 7422)

﴿اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا﴾

''تو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا کہ مجھے تو مال اور اولاد لازماً دیے ہی جاتے رہیں گے؟'' (77)

سوال 1: کفار سمجھتے ہیں کہ انہیں آخرت میں مال و اولاد ملے گا، ان کی تردید کی وضاحت ﴿اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ ...وَّوَلَدًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا﴾ ''تو کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے ہماری آیات کا انکار کیا'' یعنی جس نے وحی کو جھٹلایا۔ اس نے توحید، بعث، شرک، جزا اور معاصی کے چھوڑنے کو جھٹلایا اور وہ عاص بن وائل سہمی تھا۔ (ایسر التفاسیر: 876)

(2) ﴿وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا﴾ ''اور کہا کہ مجھے تو مال اور اولاد لازماً دیے ہی جاتے رہیں گے'' کیا اس کافر کی حالت پر تعجب نہیں ہوتا جس نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے انکار کو اپنے بہت بڑے دعوے کے ساتھ یکجا کر دیا ہے کہ اس کو آخرت میں بھی مال و اولاد سے نوازا جائے گا، یعنی وہ اہل جنت میں سے ہوگا۔ اس کا یہ دعویٰ سب سے زیادہ تعجب انگیز امور میں سے ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والا ہوتا اور پھر یہ دعویٰ کرتا تو معاملہ آسان تھا۔ یہ آیت کریمہ اگرچہ کسی معین کافر کے بارے میں نازل ہوئی ہے تاہم یہ ہر کافر کو شامل ہے جو اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ حق پر ہے اور وہ اہل جنت میں سے ہے۔ (تفسیر سعدی: 1595،1594/2)

(3) امام بخاری و مسلم نے سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ میں عاص بن وائل سہمی کے پاس اپنے قرض کی واپسی کے لئے آیا تو عاص کہنے لگا: جب تک تو محمد ﷺ کے ساتھ کفر نہیں کرے گا تیرے قرض نہ ادا کروں گا۔ سیدنا خباب رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تو مر کر دوبارہ زندہ ہو جائے تب بھی کفر نہ کروں گا۔ اس پر عاص نے کہا میں مروں گا پھر زندہ ہوں گا؟ سیدنا خباب رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں۔ تو عاص کہنے لگا: میرے پاس تب ہی آنا۔ میرے پاس اس وقت بھی مال اور اولاد سب کچھ ہوگا تیرا قرض ادا کر دوں گا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ''کیا پھر تو نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے ہماری آیات کا انکار کیا۔'' (ابن عباس: 249/2)

سوال 2: انسان اللہ تعالیٰ کی آیات کو ٹھکرا کر آخرت میں انعامات پانے کی باتیں کب کرتا ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:(1)انسان کے پاس جب دولت اور طاقت آجاتی ہے تو اس کے اندر سرکشی کی ہوا بھر جاتی ہے تب وہ ایسی باتیں کرنے لگتا ہے جو اُسے نہیں کرنی چاہئیں۔(2) جس انسان کو موت کے بعد کی زندگی پر یقین نہیں ہوتا وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو ٹھکرا کر آخرت میں انعامات پانے کی باتیں کرنے لگ جاتا ہے۔

﴿اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾

”کیا اُس نے غیب پر اطلاع پائی ہے یا اُس نے رحمٰن کے نزدیک کوئی عہد لے رکھا ہے“؟(78)

سوال:اللہ تعالیٰ نے انسان کی جھوٹی خود اعتمادی کی نفسیات کا علاج کیسے کیا ہے،اس کی وضاحت﴿اَطَّلَعَ... عَهْدًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے سوال کیا ہے کہ کیا اُسے غیب کا پتہ چل گیا ہے،فرمایا:﴿اَطَّلَعَ الْغَيْبَ﴾”کیا اُس نے غیب پر اطلاع پائی ہے“یعنی کیا اس نے غیب کے پردے کے پیچھے جھانک کر دیکھ لیا ہے کہ اسے قیامت کے دن مال اور اولاد دیئے جائیں گے۔

(2)﴿اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾”یا اُس نے رحمٰن کے نزدیک کوئی عہد لے رکھا ہے“یعنی اللہ تعالیٰ نے اس سے کوئی پکا وعدہ کر رکھا ہے کہ اسے ضرور مال اور اولاد دے گا؟ وہ تو ایسی بات کہتا ہے جس کے بارے میں وہ خود بھی نہیں جانتا۔مستقبل میں پیش آنے والے حالات کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔رسولوں کو بھی اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنی رب انہیں خبر دے دے۔

﴿كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَ نَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا﴾

”ہرگز نہیں! جو کچھ وہ کہتا ہے وہ ہم ضرور لکھیں گے اور ہم اس کے عذاب میں اضافہ کریں گے، بہت اضافہ کرنا“(79)

سوال:اللہ تعالیٰ نے آئندہ بھی مال اور اولاد کی جھوٹی امید رکھنے والوں کو کیسے تنبیہ کی ہے،اس کی وضاحت﴿كَلَّا ...مَدًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿كَلَّا﴾”ہرگز نہیں!“یعنی نہ تو اُسے غیب کا علم ہے نہ اُس نے رحمٰن سے کوئی وعدہ لے رکھا ہے۔

(2)﴿سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ﴾”جو کچھ وہ کہتا ہے وہ ہم ضرور لکھیں گے“یعنی اس کے جھوٹ اور افتراء پردازی کو رب العزت نے محفوظ کر لیا ہے۔اسی کی بنا پر اسے عذاب ملے گا۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

(3)﴿وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا﴾ ''اور ہم اس کے عذاب میں اضافہ کریں گے، بہت اضافہ کرنا'' یعنی جیسے وہ گمراہی میں بڑھتا گیا ہے قیامت کے دن اس کے عذاب کو بھی اسی طرح بڑھایا جائے گا۔

(4) یہ استدراج ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ ''ہم اُنہیں اسی لئے مہلت دے رہے ہیں تا کہ وہ گناہ میں اور زیادہ بڑھ جائیں اور اُن کے لئے رُسوا کن عذاب ہے۔'' (آل عمران:178)

﴿وَنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا﴾

''اور جو کچھ وہ کہہ رہا ہے ہم اُس کے وارث ہوں گے اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا'' (80)

سوال: اللہ تعالیٰ نے حشر کی بے سروسامانی کو کیسے انسان کے شعور میں راسخ کیا ہے، اس کی وضاحت ﴿وَنَرِثُهٗ... فَرْدًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿وَنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ﴾ ''اور جو کچھ وہ کہہ رہا ہے ہم اُس کے وارث ہوں گے'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم اُن سے مال اور اولاد تو ایسے لے لیں گے جیسے وارث اپنا ورثہ لیتا ہے۔

(2) وہ تو اپنے مال اور اولاد کے بغیر آخرت میں منتقل ہوگا۔

(3)﴿وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا﴾ ''اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا'' یعنی وہ اکیلا ہمارے سامنے حاضر ہوگا۔ اس کے پاس نہ مال ہوگا اور نہ اولاد۔ وہ بے بس ہوگا۔ اپنے جھٹلانے، مذاق اُڑانے اور تکبر کرنے کے جرائم کے ساتھ ہوگا۔

(4) یعنی آخرت میں اس کے پاس کچھ نہیں ہوگا اور وہ بدترین عذاب کا سامنا کرے گا۔

﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا﴾

''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنائے ہیں تا کہ وہ اُن کے لیے باعث عزت ہوں'' (81)

سوال: لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسری ہستیوں کو شریک کیوں بنا لیتے ہیں، اس کی وضاحت ﴿وَاتَّخَذُوْا... عِزًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً﴾ ''اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنائے ہیں'' یعنی مشرکوں نے جھوٹے معبود بنائے ہیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔

(2)﴿لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا﴾ ''تا کہ وہ اُن کے لیے باعث عزت ہوں'' تا کہ ان بتوں کی وجہ سے انہیں عزت اور مدد ملے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

(3)(i)شرک اس وجہ سے ہوتا ہے کہ لوگ چاہتے ہیں کہ کچھ ہستیاں جو اللہ تعالیٰ کی محبوب ہوں وہ انسان کی سفارش کر دیں۔(ii)لوگ شرک اس لیے کرتے ہیں کہ شرکاء سے غلبہ اور مدد مل جائے۔

(4)ان کی یہ حسرت دل ہی میں رہ جائے گی اور ان کے خواب پورے نہ ہوں گے کیونکہ یہ معبودان کی عبادت ہی کا انکار کریں گے جیسا کہ فرمایا:﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ (٥) وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ (٦)﴾ ''اور اُس سے بڑا گمراہ کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے سوا اُنہیں پکارتا ہے جو قیامت کے دن تک اُسے کوئی جواب نہیں دے سکتے؟ حالانکہ وہ اُن کی دُعا ہی سے غافل ہیں۔اور جب تمام انسان جمع کر دیے جائیں گے تو وہ اُن کے دُشمن ہو جائیں گے اور اُن کی عبادت کا انکار کرنے والے ہوں گے۔'' (الاحقاف:6،5)

ع 5 17 8

﴿كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾

''ہرگز نہیں! جلد ہی وہ ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان کے خلاف مدمقابل ہو جائیں گے''(82)

سوال:مشرکوں کے معبود عبادت ہی کا انکار کر دیں گے،اس کی وضاحت﴿كَلَّا...ضِدًّا﴾کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿كَلَّا﴾''ہرگز نہیں''یعنی معاملہ وہ نہیں ہوگا جو انہوں نے گمان کیا ہے جس کی انہوں نے امید رکھی ہے۔

(2)﴿سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ﴾''جلد ہی وہ ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے''یعنی قیامت کے دن جھوٹے معبود اپنے پجاریوں کی عبادت کا انکار کر دیں گے۔

(3)﴿وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا﴾''اور اِن کے خلاف مدمقابل ہو جائیں گے''جھوٹے معبود قیامت کے دن اُلٹا مخالف بن جائیں گے۔وہ دنیا میں اپنی عبادت کرنے والے انسانوں کے خلاف گواہی دیں گے،اُن کو جھٹلائیں گے اور اُن کے خلاف ہو جائیں گے۔

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا﴾

''کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ یقیناً ہم نے کافروں پر شیاطین بھیج دیے ہیں جو انہیں اُبھار رہے ہیں،خوب اُبھارنا''(83)

سوال:کافروں پر شیاطین کیسے بھیج دیئے جاتے ہیں،اس کی وضاحت﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّآ...اَزًّا﴾کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾''کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ یقیناً ہم نے کافروں

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

پر شیاطین بھیج دیے ہیں'' یہ کافروں کی سزا ہے۔ کافر جب اللہ تعالیٰ کی بات کا انکار کرتے ہیں تو شیطان کی آمد کا راستہ کھل جاتا ہے۔ اس کے بعد شیاطین انسان کو اکساتے ہیں اور گمراہ کرتے ہیں۔ انسان کا ذہن الٹ جاتا ہے تو اسے ہر دلیل الٹی نظر آتی ہے۔ یوں انسان کی سرکشی میں اضافہ ہوتا ہے اور شیاطین نافرمانی کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں۔

(2) ﴿تَؤُزُّهُمْ اَزًّا﴾ ''جو انہیں اُبھار رہے ہیں، خوب اُبھارنا'' یعنی شیاطین شہوات اور معاصی پر خوب ابھارتے ہیں۔

(3) اللہ تعالیٰ کے ذکر کو چھوڑنے والوں پر بھی اللہ تعالیٰ شیاطین مسلط کر دیتے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾ ''اور جو شخص رحمان کے ذکر سے اندھا بن جاتا ہے ہم اُس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہی اُس کا ساتھی بن جاتا ہے۔'' (الزخرف:36)

(4) یہ کفار کی سزا ہے۔ اس لیے کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکموں کو نہیں مانا اور نہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑا بلکہ اس کے برعکس انہوں نے شرک کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یعنی شیاطین کے ساتھ موالات رکھی، تو اللہ تعالیٰ نے شیاطین کو ان پر مسلط کر دیا اور شیاطین نے ان کو ورغلا کر گناہوں پر آمادہ کرنا شروع کر دیا۔ وہ انہیں کفر کی ترغیب دیتے ہیں، انہیں وسوسوں میں مبتلا کرتے ہیں، ان پر القاء کرتے ہیں اور ان کے سامنے باطل کو مزین کر کے اور حق کو بدنما بنا کر پیش کرتے ہیں۔ پس باطل کی محبت ان کے دلوں میں داخل ہو کر جا گزیں ہو جاتی ہے۔ وہ باطل کی خاطر اسی طرح کوشش کرتے ہیں جس طرح حق پرست حق کے لئے جدوجہد کرتے ہیں، وہ اپنی کوشش اور سعی سے باطل کی مدد کرتے ہیں اور باطل کے راستے میں حق کے خلاف جدوجہد کرتے ہیں اور یہ سب کچھ اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اپنے حقیقی دوست اور سرپرست سے منہ موڑ کر اپنے دشمن کو دوست بنا لیا اور اپنے آپ کو اس کے تسلط میں دے دیا۔ ورنہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آتے اور اس پر بھروسہ کرتے تو شیطان ان پر کبھی تسلط قائم نہ کر سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾﴾ ''ان لوگوں پر یقیناً اس کا کوئی غلبہ نہیں جو ایمان لائے اور جو اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس کا زور تو صرف ان ہی پر چلتا ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور جو اس (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ شریک کرنے والے ہیں۔'' (النحل:100,99) (تفسیر سعدی:1596/2)

﴿فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''چنانچہ آپ ان پر جلدی نہ کریں یقیناً ہم اُن کے لیے دن شمار کر رہے ہیں، اچھی طرح شمار کرنا''(84)

سوال: کافروں پر عذاب لامحالہ آ ہی جائے گا، اس کی وضاحت ﴿فَلَا تَعْجَلْ ... عَدًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ﴾ ''چنانچہ آپ ان پر جلدی نہ کریں'' یعنی آپ ان کافروں کے بارے میں جلدی نہ کریں جو عذاب کے لیے جلدی مچاتے ہیں۔

(2) ﴿إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا﴾ ''یقیناً ہم اُن کے لیے دن شمار کر رہے ہیں، اچھی طرح شمار کرنا'' ہم نے انہیں چند دنوں کی ڈھیل دی ہے۔ عذاب تو ان پر لامحالہ آنے ہی والا ہے اور یہ اس میں یقیناً پھنس ہی جانے والے ہیں۔ (مختصر ابن کثیر: 2/1148)

(3) یعنی اس کے لئے دن مقرر کر دیئے گئے ہیں جن میں کوئی تقدیم ہوگی نہ تاخیر۔ ہم انہیں کچھ مدت کے لئے مہلت دے کر بردباری سے کام لے رہے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ جب اس مہلت کا کوئی فائدہ نہ ہوا تو ہم اسے ایک غالب اور مقتدر ہستی کی طرح اپنی گرفت میں لے لیں گے۔ (تفسیر سعدی: 2/1596)

(4) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ﴾ ''اور آپ اللہ تعالیٰ کو ہرگز غافل خیال نہ کریں اس سے جو ظالم کرتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کے لیے ڈھیل دے رہا ہے جس میں نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔'' (ابراہیم: 42)

(5) اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اعمال لکھوانے کے لیے فرشتے مقرر کیے ہوئے ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ﴾ ''مگر ہر جان کے اوپر ایک محافظ ہے۔'' (الطارق: 4)

(6) انسان کو جب یہ شعوری طور پر محسوس ہونے لگتا ہے کہ کوئی اُس کے اعمال کی نگرانی کر رہا ہے اور اس کی غلطیاں ریکارڈ ہو رہی ہیں تو اسے ہر وقت خوف لاحق رہتا ہے۔ یوں اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔

﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا﴾

''جس دن ہم متقیوں کو مہمان بنا کر رحمٰن کی طرف جمع کریں گے''(85)

سوال: متقیوں کی جزا کی وضاحت ﴿يَوْمَ نَحْشُرُ ... وَفْدًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا﴾ ''جس دن ہم متقیوں کو مہمان بنا کر رحمٰن کی طرف جمع کریں گے'' متقی اہل ایمان جو اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر اس کی اطاعت کرتے ہیں، جو اس سے محبت رکھتے ہیں، جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کی خشیت رکھتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے اس کے نواہی سے رکتے ہیں ان کی جزا کا بیان ہے۔(2) اللہ تعالیٰ کا ڈر انسان کے لیے نہایت مفید ہے۔(i) اللہ تعالیٰ کا ڈر انسان کے ذہن سے ہر ہستی کے خوف کو نکال دیتا ہے۔(ii) اللہ تعالیٰ کا ڈر انسان کو بُرائیوں اور رب کی نافرمانیوں سے بچا لیتا ہے۔(iii) اللہ تعالیٰ کا ڈر انسان کو رب کا پسندیدہ بنا دیتا ہے۔(iv) ایسے ہی لوگ رب کے مہمان بن جاتے ہیں۔ (v) اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو قیامت کے روز مہمان کی صورت ہی لے جایا جائے گا۔

(3) اللہ تبارک وتعالیٰ دونوں گروہوں، یعنی متقین و مجرمین کے درمیان تفاوت بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ متقین کو، ان کے شرک و بدعات اور دیگر گناہوں سے بچنے کے سبب سے، قیامت کے روز، اکرام و تعظیم کے ساتھ اکٹھا کرے گا اور وہ وفود کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ ان کی منزل اور ان کا مطلوب و مقصود رحمٰن و منّان ہوگا اور یہ ضروری ہے کہ آنے والے کا دل امید سے لبریز ہو اور جس کے پاس آیا ہے اس پر حسن ظن ہو۔ پس اہل تقویٰ، اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بے پایاں احسان کی امید رکھتے ہوئے اور اس کی رضا کے گھر میں اس کی نوازشوں سے فیض یاب ہوتے ہوئے، اس کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور اس کا سبب ان کے وہ نیک اعمال ہوں گے جو انہوں نے آگے بھیجے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی اتباع کی اور بے شک اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے انبیاء و رسل کی زبان پر ان کے لئے اس ثواب کا عہد کر رکھا ہے۔ پس وہ نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کی طرف رواں دواں ہوں گے۔ (تفسیر سعدی: 1597/2)

(4) متقین کے بہترین انجام کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ سے ڈر جانے والوں کے لیے کامیابی کا ایک مقام ہے۔ باغات اور انگور ہیں۔ اور نوخیز ہم عمر لڑکیاں ہیں اور چھلکتے ہوئے جام ہیں۔ اُس میں نہ وہ کوئی لغو سنیں گے اور نہ کوئی جھوٹ۔ تیرے رب کی جناب سے یہ بدلہ ہے جو کافی انعام ہے۔'' (النبا: 31-36) (5) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کا حشر تین فرقوں میں ہوگا (ایک فرقہ والے) لوگ رغبت کرنے نیز ڈرنے والے ہوں گے۔ (دوسرا فرقہ ایسے لوگوں کا ہوگا کہ) ایک اونٹ پر دو آدمی سوار ہوں گے کسی اونٹ پر تین ہوں گے، کسی اونٹ پر چار ہوں گے اور کسی پر دس ہوں گے اور باقی لوگوں کو آگ جمع کرے گی (اہل شرک کا یہ تیسرا فرقہ ہوگا) جب وہ قیلولہ کریں گے تو آگ بھی ان کے ساتھ ٹھہری ہوگی جب وہ رات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گزاریں گے تو آگ بھی ان کے ساتھ وہاں ٹھہری ہوگی جب وہ صبح کریں گے تو آگ بھی صبح کے وقت وہاں موجود ہوگی اور جب وہ شام کریں گے تو آگ بھی شام کے وقت ان کے ساتھ موجود ہوگی۔'' (بخاری:6522)

﴿وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا﴾

''اور ہم مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانکیں گے'' (86)

سوال: مجرموں کے ساتھ حشر کے میدان میں کیسا سلوک ہوگا، اس کی وضاحت ﴿وَّنَسُوْقُ...وِرْدًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ ''اور ہم مجرموں کو ہانکیں گے'' یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا، جنہوں نے شرک اور نافرمانی کے کام کیے۔

(2) ﴿اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا﴾ ''جہنم کی طرف پیاسا'' انہیں پیاسا جہنم کی طرف ہانکا جائے گا۔

(3) رہے مجرم، تو ان کو پیاسا ہی جہنم کی طرف ہانکا جائے گا اور یہ ان کی بدترین حالت ہوگی کہ ان کو انتہائی ذلت ورسوائی کے ساتھ سب سے بڑے قید خانے اور بدترین عذاب میں، یعنی جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ وہ تھکے ماندے، سخت پیاسے ہوں گے، وہ مدد کے لئے پکاریں گے مگر ان کی مدد کی نہ جائے گی، وہ دعائیں کریں گے مگر ان کی دعائیں قبول نہ ہوں گی اور وہ سفارش تلاش کریں گے مگر ان کی سفارش نہ کی جائے گی۔ (تفسیر سعدی:1597/2)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ (٥١) لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ (٥٢) فَمَالِــُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ (٥٣) فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ (٥٤) فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ (٥٥) هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ (٥٦)﴾ ''پھر بلاشبہ تم ہی اے گمراہو! جھٹلانے والو! یقیناً تھوہر کا درخت کھانے والے ہو۔ پھر اسی سے پیٹ بھرنے والے ہو۔ پھر اس پر کھولتے ہوئے پانی سے پینے والے ہو۔ پھر پیاس کی بیماری والے اونٹ کی طرح پینے والے ہو۔ یہی ہے اُن کی مہمانی بدلے کے دن۔'' (الواقعۃ:51-56)

(5) ﴿هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ (٤٣) يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ (٤٤) فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ (٤٥)﴾ ''یہ وہی جہنم ہے جس کو مجرم لوگ جھٹلایا کرتے تھے۔ اُس کے اور کھولتے گرم پانی کے درمیان میں وہ چکر کھاتے رہیں گے۔ پس اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟'' (الرحمٰن:43-45)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾

''اُنہیں کسی سفارش کا اختیار نہیں ہوگا مگر جنہوں نے رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہے''(87)

سوال 1: مشرکوں کا کوئی سفارشی نہ ہوگا، اس کی وضاحت ﴿لَا يَمْلِكُوْنَ ... عَهْدًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ﴾ ''اُنہیں کسی سفارش کا اختیار نہیں ہوگا'' یعنی وہ سفارش کے مالک نہیں ہوں گے، نہ ہی انہیں سفارش کا کوئی اختیار ہوگا کیونکہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا﴾ ''آپ کہہ دیں کہ سفارش ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔'' (الزمر:44)

(2) مشرکوں کا کوئی سفارشی نہ ہوگا، یعنی ایمان والوں کی طرح ان کا کوئی سفارشی ہی کھڑا نہ ہوگا۔ مومن تو آپس میں ایک دوسرے کی اللہ تعالیٰ کی اجازت لے کر سفارش کر دیں گے مگر ان بدبختوں کی سفارش کوئی بھی نہیں کرے گا۔ (مختصر ابن کثیر:1148/2)

(3) ﴿اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا﴾ ''مگر جنہوں نے رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہے'' سفارش کرنے والوں کی سفارش ان ہی کے کام آئے گی جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان کے ذریعے اور اس کی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے عہد لیا۔ پھر وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا جن سے رحمٰن راضی ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (۲۸)﴾ ''وہ جانتا ہے جو اُن کے سامنے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے اور وہ سفارش نہیں کرتے مگر اس کے لیے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرے اور وہ اس کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔'' (الانبیاء:28)

سوال 2: رحمٰن کے عہد سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) رحمٰن کے عہد سے مراد ایمان اور رسولوں کی اتباع ہے۔ رحمٰن کے عہد میں بندھے ہوئے لوگوں کو ہی جزا ملے گی۔

(2) عہد کا مطلب ایمان اور تقویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں سفارش کی اجازت اہل ایمان اور اہل تقویٰ کو ہوگی۔

(3) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کے لئے ایک دعا ہوتی ہے جو ضرور قبول کی جاتی ہے تو ہر نبی نے جلدی کی کہ اپنی اس دعا کو (دنیا ہی میں) مانگ لیا ہے اور میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے سنبھال رکھا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میری شفاعت میری امت کے ہر اس آدمی کے لیے ہوگی جو اس حال میں مر گیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو۔'' (صحیح مسلم:491)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا﴾

''اور اُنہوں نے کہا کہ رحمٰن نے کسی کو بیٹا بنایا ہے'' (88)

سوال: کون لوگ رحمان کے لئے بیٹا تجویز کرتے ہیں، اس کی وضاحت ﴿وَقَالُوا...وَلَدًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا﴾ ''اور اُنہوں نے کہا کہ رحمٰن نے کسی کو بیٹا بنایا ہے'' یعنی عیسائی کہتے ہیں کہ رحمٰن نے اپنا بیٹا بنالیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ﴿الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ﴾ ''مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔'' (التوبہ:30)

(2) اور یہودی کہتے ہیں: ﴿عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ﴾ ''عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔'' (التوبہ:30)

(3) اور مشرکین کہتے ہیں فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ (4) اللہ تعالیٰ پاک ہے اور ان کی باتوں سے بہت بلند اور بڑا ہے۔

(5) جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے ہمیں مددگاروں کی ضرورت ہے ایسے ہی رب کو بھی ضرورت ہے تو وہ ربّ کے لیے بیٹا تلاش کرتے ہیں۔ جو لوگ خود بیٹوں کی تمنا رکھتے ہیں وہ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بھی بیٹوں کی تمنا ہے۔

﴿لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا﴾

''بلاشبہ تم یقیناً بڑی بھاری بات کو آئے ہو'' (89)

سوال: اللہ تعالیٰ نے شرک کی نفی کیسے کی ہے، اس کی وضاحت ﴿لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا﴾ ''بلاشبہ تم یقیناً بڑی بھاری بات کو آئے ہو'' (i) اللہ تعالیٰ نے شرک کو من گھڑت، بے بنیاد اور بے ہودہ قرار دیا ہے۔ (ii) اللہ تعالیٰ کو مخلوق جیسا سمجھنا ہی سخت بے ہودہ ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ جس نے پوری کائنات تخلیق کی ہو اُسے کوئی کمی لاحق ہو جائے اور پھر وہ اولاد کی تمنا کرنے لگے یا اولاد بنالے؟

(2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ ابن آدم نے مجھے جھٹلایا حالانکہ یہ اس کے لیے مناسب نہ تھا۔ اس نے مجھے گالی دی حالانکہ یہ اس کا حق نہیں تھا۔ مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ کہتا ہے کہ میں اسے دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا حالانکہ میں نے اسے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔ اس کا گالی دینا یہ ہے کہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے حالانکہ میں بے پرواہ ہوں، میرے ہاں نہ کوئی اولاد ہے نہ میں کسی کی اولاد اور نہ کوئی میرے برابر کا ہے۔''

(صحیح بخاری:4975)

(3) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: کون سا گناہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سب

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سے بڑا ہے؟ فرمایا: ''تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراؤ حالانکہ اس نے تمھیں پیدا کیا ہے۔'' میں نے کہا: یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ میں نے کہا: پھر کون سا؟ فرمایا: ''یہ کہ تم اپنے بچے کو اس خطرہ کی وجہ سے قتل کر دو کہ وہ تمھارے ساتھ کھائے گا۔ میں نے عرض کیا: پھر کون سا؟ فرمایا: ''یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔'' (صحیح بخاری:7520)

﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا﴾

''قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں'' (90)

سوال: اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانے پر کائنات کا ردعمل کیا ہے، اس کی وضاحت ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ ...هَدًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) انسان نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اس بات پر کائنات میں زلزلہ آیا ہوا ہے: ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ﴾ ''قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں'' یعنی ان کے بے ہودہ قول سے قریب ہے کہ آسمان اتنا عظیم ہونے کے باوجود پھٹ جائے۔

(2) ﴿وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ﴾ ''اور زمین شق ہو جائے'' اور زمین پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے۔

(3) ﴿وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا﴾ ''اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں'' اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر برابر ہو جائیں۔

(4) کائنات کی ہر چیز کے ردعمل سے شرک کی بنیاد ہی ہل گئی ہے۔

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ''بلاشبہ یقیناً اُن لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تین میں سے تیسرا ہے حالانکہ اس ایک ہی معبود کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اور اگر وہ اس بات سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ان لوگوں میں سے جنھوں نے کفر کیا ہے انھیں ضرور بہ ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔'' (المائدہ:73)

﴿اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا﴾

''کہ انھوں نے رحمٰن کے لیے کسی اولاد کا دعویٰ کیا ہے'' (91)

سوال: لوگوں نے رحمٰن کی اولاد کا دعویٰ کیوں کیا، اس کی وضاحت ﴿اَنْ ... وَلَدًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: ﴿اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا﴾ ''کہ انھوں نے رحمٰن کے لیے کسی اولاد کا دعویٰ کیا ہے'' لوگوں نے اپنے شعور کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نقص کی وجہ سے رحمٰن کے لیے انسان اور دوسری مخلوقات کی طرح اولاد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

﴿وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا﴾

''حالانکہ رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے''(92)

سوال: اللہ تعالیٰ اولاد سے بے نیاز ہے، اس کی وضاحت ﴿وَمَا ... وَلَدًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا﴾ ''حالانکہ رحمٰن کے لائق نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے'' رحمٰن کے لائق نہیں اور نہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو۔

(2) اولاد بنانا نقص کی دلیل ہے جب کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ مخلوق میں اس کے مثل کوئی نہیں۔ ساری مخلوق اس کی غلام ہے۔

(3) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (۱) اَللّٰهُ الصَّمَدُ (۲) لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ (۳) وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (۴)﴾ ''آپ کہہ دیجیے وہ اللہ ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ اور نہ کبھی کوئی ایک اُس کے برابر کا ہے۔'' (الاخلاص: 1-4)

﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾

''آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے، رحمٰن کے پاس غلام بن کر ہی آنے والا ہے''(93)

سوال: آسمان وزمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حضور کیسے حاضر ہوگی، اس کی وضاحت ﴿اِنْ ... عَبْدًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾ ''آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے، رحمٰن کے پاس غلام بن کر ہی آنے والا ہے'' زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حضور بندوں کی حیثیت میں حاضر ہونے والی ہے۔ (2) زمین وآسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی ہے اور اسی کے آگے جھکتی ہے۔

(3) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اکٹھا کر کے اپنے سامنے حاضر کریں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا﴾ ''اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس زمین میں رہو پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم تم سب کو اکٹھا کر کے لائیں گے۔'' (بنی اسرائیل: 104)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا﴾

”بلاشبہ یقیناً اُس نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور اُس نے ان سب کو خوب اچھی طرح شمار کر کے گن رکھا ہے“ (94)

سوال: اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنی قدرت کو کیسے ثابت کیا ہے، اس کی وضاحت ﴿لَقَدْ ...عَدًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا﴾ ”بلاشبہ یقیناً اُس نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور اُس نے ان سب کو خوب اچھی طرح شمار کر کے گن رکھا ہے“ اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ ہر ایک چیز کو اس نے گن رکھا ہے۔ نہ کوئی اس سے بھاگ سکتا ہے، نہ کوئی اس کے قابو سے باہر نکل سکتا ہے، نہ وہ کسی کو بھول سکتا ہے۔ اس نے ہر چیز کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے ان کو اور ان کے اعمال کو شمار کر رکھا ہے، نہ وہ بھولتا ہے اور نہ اس سے کچھ بھی چھپا ہوا ہے۔

﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا﴾

”اور اُن میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس اکیلا آنے والا ہے“ (95)

سوال: قیامت کے دن حاضری کیسے ہوگی، اس کی وضاحت ﴿وَكُلُّهُمْ ...فَرْدًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا﴾ ”اور اُن میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس اکیلا آنے والا ہے“ ہر ایک قیامت کے دن فرداً فرداً اللہ تعالیٰ کے آگے حاضر ہوگا اور کسی کا اس کے سوا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

(2) یعنی کسی کے ساتھ نہ اس کا مال ہوگا نہ مددگار صرف اس کے عمل ہی اس کے ساتھ ہوں گے جن کا اللہ تعالیٰ پورا پورا بدلہ دے گا۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ ”اور بلاشبہ تم ہمارے پاس یقیناً اکیلے آگئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور جو بھی ہم نے تمہیں دیا تھا تم اپنی پشتوں کے پیچھے چھوڑ آئے ہو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تمہارا گمان تھا کہ یقیناً وہ تمہارا کام بنانے میں حصہ دار ہیں بلاشبہ تمہارا رشتہ یقیناً ٹوٹ گیا اور تم سے وہ سب گم ہو گئے جن کو تم گمان کیا کرتے تھے۔“ (الانعام: 94)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾

''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں جلد ہی رحمٰن اُن کے لیے محبت پیدا کر دے گا'' (96)

سوال: اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی محبت دلوں میں پیدا فرما دیتا ہے، اس کی وضاحت ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ ... وُدًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کی ہیں'' یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، جنہوں نے اس کی اطاعت کی اور فرائض اور نوافل ادا کیے۔

(2) ﴿سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ ''جلد ہی رحمٰن اُن کے لیے محبت پیدا کر دے گا'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے ان بندوں پر انعام ہے جنہوں نے ایمان و عمل صالح کو جمع کیا کہ وہ ان کے لئے اپنے اولیاء اور زمین و آسمان کے رہنے والوں کے دلوں میں محبت اور مودت ڈال دیتا ہے۔ جب ان کے بارے میں دلوں میں محبت ہو جاتی ہے تو ان کے اکثر معاملات ان کے لیے آسان ہو جاتے ہیں اور ان کو بھلائی، دعائیں، راہنمائی اور امامت حاصل ہو جاتی ہے۔ (تفسیر سعدی: 1599/2)

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو سیدنا جبریل علیہ السلام کو آواز دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر وہ تمام آسمان والوں میں آواز دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر تمام آسمان والے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد وہ زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کے بندوں کا مقبول اور محبوب بن جاتا ہے۔'' (صحیح بخاری: 6040)

(4) سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: بندہ جو بھلائی برائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کی چادر اوڑھا دیتا ہے۔ سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ارادہ کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کروں گا کہ تمام لوگوں میں میری نیکی کی شہرت ہو جائے۔ اب وہ عبادت الٰہی کی طرف جھک پڑا۔ جب دیکھو نماز کے لیے مسجد میں سب سے اول آئے اور سب کے بعد جائے اسی طرح سات ماہ اسے گزر گئے لیکن اس نے جب بھی سنا یہی سنا کہ لوگ اسے ریاکار کہتے ہیں۔ اس نے یہ حالت دیکھ کر اب اپنے جی میں عہد کر لیا کہ میں صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے عمل کروں گا کسی عمل میں تو نہ بڑھا لیکن خلوص کے ساتھ اعمال شروع کر دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں میں ہر شخص کی زبان سے نکلنے لگا کہ اللہ تعالیٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فلاں شخص پر رحم فرمائے اب تو وہ واقعی اللہ والا بن گیا ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔(ابن کثیر:342)

﴿فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ

”سو یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے تاکہ آپ اس کے ساتھ پرہیزگاروں کو خوش خبری سنائیں اور ان لوگوں

قَوْمًا لُّدًّا﴾

کو اُس کے ساتھ ڈرائیں جو سخت جھگڑالو ہیں“(97)

سوال: قرآن خوش خبریاں دینے اور ڈرانے کے لیے نازل ہوا ہے، اس کی وضاحت ﴿فَاِنَّمَا۔۔۔لُّدًّا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ﴾ ”سو یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے“ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی نعمت کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس پر اس قرآن کریم کو آسان کیا۔ اس کے الفاظ و معانی کو عام فہم بنایا تاکہ مقصد حاصل ہو اور اس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔(تفسیر سعدی:1600/2)

(2) قرآن کو آسان کرنے کا مطلب قرآن حکیم کو پیغمبر کی زبان میں اُتارنا اور اس کے مضامین کو واضح کرنا ہے۔ قرآن حکیم کو خوش خبریاں دینے اور بُرے انجام سے ڈرانے کے لیے آسان کیا گیا ہے۔

(3) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ ”اور بلا شبہ یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے، تو کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟“ (القمر:17)

(4) ﴿لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ﴾ ”تاکہ آپ اس کے ساتھ پرہیزگاروں کو خوش خبری سنائیں“ یعنی آپ متقین کو جنت اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں اور دنیا میں عزت کی بشارت دیں۔(الثعالبی:42/4)

(5) ﴿وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا﴾ ”اور ان لوگوں کو اُس کے ساتھ ڈرائیں جو سخت جھگڑالو ہیں“ یعنی فاجروں کو ڈرائیں اور وہ کفار قریش تھے۔

(6) تاکہ آپ دنیاوی اور اخروی ثواب کی ترغیب کے ذریعے سے متقین کو بشارت دیں اور ان اسباب کا ذکر کریں جو بشارت کے موجب ہیں: ﴿وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا﴾ تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جو اپنے باطل میں نہایت سخت اور اپنے کفر میں نہایت قوی ہیں۔ اس طرح ان پر حجت قائم ہوگی اور ان کے سامنے صراط مستقیم واضح ہو جائے گی۔ تب جو کوئی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہلاک ہوگا تو دلیل کی بنیاد پر ہلاک ہوگا اور جو کوئی زندہ رہے گا تو دلیل کی طاقت سے زندہ رہے گا۔ (تفسیر سعدی:1600/2)

(7) قرآن مجید کے نزول کا مقصد واضح کرتے ہوئے رب العزت نے فرمایا: ﴿تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿٥﴾ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٦﴾﴾ ''یہ سب پر غالب، نہایت رحم والے کی جانب سے نازل کیا ہوا ہے۔ تاکہ آپ اس قوم کو خبردار کردیں جن کے باپ دادا کو خبردار نہ کیا گیا تھا تو وہ غافل ہیں۔'' (یٰسٓ:6،5)

﴿وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ

''اور ان سے پہلے کتنے ہی زمانے کے لوگوں کو ہم نے ہلاک کر دیا، کیا آپ ان میں سے کسی ایک کو بھی محسوس کرتے ہیں

تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا﴾

یا ان کی کوئی آہٹ بھی سنتے ہیں'' (98)

سوال: پہلی قوموں کے نام ونشان بھی باقی نہیں، اس کی وضاحت ﴿وَ كَمْ ... رِكْزًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ ''اور ان سے پہلے کتنے ہی زمانے کے لوگوں کو ہم نے ہلاک کر دیا'' یعنی آپ سے پہلے جن لوگوں نے انبیاء کو جھٹلایا وہ کتنی بڑی تعداد تھی اور کتنی زیادہ قومیں تھیں۔

(2) قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ نے جھٹلایا تو دیکھو اللہ تعالیٰ نے انہیں کیسے تباہ کر دیا۔ اب ان کا نشان بھی باقی نہیں۔

(3) ﴿هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا﴾ ''کیا آپ ان میں سے کسی ایک کو بھی محسوس کرتے ہیں یا ان کی کوئی آہٹ بھی سنتے ہیں'' یہاں ﴿رِكْزًا﴾ سے مراد خفیہ آواز ہے یعنی ان لوگوں کے آثار تک باقی نہ رہے۔ بس ان کے قصے باقی رہ گئے جو عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے عبرت ہیں اور ان کی کہانیاں باقی رہ گئیں جو نصیحت کے متلاشی لوگوں کے لئے نصیحت ہیں۔ (تفسیر سعدی:1600/2)

(4) کفر کرنے والے ہمیشہ غلط فہمی میں رہتے ہیں کہ ہمارا کچھ بگڑنے والا نہیں جو ہوا وہ دوسروں کے لیے تھا ہمارے ساتھ بننے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ قانون سبق کے لیے ہے اللہ تعالیٰ کا اُصول یہ ہے کہ اچھوں کی اچھی جزا اور بُروں کو سزا دی جائے لہٰذا کوئی مستثنیٰ نہیں۔

(5) جن لوگوں نے کفر کیا ان کے بارے میں بتایئے کیا آپ کی آنکھیں انہیں دیکھتی ہیں یا کان ان کی آواز سنتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ ان کے نام ونشان مٹ گئے اور افسانے باقی رہ گئے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اٰيَاتُهَا 135 — سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ - 20 - 45 — رُكُوْعَاتُهَا 8

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ اس کے آٹھ رکوع اور 135 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ بیسویں (20) سورت ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے پینتالیسویں (45) سورت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿طٰهٰ﴾

"طٰہٰ" (1)

سوال: ﴿طٰهٰ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) "طٰہٰ" یہ حروف مقطعات ہیں جن کے معنی کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (2) یہ نبی ﷺ کا نام نہیں ہے۔

﴿مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى﴾

"ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں" (2)

سوال 1: نبی ﷺ کو سمجھایا گیا کہ قرآن مجید کا نزول مشقت کے لیے نہیں ہے، اس کی وضاحت ﴿مَآ اَنْزَلْنَا ... لِتَشْقٰٓى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى﴾ "ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں" قرآن مجید کے نزول پر رسول اللہ ﷺ کو یہ پریشانی ہوتی تھی کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ نبی ﷺ کو سمجھایا گیا کہ قرآن مجید کا نزول مشقت کے لیے نہیں ہے۔

(2) قرآن مجید پر ایمان نہ لانے والوں کے لیے نبی ﷺ کی شدید پریشانی کے بارے میں رب العزت نے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ ”پس شاید آپ ان کے پیچھے غم ہی سے خودکو ہلاک کرنے والے ہیں کہ وہ اس کلام پر ایمان نہیں لاتے؟“ (الکہف:6)

(3) ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ ”شاید آپ خودکو ہلاک کرنے والے ہیں کہ وہ مومن کیوں نہیں ہوتے؟“ (الشعراء:3)

(4) اللہ رب العزت نے نبی ﷺ کو نصیحت فرمائی ہے: ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾ ”پس یقیناً اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، چنانچہ آپ کی جان اُن پر افسوس کر کے نہ جاتی رہے، یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو کچھ بھی وہ کرتے ہیں۔“ (فاطر:8)

(5) یہی مشقت تھی جو رسول اللہ ﷺ اُٹھا رہے تھے جس پر آپ کو سمجھایا گیا کہ لوگوں کے کفر اور اُن کے قرآن حکیم کی طرف مائل نہ ہونے کی وجہ سے خود کو حسرت میں مبتلا نہ کرلو، ان پر غم کر کے مشقت نہ اُٹھاؤ۔

(6) یعنی آپ کی طرف وحی بھیجنے، قرآن نازل کرنے اور آپ کو شریعت عطا کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ آپ کسی سختی میں مبتلا ہوں، (ایسا نہیں کہ) شریعت میں ایسی کوئی تکلیف ہو جو مکلفین پر شاق گزرے اور عمل کرنے والوں کے قویٰ اس پر عمل کرنے سے عاجز ہو جائیں۔ وحی، قرآن اور شریعت کو تو رحیم و رحمان نے نازل کیا ہے اور اسے سعادت اور فوز و فلاح کا راستہ قرار دیا، اسے انتہائی سہل رکھا، اس کے تمام راستوں اور دروازوں کو آسان بنایا اور اسے قلب و روح کی غذا اور بدن کی راحت قرار دیا۔ فطرت سلیم اور عقل مستقیم نے اسے قبول کر کے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا کیونکہ فطرت سلیم اور عقل مستقیم کو علم ہے کہ یہ دنیا و آخرت کی بھلائی پر مشتمل ہے۔ (تفسیر سعدی:1601/2)

(7) بعض روایت میں آیا ہے کہ ان دنوں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین رات کو کھڑے ہو کر بہت زیادہ قرآن پڑھا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی محنت اور ریاضت دیکھ کر کافر کہتے تھے کہ قرآن کیا اترا بے چارے محمد (ﷺ) مصیبت میں پڑ گئے۔ اس وقت یہ آیت اتری۔ (تیسیر القرآن:58/3)

(8) رب العزت نے واضح فرمایا کہ قرآن مشقت میں ڈالنے کے لیے نہیں۔

سوال 2: اس آیت میں نبی ﷺ کے احساس ذمہ داری کی شدت کا بیان ہے۔ اس کی مزید وضاحت کریں؟

جواب: (1) نبی ﷺ کو فریضہ رسالت کی ادائیگی کی ذمہ داری کا شدید ترین احساس تھا اسی وجہ سے آپ ﷺ بھٹکے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

انسانوں کی ہدایت کے لیے گھلے جاتے تھے۔(2)اولین محرک جو داعی کو تبلیغ کے لئے ہر وقت تڑپاتا رہتا ہے وہ اپنے فرض کا شدید ترین احساس ہے۔آپ ﷺ کے غیر معمولی اضطراب وفکر کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ بار بار آپ ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ اے رسول! آپ ﷺ پر یہ ذمہ داری ہرگز نہیں کہ آپ ﷺ کسی کے دل میں ہدایت ڈال دیں۔آپ ﷺ پر جو کچھ ذمہ داری ہے وہ صرف یہ ہے کہ آپ ﷺ دعوت حق پہنچا دیں۔﴿اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾"آپ پر پہنچا دینے کے سوا کچھ نہیں۔" (الشوریٰ:48)اور آپ ﷺ نے یہ کام بحسن وخوبی انجام دیا۔اب اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ ﷺ کی کوئی ذمہ داری نہیں،اللہ تعالیٰ خود ان کو سمجھ لے گا کہ یہ دنیا میں کیا کرتے رہے ہیں اور وہ ہر ایک کے عمل کا ٹھیک بدلہ دینے والا ہے۔آپ ﷺ کا فریضہ تو صرف اس قدر ہے کہ آپ ﷺ ان کو انجام بد سے ڈرا دیں اور نیک انجام کی خوشخبری سنا دیں:
﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا﴾"اور ہم نے آپ کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔" (الفرقان:56)

(3)ان تمام تسلیوں کے باوجود آپ ﷺ کا یہ حال ہے کہ آپ ﷺ بھٹکے ہوئے نادان انسانوں کی ہدایت کے لئے گھلے جاتے ہیں اور آپ ﷺ کے فکر واضطراب میں کمی نہیں آتی۔گمراہی سے بچانے اور ہدایت کی طرف بلانے کا شوق،تڑپ اور ولولہ اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق جب آپ اپنے چچا ابو طالب کو بستر مرگ پر دیکھتے ہیں تو احساس فرض اور شوق ہدایت سے بے تاب ہو کر سوز میں ڈوبی ہوئی دلگیر آواز میں دھیرے سے کہتے ہیں:
"چچا جان! آپ یہ کلمہ توحید کا اقرار کر لیں تو خدا کے حضور میں بھری عدالت میں آپ کے ایمان کی گواہی دوں گا۔"

(4) آخری حج کے موقع پر عرفات کے میدان میں اونٹنی پر سوار تقریباً ڈیڑھ لاکھ کے عظیم اجتماع کو یقین اور جوش وجذبے کی پوری قوت سے اللہ تعالیٰ کے احکام بتاتے اور ہدایتیں دیتے رہے لیکن ذمہ داری کے احساس کا یہ حال ہے کہ لوگوں سے پوچھتے ہیں: کل قیامت کے دن تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟ مجمع نے ایک آواز ہو کر کہا: اللہ کے رسول! ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا اور آپ نے رسالت کا حق ادا کر دیا۔آپ نے کھرے کھوٹے کی خوب خوب نصیحت فرما دی۔مجمع کی اس اجتماعی شہادت اور لرزا دینے والی آواز سے بھی آپ ﷺ کو تسلی نہ ہوئی۔آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف کرتے ہوئے لوگوں کی طرف جھکا دی اور فرمایا:(اے خدا! سن تیرے بندے کیا کہتے ہیں)"خدایا تو اپنے بندوں کی گواہی پر گواہ رہنا۔"

(5)ایک بار آپ ﷺ کو احساس فرض نے جھنجوڑا کہ نہ معلوم امت کے کتنے افراد ابھی موجود نہ ہوں اور ان تک بات نہ پہنچی تو آپ ﷺ نے حاضرین کو نصیحت فرمادی:"جو لوگ یہاں موجود ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ ان تمام لوگوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تک جو یہاں موجود نہیں ہیں میری باتیں پہنچادیں۔‘‘

(6)اور یہ آپ ﷺ کی اس شدت احساس کے طفیل ہے کہ چودہ سو سال سے یہ پیغام ان کروڑوں انسانوں کو برابر پہنچ رہا ہے جو اس دن عرفات میں موجود نہ تھے۔

(7)ذمہ داری کے شدید ترین احساس کی جو مثال محمد ﷺ نے دی اس سے پہلے نہ آسمان کی آنکھ نے کبھی دیکھی اور نہ اولاد آدم نے کبھی سنی اور نہ آئندہ اس کی توقع ہے۔(8)نزع کا عالم ہے درد کی تکلیف سے مضطرب ہیں، کبھی چادر منہ پر ڈالتے ہیں اور کبھی اُلٹ دیتے ہیں۔اسی غیر معمولی اضطراب میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا، زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:’’یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔‘‘سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چند اشرفیاں رکھوائی تھیں، اسی بے چینی کی حالت میں ایک بار فرمایا:’’عائشہ! وہ اشرفیاں کہاں ہیں؟ کیا محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ سے بدگمان ہو کر ملے گا؟ عائشہ! وہ اشرفیاں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کر دو۔‘‘(داعی اعظم:47,48)

سوال3: دین میں آسانی ہے، اسی وجہ سے نبی ﷺ نے دین میں شدت اختیار کرنے کے مقابلے میں میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین کی، اس کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:’’دین بہت آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی کرے گا تو وہ اس پر غالب آجائے گا۔(یعنی وہ شخص خود اپنی پیدا کردہ سختی کا متحمل نہیں ہو سکے گا)پس تم لوگ راست و میانہ روی اختیار کرو اور(ایک دوسرے سے)قریب رہو اور خوش ہو جاؤ(کہ تمہیں ایسا آسان دین ملا ہے)اور صبح اور دوپہر کے بعد اور کچھ دیر رات میں عبادت کرنے سے قوت حاصل کرو۔‘‘(بخاری:39)

(2)سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو ایک رسی کو دو ستونوں کے درمیان بندھا ہوا پایا۔آپ نے پوچھا:’’یہ رسی کس مقصد کے لیے ہے؟‘‘لوگوں نے بتلایا کہ یہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی رسی ہے، جب وہ(عبادت کرتے کرتے)تھک جاتی ہیں تو اس کے ساتھ سہارا لے لیتی ہیں۔نبی ﷺ نے فرمایا:’’ایسا نہ کرو، اسے کھول دو، تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ جب تک دل لگے نماز پڑھے، جب تھک جائے تو وہ بیٹھ جائے۔‘‘

(بخاری:1150، مسلم:784)

(3)ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ(ایک دفعہ)نبی ﷺ ان کے پاس آئے تو(دیکھا کہ)ان کے پاس کوئی عورت(بیٹھی)تھی۔آپ ﷺ نے پوچھا:’’یہ کون ہے؟‘‘عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں کہ یہ فلاں عورت ہے(اور)اس کی نماز(کی کثرت)کا حال بیان کرنے لگیں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا:’’ٹھہرو(دیکھو)تم اپنے ذمہ اسی قدر(اعمال کی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بجا آوری) رکھو جن کی (ہمیشہ کرنے کی) تم کو طاقت ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ (ثواب دینے سے) نہیں تھکتا تاوقتیکہ تم خود (عبادت کرنے سے) تھک جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک (سب سے) زیادہ محبوب وہ دین (کا کام) ہے جس پر اس کا کرنے والا مداومت (ہمیشگی) کرے۔'' (بخاری:1151،مسلم:785)

(4) سیدنا حنظلہ اسیدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے کاتبوں میں سے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا: اے حنظلہ رضی اللہ عنہ! تم کیسے ہو؟ میں نے کہا: حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ انہوں نے کہا: سبحان اللہ! تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ ﷺ ہمیں جنت و دوزخ کی یاد دلاتے رہتے ہیں، گویا کہ ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس سے نکل جاتے ہیں تو ہم بیویوں اور اولاد اور زمینوں وغیرہ کے معاملات میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آتا ہے۔ میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ چلے یہاں تک کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا وجہ ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ ﷺ کی خدمت میں ہوتے ہیں تو آپ ﷺ ہمیں جنت و دوزخ کی یاد دلاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ ہمارے لیے آنکھوں دیکھے ہو جاتے ہیں۔ جب ہم آپ ﷺ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو ہم اپنی بیویوں اور اولاد اور زمین کے معاملات وغیرہ میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے بہت ساری چیزوں کو بھول جاتے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم اسی کیفیت پر ہمیشہ رہو جس حالت میں میرے پاس ہوتے ہوئے ذکر میں مشغول ہوتے ہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر تم سے مصافحہ کریں اور راستوں میں بھی، لیکن اے حنظلہ! ایک ساعت (یاد کی) ہوتی ہے اور دوسری (غفلت کی)۔'' آپ ﷺ نے تین بار فرمایا۔ (بخاری:2750)

﴿اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى﴾

''مگر یہ تو نصیحت ہے، اُس شخص کے لیے جو ڈرتا ہے'' (3)

سوال: قرآن حکیم کس کے لیے نصیحت ہے، اس کی وضاحت ﴿اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى﴾ ''مگر یہ تو نصیحت ہے'' یعنی قرآن اللہ تعالیٰ کی خشیت رکھنے والوں کے لیے عبرت اور نصیحت کا خزانہ ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

(2) یعنی اس قرآن کے ساتھ ہر اس شخص کو نصیحت کر دو جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے۔ (ایسرالتفاسیر:881)

(3) اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو قرآن مجید کے ساتھ نصیحت کرنے کا حکم دیتے ہوئے رب العزت نے فرمایا: ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾ ''ہم اس کو زیادہ جاننے والے ہیں لوگ جو باتیں بناتے ہیں اور آپ اُن پر کوئی جبر کرنے والے نہیں ہو۔ آپ اس قرآن سے اُس شخص کو نصیحت کر دو جو میرے عذاب کے وعدے سے ڈرتا ہے۔'' (ق:45)

(4) ﴿اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ﴾ ''آپ صرف اسی شخص کو خبردار کرتے ہیں جس نے نصیحت کی پیروی کی اور رحمٰن سے بن دیکھے ڈرا سو اسے مغفرت اور باعزت اجر کی بشارت دے دیں۔'' (یٰسین:11)

(5) رب العزت نے واضح فرمایا ہے کہ قرآن مجید سے وہی نصیحت حاصل کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ فرمایا: ﴿سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى (۱۰) وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى (۱۱) الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى (۱۲)﴾ ''وہ شخص جلد ہی نصیحت قبول کرے گا جو ڈرتا ہے۔ اور بدبخت اُس سے علیحدہ رہے گا۔ وہ جو بہت بڑی آگ میں داخل ہوگا۔'' (الاعلیٰ:10-12)

(6) (i) قرآن حکیم ایسے شخص کے لیے نصیحت ہے جس کو نصیحت کی جائے تو وہ اثر قبول کرلے۔

(ii) جو اپنے گناہوں کا احساس رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرتا ہے۔

(iii) عملاً ہدایت اسی کو ملتی ہے جو دلیل قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ ایسے شخص کی آنکھیں کھولنے کے لیے قرآن حکیم نصیحت ہے۔ (iv) قرآن حکیم یاددہانی ہے ایسے شخص کے لیے جو حق کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

(7) قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ علم ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرے اسے دین کی سمجھ عنایت فرما دیتا ہے اور میں تو محض تقسیم کرنے والا ہوں، دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ امت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم رہے گی اور جو شخص ان کی مخالفت کرے گا، انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (قیامت) آجائے (اور یہ عالم فنا ہو جائے)۔'' (بخاری:71)

﴿تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى﴾

''اُس ذات کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا'' (4)

سوال: قرآن حکیم کس ہستی کی جانب سے نازل کیا گیا ہے، اس کی وضاحت ﴿تَنْزِيْلًا ... الْعُلٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:(1)﴿تَنْزِيْلًا﴾ ''نازل کیا گیا ہے'' رب العزت نے قرآن مجید کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس ہستی کا نازل کردہ ہے جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا۔

(2)﴿مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى﴾ ''اُس ذات کی طرف سے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا'' یعنی قرآن اس کا نازل کردہ ہے جس نے ساری کائنات بنائی اور جو اس کی تدبیر کرتا ہے۔ اس لیے اس قرآن کو محبت کے ساتھ قبول کرو، اس کی تعظیم کرو اور اس کے احکامات کی اطاعت کرو۔

(3)رب العزت نے قرآن مجید کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ (۴۱) وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (۴۲) تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۴۳)﴾ ''اور وہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے، تم لوگ بہت ہی کم ایمان لاتے ہو۔ اور نہ کسی کاہن کا قول ہے، تم لوگ بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو۔ یہ جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔'' (الحاقۃ:41-43)

(4)اللہ تعالیٰ جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس کی تخلیق میں حکمت ہے۔ اس نے کوئی چیز بے مقصد پیدا نہیں کی۔ وہ صرف اسی چیز کا حکم دیتا ہے جو اس کے عدل اور احسان پر مبنی ہو اور وہ اپنی حکمت کے تقاضے کے مطابق ہی کسی چیز سے روکتا ہے۔

﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾

''وسیع رحمت والا، عرش پر بلند ہوا'' (5)

سوال:﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)رب العزت نے اپنی عظمت اور کبریائی کے بارے میں آگاہ فرمایا ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ ''وسیع رحمت والا، عرش پر بلند ہوا'' یعنی اللہ تعالیٰ اس عرش پر ہے جو ساری کائنات سے بڑا، وسیع اور بلند ہے۔

(2)﴿اسْتَوٰى﴾ ''بلند ہوا'' یہاں استواء سے مراد وہ استواء ہے جو اس کے جلال کے لائق اور اس کی عظمت و جمال سے مناسبت رکھتا ہے۔ پس وہ عرش پر مستوی اور کائنات پر حاوی ہے۔ (تفسیر سعدی:1602/2)

(3)اس مقام پر صحیح مسلک سلف کا ہے کہ جو کچھ قرآن وحدیث سے ثابت ہے اس پر ایمان لے آؤ اور کیفیت نہ پوچھو، الفاظ میں ردو بدل بھی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کے مشابہ اور مثل بھی نہ سمجھو اور نہ اسے ان صفات سے معطل کرو جو قطعی دلائل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے ثابت ہوں۔ (السراج المنیر :1152/2)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ”بلاشبہ تمہارا رب وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے آسمانوں اورزمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر بلند ہوا، وہ رات کو دن پر اوڑھاتا ہے، وہ تیزی سے اس کے پیچھے چلا آتا ہے اور سورج، چاند اور ستارے سب اُس کے حکم کے تابع کیے ہوئے ہیں، سن لو! پیدا کرنا اور حکم دینا اُسی کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑی برکت والا ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔“ (الاعراف:54)

(5) قرآن حکیم الرحمٰن کی جانب سے اُترا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے قرآن اُتارا ہے وہ وسیع رحمت والا ہے پھر قرآن باعث مشقت اور باعث مصیبت کیسے ہوسکتا ہے؟

﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى﴾

”اُسی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور جو اُن دونوں کے درمیان ہے اور جو گیلی مٹی کے نیچے ہے“ (6)

سوال: اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا خالق و مالک اور معبود ہے، اس کی وضاحت ﴿لَهٗ ... تَحْتَ الثَّرٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى﴾ ”اُسی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور جو اُن دونوں کے درمیان ہے اور جو گیلی مٹی کے نیچے ہے“ یعنی تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں اور اس کے حکم کے ماتحت ہے۔ وہی اس کا خالق و مالک اور معبود ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

(2) تمام کائنات اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر کے تحت مسخر ہے۔ کسی کا اس کے اقتدار میں کوئی حصہ نہیں۔

(3) اللہ تعالیٰ کی ملکیت کو انسانی تصور کے قریب لانے کے لیے زمین وآسمان کی ملکیت اور مٹی کے نیچے تک کی ملکیت کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ انسان سمجھ جائیں کہ وسیع کائنات پر جس کی ملکیت ہے وہ کتنا عظیم ہے۔ اسی عظمتوں والے نے قرآن مجید نازل کیا ہے۔

(4) اللہ تعالیٰ کی عظیم ملکیت کے ذکر سے رسول اللہ ﷺ کے دل کو مطمئن کیا جارہا ہے کہ اُن کا رب اُن کے ساتھ ہے۔ وہ اکیلا نہیں چھوڑتا۔ وہ قریب ہے اور دل کے حالات سے واقف ہے لہٰذا قرآن حکیم پڑھ کر مطمئن ہوجائیں اور

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مخالفوں کے درمیان خود کو تنہا محسوس نہ کریں کیونکہ مالک کائنات آپ کے ساتھ ہے۔

﴿وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى﴾

''اور اگر چہ آپ بلند آواز سے بات کریں یقیناً وہ تو پوشیدہ اور پوشیدہ تر کو بھی جانتا ہے''(7)

سوال: اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے، اس کی وضاحت ﴿وَاِنْ ... وَاَخْفٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى﴾ ''اور اگر چہ آپ بلند آواز سے بات کریں یقیناً وہ تو پوشیدہ اور پوشیدہ تر کو بھی جانتا ہے'' یعنی یہ قرآن اس نے نازل کیا ہے جو عالم الغیب ہے اور جو ہر بھید، خفیہ اور اعلانیہ کو جانتا ہے۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ ''آپ کہہ دیں اس کو نازل کیا ہے اُس نے جو آسمانوں اور زمین کے راز جانتا ہے، یقیناً وہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔'' (الفرقان:6)

(3) اللہ تعالیٰ کا ذکر یا دُعا اُونچی آواز میں کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ

(i) اللہ تعالیٰ خفیہ باتوں کو اور دل کے حالات کو جانتا ہے۔

(ii) اللہ تعالیٰ دل کی باتوں سے زیادہ مخفی باتوں کو بھی جانتا ہے یعنی قیامت تک واقع ہونے والے واقعات جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں لکھے ہیں لیکن اُس نے ابھی تک سب سے مخفی رکھا ہے۔

(4)﴿السِّرَّ﴾ یعنی پوشیدہ کلام کو ﴿وَاَخْفٰى﴾ ''اور پوشیدہ تر کو بھی'' خفی سے خفی تر بات، جو انسان کے دل میں ہوتی ہے اور ابھی نطق زبان پر نہیں آئی ہوتی۔ یا ﴿السِّرَّ﴾ سے مراد وہ خیال ہے جو انسان کے دل میں آتا ہے اور ﴿اَخْفٰى﴾ سے مراد وہ خیال ہے جسے ابھی دل میں آنا ہے اور ابھی تک نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کب وہ خیال اپنے وقت پر اپنی صفت کے ساتھ دل میں داخل ہوگا۔ معنی یہ ہے کہ علم الٰہی، چھوٹی بڑی اور ظاہر و باطن تمام اشیاء کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اس لئے آپ بلند آواز سے بولیں یا آہستہ آواز سے، علم الٰہی کی نسبت سے سب برابر ہے۔ (تفسیر سعدی:1602/2)

(5) اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی وسعت قدرت و تصرف اور اختیار بیان کی گئی تھی۔ اس آیت میں لامحدود وسعت علم کا بیان ہوا ہے یعنی قریش کو بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری سب سازشوں، شرارتوں اور کارستانیوں سے پوری طرح واقف ہے۔ (تیسیر القرآن:59/3)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(6) اللہ رب العزت نے اپنے علم کی وسعت کو قرآن حکیم میں دیگر مقامات پر یوں واضح فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم اُن کو جانتے ہیں جن کا وسوسہ اس کا نفس ڈالتا ہے اور ہم رگِ جان سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں۔'' (ق:16)

(7) ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾ ''وہ تمہیں اُس وقت سے زیادہ جاننے والا ہے جب اُس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں بچے تھے، سو اپنے نفس کی پاکیزگی کے دعوے نہ کرو، وہ زیادہ جاننے والا ہے، اس کو جس نے تقویٰ اختیار کیا۔'' (النجم:32)

(8) ﴿وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ''اور تم اپنی بات چھپا دو یا اُس کو ظاہر کر دو، یقیناً وہ تو سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے۔'' (الملک:13)

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى﴾

''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے لیے بہترین نام ہیں'' (8)

سوال: اللہ تعالیٰ ہی سچا معبود ہے، اس کی وضاحت ﴿اَللّٰهُ ... الْحُسْنٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ ''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ جو خالق اور رازق ہے اس کے علاوہ کوئی خالق اور رازق نہیں۔

(2) اللہ تعالیٰ وہ ہے جو مالک ہے، خالق ہے، جس کی بادشاہت عظیم ہے، جو عرش پر بلند ہے، جو خفیہ سے خفیہ چیز کا علم رکھتا ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ صرف اللہ تعالیٰ عبادت کا مستحق ہے اور اسی کی عبادت حق ہے اور غیر اللہ کی عبادت باطل ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ ''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں'' یعنی اس کے سوا کوئی معبود برحق ہے نہ کوئی قابل عبادت جس کے سامنے محبت، خوف اور امید کا اظہار کیا جائے، جس کو پکارا جائے یا جس سے دعائیں کی جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہی سچا معبود ہے۔

(3) ﴿لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى﴾ ''اس کے لیے بہترین نام ہیں'' یعنی اس کے بہت سے نام ہیں جو بہت اچھے ہیں۔ اس کے ناموں کا حسن یہ ہے کہ وہ نام تمام تر مدح پر دلالت کرتے ہیں۔ ان ناموں میں سے کوئی نام ایسا نہیں جو مدح و حمد پر دلالت نہ کرتا ہو۔ ان ناموں کا حسن یہ بھی ہے کہ وہ محض اعلام (نام) نہیں بلکہ وہ نام اور اوصاف ہیں۔ ان کا حسن یہ بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کامل صفات پر دلالت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کامل، عام اور جلیل ترین ہے اور ان کا حسن یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اسے ان ناموں سے پکاریں کیونکہ یہ ایک وسیلہ ہیں جو بندوں کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ناموں کو پسند کرتا ہے اور ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو ان ناموں کو پسند کرتے ہیں جو انہیں یاد کرتے ہیں اور ان لوگوں سے بھی محبت کرتا ہے جو ان کے معانی کی تحقیق کرتے ہیں اور ان ناموں کے ذریعے سے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اس کا فرمان ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ ''اور سب سے اچھے نام اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں سو اُسے ان کے ساتھ پکارو۔'' (الاعراف:180) (تفسیر سعدی:1603)

(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ایک کم سو نام ہیں۔ جو شخص ان کو یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' (بخاری:7392)

﴿وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى﴾

''اور کیا آپ کو موسیٰ کی خبر پہنچی ہے'' (9)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی ابتداء کے بیان کی وضاحت ﴿وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَهَلْ اَتٰىكَ﴾ ''اور کیا آپ کو پہنچی ہے'' رب العزت نے قصے کی تعظیم کی خاطر سوال کیا ہے کہ کیا آپ جانتے ہو؟ کیا آپ ﷺ کے پاس خبر پہنچی ہے؟

(2) ﴿حَدِيْثُ مُوْسٰى﴾ ''موسیٰ کی خبر'' یعنی موسیٰ بن عمران پر وحی کا آغاز کیسے ہوا؟ کیسے رب العزت نے ان کی سعادت کی بنیاد رکھی؟ کیسے ان سے کلام کیا؟

(3) یہ واضح کرنے کے لیے کہ کیسے اللہ تعالیٰ اپنی طرف بلانے والوں کی حفاظت اور مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ لے کر آئے ہیں۔

(4) اللہ تعالیٰ اس قصے کو بیان کر کے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ رسول بنا کر بھیجتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی بارش میں ہوتے ہیں۔

(5) قرآن مجید میں رسولوں کے واقعات کو بیان کرنے کی حکمت واضح کرتے ہوئے رب العزت نے فرمایا: ﴿وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور ہم رسولوں کے واقعات میں سے ہر چیز آپ کو سنا رہے ہیں جس کے ساتھ ہم آپ کا دل مضبوط

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں اور آپ کے پاس اس معاملے میں حق آ گیا اور ایمان والوں کے لیے نصیحت اور یاد دہانی ہے۔“ (ہود:120)

﴿اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ

”جب اُس نے ایک آگ دیکھی تو اپنے گھر والوں سے کہا: ”ٹھہرو، یقیناً میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید کہ میں اس میں

اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى﴾

سے تمہارے لیے کوئی انگارہ لے آؤں یا اُس آگ پر کوئی راہ نمائی پاؤں“ (10)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے آگ دیکھ کر اپنے گھر والوں سے کیا کہا، اس کی وضاحت ﴿اِذْ رَاٰ۔۔۔هُدًى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذْ رَاٰ نَارًا﴾ ”جب اُس نے ایک آگ دیکھی“ یہ اس دور کا تذکرہ ہے جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے مدین میں اپنے دس سال پورے کر لیے تو اپنی بیوی کے ہمراہ اپنی والدہ کی طرف مصر واپس جا رہے تھے۔ رات اندھیری اور سرد تھی، راستے کی خبر نہ تھی اور اُنہوں نے دور سے آگ کے شعلے بلند ہوتے دیکھے۔

(2) یہ آگ طور کی دائیں جانب تھی۔

(3) ﴿فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا﴾ ”تو اپنے گھر والوں سے کہا: ”ٹھہرو“ انہوں نے اپنے گھر والوں یعنی اپنی بیوی جو شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھیں، خادم اور بیٹے سے کہا۔ (ایسر التفاسیر:882)

(4) ﴿اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا﴾ ”یقیناً میں نے ایک آگ دیکھی ہے“ یعنی میں نے طور کی دائیں جانب ایک آگ دیکھی ہے۔

(5) ﴿لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ﴾ ”شاید کہ میں اس میں سے تمہارے لیے کوئی انگارہ لے آؤں“ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی سے کہا: میں آگ کے پاس جاتا ہوں اور کوئی جلتا ہوا انگارہ لے آؤں گا جس سے تم آگ تاپ سکو۔

(6) ﴿اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى﴾ ”یا اُس آگ پر کوئی راہ نمائی پاؤں“ اور ہو سکتا ہے کہ مجھے آگ کے پاس سے کوئی ایسی شے مل سکے جو راستے کی طرف میری راہ نمائی کرے۔

(7) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا مقصود تو حسی روشنی اور حسی ہدایت تھا۔ مگر انہوں نے وہاں معنوی نور یعنی نور وحی پا لیا جس سے قلوب و ارواح روشن ہوتے ہیں اور انہیں حقیقی ہدایت یعنی صراط مستقیم کی طرف راہ نمائی حاصل ہوئی جو نعمتوں بھری جنت کو جاتی ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام ایک ایسی چیز سے بہرہ ور ہوئے جو ان کے کسی حساب اور خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔ (تفسیر سعدی:1604،1603)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

(8) تورات میں ہے کہ انہوں نے درخت میں آگ دیکھی اور متعجب ہو کر قریب گئے۔ (خروج 3:3) لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے، محض رفع تعجب کے لیے نہیں گئے تھے بلکہ آگ کی جستجو میں تھے۔

(9) سورہ النمل کی آیت سے مزید وضاحت ہوگئی ہے۔ ﴿اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ﴾ "جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا: "یقیناً میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ جلد ہی میں آپ کے پاس وہاں سے کوئی خبر لاؤں گا یا آپ کے لئے کوئی سُلگتا انگارہ لے کر آؤں گا تا کہ آپ سینکیں۔" (النمل:7) وہ مع اہل وعیال کے بیابان میں تھے۔ رات ٹھنڈی تھی اور سوچ رہے تھے کہیں سے آگ مل جائے تو تاپنے کے لیے الاؤ جلائیں۔ اتنے میں دور پرے ایک روشنی آگ کی طرح نظر آئی۔ یہ سمجھے وہ آگ ہے۔ لیکن جب قریب پہنچے تو کارفرمائے قدرت نے پکارا۔ "اے موسیٰ! تو اس آگ کی چنگاری لے کر کیا کرے گا؟ تیرے ہاتھوں ایک دوسری ہی آگ روشن ہونے والی ہے!" ﴿وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى﴾ "اور میں نے تمہیں چن لیا ہے پس جو وحی کی جارہی ہے اُسے غور سے سنو" (ترجمان القرآن: 447/2)

﴿فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى﴾

"پھر جب وہ اُس کے پاس آیا تو آواز دی گئی: "اے موسیٰ!" (11)

سوال 1: ﴿فَلَمَّآ ... يٰمُوْسٰى﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّآ اَتٰىهَا﴾ "پھر جب وہ اُس کے پاس آیا" یعنی جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے جس کو دور سے دیکھ کر انہوں نے گھر والوں سے کہا کہ میں وہاں جاتا ہوں شاید میں کوئی انگارہ لے آؤں، وہ آگ نہیں تھی، نور تھا اور نور ایسی آگ ہے جو جلا ڈالتی ہے اور روشنی دیتی ہے۔

(2) نبی ﷺ نے فرمایا: "اس (اللہ تعالیٰ) کا حجاب نور ہے۔" ایک روایت میں ہے: "اس کا حجاب آگ ہے۔ اگر وہ اس حجاب کو ہٹا دے تو اس کے چہرے کا جلال حدنگاہ تک ہر چیز کو جلا ڈالے۔" (مسلم: 445)

(3) ﴿نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى﴾ "تو آواز دی گئی: اے موسیٰ!" آگ کے پاس انہیں آواز دی گئی کہ اے موسیٰ! سورہ مریم میں اس واقعے کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا﴾ "اور ہم نے پہاڑ کی دائیں جانب سے اُسے پکارا اور ہم نے سرگوشی کرتے ہوئے اُسے قریب کیا۔" (مریم: 52)

سوال 2: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو کیسے پتہ چلا کہ یہ آواز اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: اس آواز کی کیفیت وصفت سے متعلق بڑی بڑی بحثیں چھڑ گئی ہیں، لیکن قول محقق مفسر تھانوی کا ہے، اس نداء کی کیفیت وصفت نہ کہیں منصوص ہے نہ قیاس سے ادراک کی جاسکتی ہے، اس لئے تعیین بالتخمین ﴿رجم بالغیب﴾ ہے، البتہ یہ امر یقینی ہے کہ سیدنا موسیٰ کو یقین کے ساتھ یہ امر معلوم ہوگیا کہ یہ نداء من جانب اللہ تعالیٰ ہے۔ (تفسیر ماجدی: 226/3)

﴿إِنِّيٓ أَنَا۠ رَبُّكَ فَٱخۡلَعۡ نَعۡلَيۡكَ إِنَّكَ بِٱلۡوَادِ ٱلۡمُقَدَّسِ طُوٗى﴾

''یقیناً میں ہی تمہارا رب ہوں، پس اپنے جوتے اُتار دو یقیناً تم وادی مقدس طویٰ میں ہو'' (12)

سوال: درخت کی طرف سے آواز آئی موسیٰ میں تمہارا رب ہوں، اس کی وضاحت ﴿إِنِّيٓ ... طُوٗى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنِّيٓ أَنَا۠ رَبُّكَ﴾ ''یقیناً میں ہی تمہارا رب ہوں'' رب العزت نے آگاہ فرمایا کہ میں تیرا رب ہوں یعنی تیرا خالق، تیرا مالک، تیرے معاملات کا مدبر ہوں۔

(2) ﴿فَٱخۡلَعۡ نَعۡلَيۡكَ﴾ ''پس اپنے جوتے اُتار دو'' رب العزت نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو رب سے مناجات کرنے کے لیے تیاری کا حکم دیا کہ جوتے اتار دیں۔

(3) ﴿إِنَّكَ بِٱلۡوَادِ ٱلۡمُقَدَّسِ طُوٗى﴾ ''یقیناً تم وادی مقدس طویٰ میں ہو'' طویٰ نام ہے اس میدان کا جو جزیرہ نمائے سینا میں کوہ سینا کے عین دامن میں واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح بعض وقت دوسرے وقتوں سے افضل واشرف رکھے ہیں، مثلاً ماہ رمضان سال کے دوسرے مہینوں سے افضل واشرف اور یوم جمعہ ہفتہ کے سارے دنوں میں افضل واشرف، اسی طرح اس نے بعض مقامات بھی دوسرے مقامات سے افضل واشرف بنا رکھے ہیں۔ مثلاً سرزمین مکہ، شہر مدینہ۔ وادی سینا بھی ایسے ہی مقامات مقدس میں داخل ہے، اور فضیلت کا یہ قانون مکان وزمان سب پر حاوی ہے۔ (تفسیر ماجدی: 227/3)

(4)(i) اللہ تعالیٰ کا یہ حکم تواضع کے اظہار کے لیے تھا۔

(ii) ''پس اپنے جوتے اُتار دو یقیناً تم وادی مقدس طویٰ میں ہو'' یہ حکم تعظیم کے لیے تھا۔

(iii) یہ حکم وادی کی پاکیزگی کے لیے تھا۔

(iv) یہ حکم اس لیے تھا کہ وادی کی پاکیزگی کے اثرات ننگے پاؤں زیادہ جذب ہوسکتے تھے۔

(5) اگر وادی کی تقدیس کے لیے کوئی اور چیز نہ ہوتی تب بھی سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو مناجات کے لئے چن لینا ہی کافی تھا۔ بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کا اس لئے حکم دیا تھا کیونکہ وہ گدھے کی کھال سے بنے ہوئے تھے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر سعدی: 1604/2)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(6) وادی مقدس طویٰ کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى﴾ ''جب اُس کے رب نے اُسے مقدس وادی طویٰ میں پکارا۔'' (النازعات:16)

﴿وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى﴾

''اور میں نے تمھیں چن لیا ہے پس جو وحی کی جا رہی ہے اُسے غور سے سنو'' (13)

سوال: موسیٰ علیہ السلام کو نبوت کی خوش خبری دی گئی، اس کی وضاحت ﴿وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَنَا اخْتَرْتُكَ﴾ ''اور میں نے تمھیں چن لیا ہے'' اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی نبوت اور ہم کلامی کے لیے منتخب کیا ہے جو بہت بڑا اعزاز ہے۔

(2) یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر سب سے بڑا احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں میں سے انہیں اپنی نبوت کے لیے چن لیا۔

(3) ﴿فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى﴾ ''پس جو وحی کی جا رہی ہے اُسے غور سے سنو'' یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی نبوت کے لیے چن کر جو احسان کیا ہے اس کا شکر ادا کرنے کے لیے اس وحی کو غور سے سنو جو آپ کی طرف کی جا رہی ہے جیسا کہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے موسیٰ! یقیناً اپنے پیغامات اور کلام کے ساتھ میں نے تجھے تمام لوگوں میں سے منتخب کیا ہے، سو لے لو جو میں نے تمھیں دیا ہے اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔'' (الاعراف:144)

(4) اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے سبق ملتا ہے کہ: (i) وحی کان لگا کر سنی جائے تو ہی اس کا حق ادا ہو سکتا ہے۔ (ii) وحی کو سننے کا فائدہ تبھی ہوتا ہے جب انسان پوری توجہ سے سنے۔ غور سے سننا دین کی بنیاد اور اسلام کی دعوت کا ستون ہے۔ رب العزت نے قرآن مجید کو غور سے سننے والوں کی فضیلت کے بارے میں فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ ''جو بات کو غور سے سنتے ہیں پھر ان میں سے سب سے اچھی کی پیروی کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے اور یہی لوگ عقل مند ہیں۔'' (الزمر:18)

(5) توجہ سے سننے کے آداب میں اعضاء کا سکون، نظر جھکانا، کانوں کا اس جانب جھکاؤ، دل کی حاضری اور عمل کرنے کا عزم شامل ہیں۔ (تفسیر مراغی:83/6) (6) رب العزت نے قرآن مجید کو توجہ سے سننے کا حکم دیا ہے: ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ ''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

پر رحم کیا جائے۔" (الاعراف:204) (7) سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: پہلے علم کو غور سے سننا پھر فہم پھر حفظ پھر عمل اور پھر نشر کرنا ہے۔ (الجامع الاحکام القرآن للقرطبی:6/ 80,79)

﴿اِنَّنِيۡۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِيۡ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكۡرِيۡ﴾

"یقیناً میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، سوتم میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو" (14)

سوال 1: توحید کے حکم کی وضاحت ﴿اِنَّنِيۡۤ ... فَاعۡبُدۡنِيۡ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّنِيۡۤ اَنَا اللّٰهُ﴾ "یقیناً میں ہی اللہ ہوں" رب العزت نے وحی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اللہ ہوں، الوہیت کا مستحق ہوں۔ (2) ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا﴾ "میرے سوا کوئی معبود نہیں" یعنی میرے سوا کوئی عبادت کا حق دار نہیں۔

(3) اللہ تعالیٰ کی ذات کامل، اس کے اسماء وصفات کامل، اس کے افعال کامل، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کے مثل کوئی نہیں، اس کا کوئی ہم سر نہیں، اس سے کوئی برابری کرنے والا نہیں۔

(4) انسان کا سب سے پہلا فرض یہی ہے کہ وہ دل سے یقین کرلے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔ (5) ﴿فَاعۡبُدۡنِيۡ﴾ "سوتم میری عبادت کرو" یعنی میری توحید پر قائم ہوجاؤ اور میری اطاعت کرو۔

(6) عبادت کی ظاہری اور باطنی، اصولی اور فروعی تمام انواع کے ذریعے سے۔ (تفسیر سعدی:2/1605)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے نماز قائم کرنے کے حکم کی وضاحت ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكۡرِيۡ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكۡرِيۡ﴾ "اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو" یعنی مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز قائم کرو۔

(2) عبادت میں نماز بھی داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر نماز کا ذکر فرمایا۔ اس کی ایک وجہ تو نماز کا شرف اور تمام عبادات کے مقابلے میں اس کا افضل ہونا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نماز ایسی عبادت ہے جو دل، زبان اور اعضاء سب کو عبادت میں شامل کرنے سے ادا ہوتی ہے۔

(3) ﴿لِذِكۡرِيۡ﴾ "میری یاد کے لیے" یعنی مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز قائم کرو۔ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا، اس کا ذکر کرنا دل کی عبادت ہے جس پر انسان کی خوش نصیبی اور سعادت کا دارومدار ہے۔ جو دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی ہوتا ہے وہ ہر بھلائی سے محروم ہوجاتا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عبادت کو ہماری زندگی کا مقصد ٹھہرایا ہے۔ ساری عبادات کا مقصد اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قائم کرنا ہے۔

(4) جب بھولی ہوئی نماز یاد آجائے تو نبی ﷺ نے اسے پڑھنے کا حکم دیا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے فرمایا: ''جب کوئی نماز کے وقت سو یا رہ جائے یا نماز پڑھنا بھول جائے تو اس کو چاہیے کہ جب یاد آ جائے تو نماز پڑھ لے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكۡرِیۡ﴾ ''اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔'' (مسلم: 684)

(5) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے جب کوئی نماز پڑھنا بھول جائے تو جب بھی اسے یاد آئے اسے پڑھ لینی چاہئے۔ اس کی قضا کے سوا اور کوئی اس کی وجہ سے کفارہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز میری یاد آنے پر قائم کرو۔'' (بخاری: 597)

(6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت غزوہ خیبر سے واپس ہوئے تو ایک رات چلتے رہے یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند کا غلبہ ہوا تو رات کے آخری حصہ میں اترے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم آج رات پہرہ دو'' تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھنی شروع کر دی، جتنی نماز اُن سے پڑھی جا سکی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سو گئے۔ پھر جب فجر کا وقت قریب ہوا تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے صبح طلوع ہونے والی جگہ کی طرف اپنا رخ کر کے اپنی اونٹنی سے ٹیک لگائی تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر بھی نیند کا غلبہ ہو گیا۔ پھر نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور نہ ہی سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بیدار ہوا یہاں تک کہ دھوپ اُن پر آ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن میں سے سب سے پہلے بیدار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوپ دیکھی تو گھبرا گئے اور فرمایا: ''اے بلال!'' تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میرے نفس کو بھی اسی نے روک لیا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس مبارک کو روک لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہاں سے کوچ کرو۔'' پھر کچھ دور چلے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا۔ پھر انہوں نے نماز کی اقامت کہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صبح کی نماز پڑھائی۔ جب نماز پوری ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو آدمی نماز پڑھنی بھول جائے تو جب اُسے یاد آ جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اس نماز کو پڑھ لے'' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكۡرِیۡ﴾ ''اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔'' (مسلم: 680)

سوال 3: نماز میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا کیسے ممکن ہوتا ہے؟

جواب: (1) نماز میں انسان تمام سرگرمیوں سے کٹ جاتا ہے۔ (2) نماز میں انسان اللہ تعالیٰ سے رابطے میں ہوتا ہے۔

(3) نماز میں انسان رب کی نظروں کو خود پر محسوس کرے تو سچی یاد قائم ہو جاتی ہے۔

(4) نماز میں انسان رب پر نظریں لگا دے تو انسان کا رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔

(5) کامیابی اس کے لیے ہے جو اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے نماز قائم کرتا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(۱۴)﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (۱۵)﴾ ''یقیناً کامیاب ہو گیا وہ جو پاک ہو گیا۔ اور اس نے اپنے رب کا نام یاد کیا، پھر اس نے نماز پڑھی۔'' (الاعلیٰ:15,14)

سوال 4: نماز انسان کو کیا دیتی ہے؟

جواب: (1) نماز رب کی یاد کا ذریعہ ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾ ''اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔'' (طٰہٰ:14)

(2) نماز کامیابی کا ذریعہ ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (۱۴) وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (۱۵)﴾ ''یقیناً کامیاب ہو گیا وہ جو پاک ہو گیا۔ اور اس نے اپنے رب کا نام یاد کیا، پھر اس نے نماز پڑھی۔'' (الاعلیٰ:15,14)

(3) نماز سکون اور اطمینان کا ذریعہ ہے۔

(4) انسان کو اپنی روحانی تڑپ، دلی بے چینی، قلبی اضطراب اور ذہنی شورش کے عالم میں جب دنیا اور دنیا کی ہر چیز فانی، عقل کی ہر تدبیر درماندہ، جسم کی ہر قوت عاجز اور سلامتی کا ہر راستہ بند نظر آتا ہے تو سکون و اطمینان کی ہر راحت اس کو صرف اسی ایک قادر مطلق کی پکار، دعا اور التجا سے ملتی ہے۔ وحی الٰہی نے اس نقطہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے اطمینان پاتے ہیں۔ سن لو! اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔'' (الرعد:28) (سیرت النبی از شبلی)

(5) مصائب میں نماز ہی ثبات کا ذریعہ بنتی ہے اسی لیے فرمایا: ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾ ''اور صبر اور نماز کے ذریعے سے مدد مانگو اور بلاشبہ وہ (نماز) یقیناً بہت بڑی ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر''۔ (البقرۃ:45) (6) کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سرنگوں ہے آسمان، زمین، چاند، ستارے، دریا، پہاڑ، جنگل، چرند پرند سب اس کے آگے سربسجود ہیں اور اس کے احکامات کی بے چون و چرا اطاعت کر رہے ہیں یہ ان کی تسبیح اور نماز ہے: ﴿وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ ''اور کوئی چیز نہیں مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے یقیناً وہ ہمیشہ سے بے حد بردبار، نہایت بخشنے والا ہے۔'' (بنی اسرائیل:44) ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَاۗبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ﴾ ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے لوگ بھی، اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کر دیتا ہے اسے پھر کوئی عزت دینے والا نہیں یقیناً اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔'' (الحج:18) اسلام کی نماز انسانوں کو دوسری تمام مخلوقات کی طرح اطاعت اور بندگی کی دعوت دیتی ہے۔

(7) نماز کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا ممکن ہوتا ہے۔ دل، زبان اور اعضاء سے شکر ادا کرنا تب ہی ممکن ہوتا ہے جب دل اور دماغ پر اس کی عظمت اور اپنی کم مائیگی کا نقش بیٹھ جائے۔ اس کی محبت اور اس کی حاضری کا ناقابل زوال یقین دل کے اندر قائم کرنے کے لیے نبی ﷺ نے فرمایا: ''احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ درجہ نہ حاصل ہو تو پھر یہ تو سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔'' (بخاری:50)

(8) نماز انسان کو اخلاقی کمزوریوں سے بچاتی ہے، نفسیاتی برائیوں سے ہٹاتی ہے اور روحانی ترقی کے درجات بلند کرتی ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿١٩﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿٢٠﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿٢١﴾ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿٢٢﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿٢٣﴾﴾ ''بلاشبہ انسان کم ہمت پیدا کیا گیا ہے۔ جب اُس کو تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا جانے والا ہوتا ہے۔ اور جب اسے بھلائی پہنچتی ہے تو بہت روکنے والا ہوتا ہے۔ مگر وہ نمازی۔ جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرنے والے ہیں۔'' (المعارج:19-23)

(9) نماز برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ﴾ ''آپ تلاوت کرو اس کتاب میں سے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اور نماز قائم کرو۔ یقیناً نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر یقیناً بہت بڑا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔'' (العنکبوت:45)

(10) نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر کسی کے گھر کے سامنے ایک صاف شفاف نہر بہتی ہو، جس میں وہ دن میں پانچ مرتبہ نہاتا ہو تو کیا اس کے بدن پر کوئی میل کچیل رہ جائے گا؟'' لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! نہیں۔ فرمایا: ''نماز بھی اس گناہوں کو دھو دیتی ہے جس طرح پانی میل کو ختم کر دیتا ہے۔'' (ابن ماجہ:1397)

﴿اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى﴾

''یقیناً قیامت آنے والی ہے، قریب ہے کہ میں اُسے چھپاؤں تاکہ ہر شخص کو اس کا بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی'' (15)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال: قیامت یقیناً آئے گی، اس کی وضاحت ﴿اِنَّ السَّاعَةَ...تَسْعٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ﴾ ''یقیناً قیامت آنے والی ہے'' یعنی قیامت ضرور آئے گی۔ اس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ آسمان وزمین کے ہر شخص سے قیامت کا علم پوشیدہ رکھا گیا ہے۔

(2) ﴿اَكَادُ اُخْفِيْهَا﴾ ''قریب ہے کہ میں اُسے چھپاؤں'' رب العزت نے فرمایا کہ میں قیامت کے آنے کی صحیح تاریخ کو چھپائے ہوئے ہوں اور یہ راز کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ (السراج المنیر :1154/2)

(3) قیامت کے علم کی حقیقت کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا﴾ ''لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں بلاشبہ اُس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور آپ کو کیا چیز خبر دیتی ہے، شاید کہ قیامت قریب ہی ہو؟'' (الاحزاب:63)

(4) قیامت کے بارے میں نہ کوئی نبی جانتا ہے، نہ فرشتہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے علم کو ساری مخلوقات سے چھپا کر رکھا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ کے پاس ہی قیامت کا علم ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا؟ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا؟ یقیناً اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ جاننے والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔'' (لقمان:34)

(5) قیامت کو پوشیدہ رکھنے کا سبب یہ ہے کہ ہر شخص اُس کے آنے سے پہلے عمل کرے اور پھر کامیاب ہونے کے لیے کوشش کرے تاکہ اُسے اس کے اعمال کا صلہ دیا جائے۔

(6) ﴿لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى﴾ ''تاکہ ہر شخص کو اس کا بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی'' اللہ تعالیٰ نے قیامت کے آنے کی حکمت بیان فرمائی ہے کہ ہر شخص نے زندگی میں جو کام کیے ہیں اسے ان کی جزا دی جائے۔

(7) قیامت کی گھڑی کا تصور انسان کو بے راہ روی سے بچاتا ہے۔ قیامت کی توقع انسان کے اندر خوف پیدا کرتی ہے۔

(8) قیامت کے دن تمام انسانوں کو ان کے اعمال ہی کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر واضح فرمایا ہے: ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جنہوں نے برائیاں کیں اُنہیں اس کا بدلہ دے جو انہوں نے عمل کیا اور جن لوگوں نے بھلائی کی انہیں بھلائی کے ساتھ بدلہ دے۔'' (النجم:31)

(9)﴿اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ''اُس جہنم میں داخل ہو جاؤ، پھر تم صبر کرو یا نہ کرو، تم پر برابر ہے۔ تمہیں اُنہی اعمال کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔'' (الطور:16)

(10)﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴿٧﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴿٨﴾﴾ ''تو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا۔ اور جو ذرّہ برابر بدی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا۔'' (الزلزال:8,7)

﴿فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى﴾

''سو تمہیں اس سے روک نہ دے کوئی شخص جو اس پر ایمان نہیں لایا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگا ہوا ہے، پس تم ہلاک ہو جاؤ گے'' (16)

سوال: اللہ تعالیٰ نے مومن کو اس شخص سے چوکنا کیا ہے جو قیامِ قیامت پر یقین نہیں رکھتا، اس کی حکمت ﴿فَلَا يَصُدَّنَّكَ ... فَتَرْدٰى﴾ کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب: (1)﴿فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا﴾ ''سو تمہیں اس سے روک نہ دے کوئی شخص جو اس پر ایمان نہیں لایا'' اللہ رب العزت نے مومن کو اس لیے چوکنا کیا ہے کہ ایسا شخص جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غافل ہوتا ہے اس کی فطرت میں بگاڑ ہوتا ہے اور وہ خوب صورت باتوں سے فریب دے سکتا ہے لہٰذا ایسے لوگوں سے چوکنا رہو جو خواہش پرست ہوں کہیں تم بھی آخرت کے اندیشے کو گم نہ کر بیٹھو۔

(2)﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى﴾ ''اور اپنی خواہش کے پیچھے لگا ہوا ہے، پس تم ہلاک ہو جاؤ گے'' جو شخص اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے وہ قیامت کے بارے میں شبہات پیدا کرتا ہے کیونکہ اس کا مقصد خواہشات کے پیچھے بھاگنا ہوتا ہے یہی چیز اسے خود ایمان لانے سے روکتی ہے اور اسی کے لیے وہ دوسروں کے دلوں میں بھی وسوسے ڈالتا ہے۔

(3) ایسے لوگوں سے بچیں جو باطل کی طرف بلائیں اور دلوں میں شبہات پیدا کریں۔ ایسی کتابوں سے بھی بچیں۔

(4) ایسے لوگوں کے راستے پر آپ چلے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

(5) جو بھی کسی ایسے شخص کی پیروی کرے گا اس کا انجام بہت برا ہو گا جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى﴾ ''اور اُس کا مال اُس کے کام نہ آئے گا جب وہ (جہنم میں) گرے گا۔'' (اللیل:11)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى﴾

''اور اے موسیٰ! یہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟'' (17)

سوال: ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى﴾ یہ سوال کس وجہ سے کیا گیا؟

جواب: (1) رب العزت نے جب ایمان کے بنیادی امور کا ذکر فرمایا تو ایسی نشانیاں دکھانے کا ارادہ کیا جن سے ان کا دل مطمئن ہو اور ان کے ایمان کو قوت ملے۔

(2) ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى﴾ ''اور اے موسیٰ! یہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟'' یہ سوال اس لئے کیا گیا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ذہن میں لاٹھی کا لاٹھی ہونا حقیقت بن کر تازہ ہو جائے تاکہ جب لاٹھی میں تبدیلی آئے تو وہ اس حقیقت کو قبول کر سکیں۔

﴿قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا

''موسیٰ نے کہا: ''یہ میری لاٹھی ہے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور میں اس کے ساتھ اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس

مَاٰرِبُ اُخْرٰى﴾

میں میرے لیے اور بھی کئی ضرورتیں ہیں'' (18)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی کے بارے میں کیا بتایا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ... اُخْرٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ هِيَ عَصَايَ﴾ ''موسیٰ نے کہا: یہ میری لاٹھی ہے'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کے بارے میں بتایا اور رب العزت نے اسے کمال درجے کا حیرت انگیز معجزہ بنا دیا جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی سچائی کی دلیل ہے۔

(2) ﴿اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ﴾ ''میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور میں اس کے ساتھ اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے عصا کے دو فوائد بتائے ایک تو یہ کہ چلتے چلتے میں اس پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو جاتا ہوں، دوسرے جانوروں کے لیے فائدہ ہے کہ جب میں بکریاں چراتا ہوں تو میں درختوں سے پتے بھی جھاڑ لیتا ہوں۔

(3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے اخلاق حسنہ کا ذکر ہے کہ وہ کیسے جانوروں سے اچھا سلوک کرتے تھے۔

(4) یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی عنایت کی دلیل تھی۔

(5) ﴿وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى﴾ ''اور اس میں میرے لیے اور بھی کئی ضرورتیں ہیں'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جن

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

دوسرے فوائد کے بارے میں بتایا اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر نہیں فرمایا۔

(6) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لاٹھی کا پکڑنا انبیاء کی سنت میں سے ہے اور مومن کے لیے نشانی ہے۔(تفسیر منیر:540/8)

(7) امام حسن بصری کہتے ہیں: اس لاٹھی کی چھ خصوصیات ہیں۔(i) انبیاء کی سنت ہے۔(ii) صالحین کی زینت ہے۔(iii) دشمنوں کے خلاف یہ اسلحہ ہے۔(iv) کمزوروں کے لیے مددگار ہے۔(v) منافقوں کے لیے غم ہے۔(vi) اور اطاعت میں اضافہ کرنے کا سبب ہے۔(تفسیر منیر:540/8)

﴿قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى﴾

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''پھینک دو اس کو اے موسیٰ!''(19)

سوال: لاٹھی زمین پر ڈالنے کے حکم کی وضاحت ﴿قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''پھینک دو اس کو اے موسیٰ!'' اللہ تعالیٰ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ عطا کرنا چاہتے تھے جو عصائے موسیٰ علیہ السلام کے نام سے مشہور ہے۔

(2) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ذہن اس قدر بیدار تھا اور وہ بالکل تیار تھے کہ جو حکم ملے اس کو فوراً کر ڈالیں۔ اطاعت بیداری کے ساتھ ہوتی ہے، غفلت کے ساتھ نہیں ہوتی۔ اور جونہی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: ﴿اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى﴾ ''پھینک دو اس کو اے موسیٰ'' ﴿فَاَلْقٰهَا﴾ ''تو موسیٰ نے اس کو پھینک دیا۔''

﴿فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى﴾

''تو موسیٰ نے اس کو پھینک دیا تو اچانک وہ ایک سانپ تھا جو دوڑ رہا تھا''(20)

سوال: عصا اژدھا بن گیا، اس کی وضاحت ﴿فَاَلْقٰهَا...تَسْعٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى﴾ ''تو موسیٰ نے اس کو پھینک دیا تو اچانک وہ ایک سانپ تھا جو دوڑ رہا تھا'' اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ عصا ایک بہت بڑے سانپ میں تبدیل ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام خوف کھا کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اس سانپ کا وصف یہ بیان فرمایا کہ وہ حرکت کرتا تھا یہ ایک وہم کے ازالے کے لئے تھا جو ممکن تھا کہ کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ سب تخیل کی کارفرمائی ہے اور اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ پس اس کے حرکت کرنے نے اس وہم کا ازالہ کر دیا۔(تفسیر سعدی:1608/2)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(2) لاٹھی کے سانپ بننے، ہتھیلی کے چمک اٹھنے اور ہارون علیہ السلام کے وزیر و شریک ہونے کا ذکر تورات میں بھی ہے۔ (خروج 4:) نیز یہ کہ خدا نے فرمایا: ''اب تو جا میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں'' (خروج 3-1) (تفسیر ترجمان القرآن: 448/2)

(3) یہ واضح رہے کہ مصر میں جہاں موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ کرنی تھی، سانپ کی حیثیت ایک دیوتا کی تھی اور اس کی پوجا ہوا کرتی تھی۔ (تفسیر ماجدی: 229/3)

(4) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی پھینکی تو وہ سانپ بن گئی۔ یوں زندگی کا معجزہ ظاہر ہو گیا۔ زندگی ایسے ہی آتی ہے۔ اس کا راز کبھی کوئی جان نہیں پایا کہ یہ کہاں سے آتی ہے اور کس طرح سے آتی ہے؟ یہ عقدہ انسان پر نہیں کھلا۔ انسان کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے زندہ کر دے اور جسے چاہے مار ڈالے۔

﴿قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۖ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ﴾

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اس کو پکڑ و اور ڈرو مت! جلد ہی ہم اسے اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے'' (21)

سوال: ﴿قَالَ ... الْأُولَىٰ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اس کو پکڑ و اور ڈرو مت!'' یعنی تجھے اس سے کوئی تکلیف نہیں آئے گی۔

(2) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے یک لخت سانپ کا روپ اختیار کیا تھا اس لیے زندگی کے اس معجزے سے دہشت کھا گئے حالانکہ یہ واقعہ ہمارے سامنے مسلسل ہوتا ہے لیکن تدریجی طور پر، اس لیے محسوس نہیں ہوتا کہ مٹی پودوں اور درختوں میں بدلتی ہے۔ آہستگی سے ہونے والا کام دہشت زدہ نہیں کرتا البتہ اچانک مٹی سے بنی لکڑی زندہ سانپ میں بدل جائے تو انسان دہشت زدہ ہو سکتا ہے۔

(3) زندگی کا معجزہ ہر کوئی ساری زندگی دیکھتا ہے۔ کیا آپ نے کبھی دانے کو گندم بنتے نہیں دیکھا؟ کیا بیج سے پودا درخت اگتے نہیں دیکھا؟ کیا اسی طرح سے بچوں کی پیدائش کو نہیں دیکھا؟ کہاں سے آغاز ہوتا ہے اور کہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکمل بچہ بنا کر بھیج دیا جاتا ہے۔ سبحان اللہ! کس طرح سے انسان اپنے سامنے زندگی کو ظہور میں آتے دیکھتا ہے لیکن لاٹھی کے سانپ بن جانے کی بات انسان کا ذہن اس لیے قبول نہیں کرتا کہ بیج کو فصل بنتے ہوئے کئی مہینے لگ جاتے ہیں اور یہاں لاٹھی یکدم سانپ بن گئی۔ یعنی طریقہ کار تو وہی ہے لیکن بہت تیزی کے ساتھ ہو گیا۔

(4) ﴿سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ﴾ ''جلد ہی ہم اسے اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے'' یعنی ہم اسے اس کی اصلی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیئت اور صفت کی طرف لوٹا دیں گے جو عصا کی ہوتی ہے۔موسیٰ علیہ السلام نے ایمان اور تسلیم ورضا سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی اور سانپ کو پکڑ لیا اور سانپ اسی جانے پہچانے عصا میں تبدیل ہو گیا۔ یہ (پہلا) معجزہ ہے۔(تفسیر سعدی:1608/2)

(5) اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ عصا کو دوبارہ اپنی اصلی حالت پر لے آئیں تا کہ معجزہ دوسری شکل میں ظاہر ہو جائے۔ یہ زندگی سے موت تک کا سفر تھا جو اچانک ظاہر ہو گیا یعنی سانپ اچانک لکڑی بن گیا۔ یہ آنکھوں پر جادو نہیں کیا گیا تھا۔ یہ حقیقت تھی۔ یہی تو بڑا معجزہ تھا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو پہلا معجزہ ''زندگی کا معجزہ'' عطا کیا گیا۔ انہیں خود بھی پتہ نہیں تھا لیکن معجزہ ان کے ہاتھوں سے ظاہر ہو رہا تھا۔

﴿وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ ءَايَةً أُخْرَىٰ﴾

''اور اپنا ہاتھ اپنی بغل سے ملاؤ وہ سفید چمکتا ہوا بغیر عیب کے نکلے گا، یہ دوسری نشانی ہے'' (22)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے دوسرے معجزے کی وضاحت ﴿وَاضْمُمْ ... أُخْرَىٰ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ﴾ ''اور اپنا ہاتھ اپنی بغل سے ملاؤ'' یہ دوسرا معجزہ ہے۔

(2) یعنی اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو اور اپنے بازو کو اپنے ساتھ لگا لو جو انسان کے پر ہیں۔(تفسیر سعدی:1608/2)

(3) ﴿تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ﴾ ''وہ سفید چمکتا ہوا بغیر عیب کے نکلے گا'' یعنی بغیر برص کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا۔

(4) ﴿ءَايَةً أُخْرَىٰ﴾ ''یہ دوسری نشانی ہے'' اس نشانی کی وضاحت رب العزت نے سورہ القصص میں یوں فرمائی ہے: ﴿اُسْلُكْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذَٰنِكَ بُرْهَانَانِ مِنْ رَّبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَإِيْهِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ﴾ ''اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو، بغیر کسی عیب کے سفید چمکتا ہوا نکلے گا اور خوف سے (بچنے کے لیے) اپنا بازو اپنے ساتھ ملا لو سو یہ تمہارے رب کی طرف سے دو دلیلیں ہیں فرعون اور اُس کے سرداروں کے لئے یقیناً وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔'' (القصص:32)

﴿لِنُرِيَكَ مِنْ ءَايَٰتِنَا ٱلْكُبْرَى﴾

''تا کہ ہم تمہیں اپنی بڑی نشانیوں میں سے کچھ دکھائیں'' (23)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو دی جانے والی نشانیوں کا مقصد کیا تھا، اس کی وضاحت ﴿لِنُرِيَكَ مِنْ ءَايَٰتِنَا ٱلْكُبْرَى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: ﴿لِنُرِيَكَ مِنْ ءَايَٰتِنَا ٱلْكُبْرَى﴾ ''تا کہ ہم تمہیں اپنی بڑی نشانیوں میں سے کچھ دکھائیں'' مذکورہ افعال یعنی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

عصا کا سانپ بن جانا اور ہاتھ کا دیکھنے والوں کے لئے سفید چمکدار ہو جانا صرف اس لئے سر انجام دیئے ہیں تا کہ ہم تجھ کو اپنی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کروائیں، جو تیری رسالت کی صحت اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اس کی حقیقت پر دلالت کرتی ہیں اور یوں تجھ کو اطمینان قلب حاصل ہوگا، تیرے علم میں اضافہ ہوگا اور تو اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نصرت کے وعدے پر بھروسہ کرے گا، نیز یہ نشانیاں ان لوگوں کے سامنے حجت اور دلیل ہوں گی جن کی طرف تجھ کو مبعوث کیا جا رہا ہے۔

(تفسیر سعدی:1608/2)

ع 1 24 10

﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾

''اب تم فرعون کے پاس جاؤ، یقیناً اس نے سرکشی کی ہے'' (24)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ کے لیے فرعون کے پاس جانے کا جو حکم دیا گیا، اس کی وضاحت ﴿اِذْهَبْ... طَغٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ رب العزت نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت کے بعد مصر کے بادشاہ فرعون کی طرف مبعوث کیا۔

(2) ﴿اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ﴾ ''اب تم فرعون کے پاس جاؤ'' یعنی بادشاہ مصر فرعون کے پاس جاؤ جس کے خوف کی وجہ سے تم مصر سے نکلے تھے اور اسے وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دو، اسے حکم دو کہ وہ بنی اسرائیل سے اچھا سلوک کرے اور انہیں عذاب نہ دے۔ (المصباح المنیر :45/4)

(3) ﴿اِنَّهٗ طَغٰى﴾ ''یقیناً اس نے سرکشی کی ہے'' یعنی وہ اپنے کفر و فساد میں، زمین میں تغلب اور کمزوروں پر ظلم کرنے میں حد سے بڑھ گیا ہے حتیٰ کہ اس نے ربوبیت اور الوہیت کا دعویٰ کر دیا۔ ﴿قَبَّحَهُ اللّٰهُ﴾ یعنی اس کی سرکشی اس کی ہلاکت کا سبب ہے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت، اس کی حکمت اور اس کا عدل ہے کہ وہ کسی کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک کہ انبیاء و مرسلین کے ذریعے سے اس پر حجت قائم نہیں کر دیتا۔ (تفسیر سعدی:1609/2)

(4) فرعون یعنی بادشاہ مصر۔ اس پر تورات اور ساری تاریخوں کا اتفاق ہے کہ جو فرعون، سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا معاصر تھا، وہ متکبر، جابر و فاسق تھا اور خدا کا اوتار تو بہر حال ہر فرعون مصر سمجھا ہی جاتا تھا۔ فرعون کسی بادشاہ کا شخصی نام نہ تھا، بلکہ اس نسل شاہی کے سارے ہی تاجداروں کا ایک عمومی لقب تھا، اور یہ خاص فرعون اپنے ظلم اور زیادتیوں میں اور بڑھا ہوا تھا۔ (تفسیر ماجدی:231/3)

(5) سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر واضح کیا گیا کہ آپ کو اس عظیم مہم کے لیے چنا گیا ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو یہ کہنے کا حکم دیا تھا: ﴿فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾﴾ ''پس کہہ دو کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا تیرے لیے کوئی رغبت ہے کہ تم پاکیزگی اختیار کرو؟ اور میں تمہارے رب کی طرف تمہاری راہ نمائی کروں کہ تم ڈرنے لگ جاؤ؟'' (النازعات:19,18)

﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ﴾

''موسیٰ نے کہا: ''اے میرے رب! میرے لئے میرا سینہ کھول دے'' (25)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے شرح صدر کی جو دعا کی، اس کی وضاحت ﴿قَالَ...صَدْرِيْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''اے میرے رب! میرے لئے میرا سینہ کھول دے'' اس وقت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ انہوں نے بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ اٹھالیا ہے اور انہیں ایک جابر اور سرکش انسان کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، جس کا مصر میں مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں جب کہ موسیٰ علیہ السلام تن تنہا ہیں، علاوہ ازیں ان سے ایک قتل بھی سرزد ہو چکا تھا، لیکن انہوں نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی اور انشراح صدر کے ساتھ اس کو قبول کیا اور اللہ تعالیٰ سے مدد اور اسباب کی فراہمی کا سوال کیا جن کی بنا پر دعوت کی تکمیل ہوتی ہے، چنانچہ عرض کیا: ﴿رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ﴾ یعنی اے اللہ! میرے سینے کو کھول دے اور اسے وسعت عطا کرتا کہ میں قولی اور فعلی اذیتیں برداشت کرسکوں اور میرا قلب تکدر کا شکار نہ ہو اور میرا سینہ تنگ نہ ہو کیونکہ انسان کا سینہ جب تنگ ہوتا ہے تو وہ مخلوق کی ہدایت اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کا اہل نہیں رہتا۔ رب العزت نے نبی ﷺ سے فرمایا: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ ''پس اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہی کی وجہ سے آپ ان کے لیے نرم ہو گئے ہیں اور اگر آپ بدخلق اور سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے۔'' (آل عمران:159) لوگ (داعی کی) نرم خوئی، کشادہ دلی اور ان کے بارے میں اس سے انشراح صدر کی بنا پر قبول حق کے قریب آتے ہیں۔ (تفسیر سعدی:1609/2) (2) یعنی اے میرے رب میرے دل کو وسعت دے یہاں تک کہ میں اس کا خوف نہ کھاؤں اور یہ بھی کہ میرے دل کو اسلام کے لیے نرم کر دے یہاں تک کہ میں اس پر ثابت قدم ہو جاؤں۔ (تفسیر سمرقندی:410/2) (3) یعنی اس (دل) کو وسعت دے اور اسے ایمان اور نبوت کا نور عطا فرما۔ (صفوۃ التفاسیر:203/2)

(4) رب العزت نے نبی ﷺ کے شرح صدر کے بارے میں فرمایا: ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ ''کیا ہم نے آپ کے لئے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟'' (الم نشرح:1)

(5) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے جبکہ آپ بچوں کے ساتھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کھیل رہے تھے، انہوں نے آپ کو پکڑا، نیچے لٹایا، آپ کا سینہ چاک کیا اور دل نکال لیا، پھر اس سے ایک لوتھڑا نکالا اور کہا: یہ آپ (کے دل میں) سے شیطان کا حصہ تھا، پھر اس (دل) کو سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے دھویا، پھر اس کو جوڑا اور اس کی جگہ پر لوٹا دیا۔۔۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس سلائی کا نشان آپ کے سینے پر دیکھا کرتا تھا۔ (مسلم:413)

(6) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے ایک شخص مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "میں بیت اللہ کے پاس نیم خوابی کے عالم میں تھا (کچھ سو رہا تھا اور کچھ جاگ رہا تھا) اچانک میں نے ایک بولنے والے کی آواز سنی، وہ کہہ رہا تھا تین آدمیوں میں سے ایک (محمد ہیں)، پھر میرے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا، اس میں زمزم کا پانی تھا، اس نے میرے سینے کو چاک کیا یہاں سے یہاں تک" قتادہ کہتے ہیں: میں نے انس سے کہا: کہاں تک؟ انہوں نے کہا: آپ نے فرمایا: "پیٹ کے نیچے تک"، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "اس نے میرا دل نکالا، پھر اس نے میرے دل کو زمزم سے دھویا، پھر دل کو اس کی جگہ پر رکھ دیا گیا اور ایمان و حکمت سے اسے بھر دیا گیا۔" اس حدیث میں ایک لمبا قصہ ہے۔ (ترمذی:3346) (7) قرآن مجید میں جس شرح صدر کا مذکور ہے، وہ روایات بالا کی تصدیق فرماتا ہے اور بایں ہمہ وسیع تر معانی کا اظہار کرتا ہے آیات ذیل پر غور کرو: ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ﴾ "تو جس شخص کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اسے ہدایت دے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے وہ چاہتا ہے کہ اسے گمراہ کردے اس کا سینہ تنگ، نہایت گھٹا ہوا بنا دیتا ہے گویا کہ وہ مشقت سے آسمان میں چڑھ رہا ہے۔" (الانعام:125) ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ "کیا پھر وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا، سو وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر ہے (کسی کافر جیسا ہو سکتا ہے)؟" (الزمر:22) (رحمۃ للعالمین:3/610)

﴿وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ﴾

"اور میرے کام کو میرے لیے آسان کردے" (26)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کام کی آسانی کے لیے دعا کس وجہ سے کی تھی، اس کی وضاحت ﴿وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ﴾ "اور میرے کام کو میرے لیے آسان کردے" سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کام کی آسانی کے لیے دعا اس وجہ سے کی تھی کہ اللہ تعالیٰ تنگی اور آسانی کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی آسانیاں پیدا نہیں کرسکتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(2) نبی ﷺ یہ دعا کرتے تھے: ﴿اَللّٰهُمَّ لَا سَهْلَ اِلَّا مَا جَعَلْتَهٗ سَهْلًا وَّاَنْتَ تَجْعَلُ الْحُزْنَ اِذَا شِئْتَ سَهْلًا﴾ ''اے اللہ! نہیں ہے کوئی کام آسان مگر وہی جسے تو آسان کر دے اور تو مشکل کام کو آسان کر دیتا ہے جب تو چاہے۔'' (صحیح ابن حبان:24217)

(3) یعنی میرے لئے میرا ہر معاملہ اور اپنے راستے میں میری ہر منزل کو آسان کر دے، میرے سامنے جو مشکلات اور سختیاں ہیں ان کو نرم کر دے۔ معاملے کو آسان کرنا یہ ہے کہ داعی نہایت آسانی کے ساتھ تمام معاملات کو ان کے اپنے اپنے دائرے میں نمٹا سکے، ہر شخص سے اس کے مزاج کی مناسبت سے مخاطب ہو اور اسے اس طریقے سے دعوت دے جو قبول حق کے قریب تر ہو۔ (تفسیر سعدی:1610/2)

﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ﴾

''اور میری زبان کی گرہ کو کھول دے'' (27)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے زبان کی گرہ کھولنے کی درخواست کس وجہ سے کی تھی، اس کی وضاحت ﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ﴾ ''اور میری زبان کی گرہ کو کھول دے'' (i) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے یہ درخواست اس لیے کی تھی کہ لوگ اُن کی بات کو سمجھ جائیں۔ (ii) تا کہ پوری وضاحت سے بات کو بیان کیا جا سکے۔

(iii) تا کہ اپنا دفاع بھی کیا جا سکے۔

(2) ادائے فرائض میں سہولت ڈھونڈنا اور آسانی تلاش کرنا ایک امر طبعی بشری ہے اور منصب نبوت کے منافی ہونا الگ رہا، عین سنت انبیاء ہے۔ (تفسیر ماجدی:232/3)

(3) اس دور میں ابلاغ کا واحد ذریعہ صرف کسی خطیب کی خطابت و زبان آوری ہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں خطیبوں کو سوسائٹی میں سب سے زیادہ عزت حاصل تھی۔ عرب میں تو یہ حال تھا کہ جو شخص قبیلہ کا خطیب ہوتا وہی اس کا زعیم اور قائد ہوتا۔ (تفسیر تدبر القرآن:38/5)

﴿يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ﴾

''تا کہ وہ میری بات سمجھیں'' (28)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بات سمجھانے کی قدرت کس وجہ سے مانگی تھی، اس کی وضاحت ﴿يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ﴾ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ﴾ ''تا کہ وہ میری بات سمجھیں'' موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں ثقل تھا جس کی وجہ سے ان کی بات مشکل سے سمجھ میں آتی تھی جیسا کہ مفسرین کی رائے ہے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں فرمایا: ﴿وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا﴾ ''اور میرا بھائی ہارون زبان میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے'' (القصص:34) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کی زبان کی گرہ کھول دے تا کہ لوگ ان کی بات کو سمجھ سکیں اور خطاب اور معانی کے بیان کا مقصد پورا ہو سکے۔ (تفسیر سعدی:1610/2)

(2) انہوں نے یہ دعا اس لیے مانگی کہ اچھی طرح بات سمجھانے کی قدرت ہو تو انسان رب کا پیغام پہنچا سکتا ہے۔

(3) اپنی بات کو عمدہ انداز میں دوسرے تک پہنچانا عظیم نعمت ہے جو رب العزت نے عطا کی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿اَلرَّحْمٰنُ (1) عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (2) خَلَقَ الْاِنْسَانَ (3) عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (4)﴾ ''وسیع رحمت والے نے۔ قرآن کی تعلیم دی۔ اُس نے انسان کو پیدا کیا۔ اُسے بولنا سکھایا۔'' (الرحمٰن:1-4)

(4) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بیان کا مقصد پورا کرنے کی دعا کی کہ میں اس طرح بیان کرنے کے قابل ہو جاؤں کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔

﴿وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ﴾

''اور میرے لیے میرے خاندان سے ایک معاون مقرر کر دے'' (29)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں میں سے وزیر بنانے کی درخواست کس وجہ سے کی، اس کی وضاحت ﴿وَاجْعَلْ...اَهْلِيْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ﴾ ''اور میرے لیے میرے خاندان سے ایک معاون مقرر کر دے'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے کہ جیسے وزیر بوجھ اُٹھانے والا ہوتا ہے اور بادشاہ کا بوجھ اُٹھاتا ہے ایسے ہی میرے خاندان میں سے کوئی میرے ساتھ بوجھ اُٹھانے والا ہو جائے اس لیے انہوں نے یہ درخواست کی۔

(2) یعنی میرے گھر والوں میں سے میرا مددگار بنا دے جو میری مدد کرے، جو میرا بوجھ بٹائے اور جن لوگوں کی طرف مجھے رسول بنا کر بھیجا جا رہا ہے ان کے مقابلے میں مجھے تقویت دے اور اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کی کہ یہ مددگار ان کے گھر والوں میں سے ہو اس لیے کہ یہ صلہ رحمی کا ایک طریقہ ہے۔ انسان کی نیکی کا سب سے زیادہ مستحق اس کا رشتہ دار ہوتا ہے۔ (تفسیر سعدی:1610/2)

(3)﴿وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ﴾ ''میرا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھائی ہارون زبان میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے، تو اُسے میرے ساتھ مددگار کے طور پر بھیج دے کہ وہ میری تائید کرے، یقیناً میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔'' (القصص:34)

(4) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام تھے؟'' (بخاری:3706)

(5) سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اسی طرح مدد طلب کی تھی۔ ﴿فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ ''پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر محسوس کیا تو کہا: ''کون اللہ تعالیٰ کی طرف میرا مددگار ہے؟'' حواریوں نے کہا: ''ہم اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں، ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں اور آپ گواہ ہو جائیں کہ یقیناً ہم فرماں بردار ہیں۔'' (آل عمران:52)

(6) رب العزت نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کر لی۔ فرمایا: ﴿قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہم جلد ہی تیرے بھائی کے ذریعے تیرا بازو مضبوط کریں گے۔ اور ہم تم دونوں کو غلبہ دیں گے، سو وہ تم دونوں تک نہ پہنچیں گے، ہماری نشانیوں کے ساتھ، تم دونوں اور جو تم دونوں کی پیروی کریں گے، غالب ہونے والے ہیں۔'' (القصص:35)

﴿هٰرُوْنَ اَخِي﴾

''ہارون کو جو میرا بھائی ہے'' (30)

سوال: ہارون علیہ السلام کون تھے، اس کی وضاحت ﴿هٰرُوْنَ اَخِي﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿هٰرُوْنَ اَخِي﴾ ''ہارون کو جو میرا بھائی ہے'' سیدنا ہارون علیہ السلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے حقیقی بڑے بھائی تھے۔ ان کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی دعا اور التجا پر نبوت عطا ہوئی تھی۔

(2) بائبل میں ہے کہ سیدنا ہارون علیہ السلام کے متعلق عبادت خانہ کا اہتمام تھا اور وہی امامت کرایا کرتے تھے۔

(3) قرآن مجید میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے فرمایا گیا: ﴿وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا﴾ ''اور میرا بھائی ہارون زبان میں مجھ سے زیادہ فصیح ہے'' (القصص:34) فصاحت و بلاغت کا تعلق الفاظ سے بھی ہے، معنی سے بھی، مناسب موقع اور اسلوب کلام سے بھی ہے۔

(4) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے ظاہر ہوتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(i)﴿اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى﴾ ''اوپر والا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔'' (صحیح مسلم:2388)

(ii)﴿اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ﴾ ''دین خیر خواہی کا نام ہے۔'' (صحیح مسلم:196)

(iii)﴿إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ﴾ ''تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔'' (صحیح بخاری:1)

﴿اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ﴾

''اس سے میری پشت کو مضبوط کر دے'' (31)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سیدنا ہارون علیہ السلام کی وجہ سے پشت مضبوط کرنے کا معاملہ کیوں سامنے رکھا، اس کی وضاحت ﴿اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ﴾ ''اس سے میری پشت کو مضبوط کر دے'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے کہ مہم کو آگے بڑھائیں اس وجہ سے قوت کی درخواست کی تھی۔ (تفسیر منیر:553/8)

(2) یعنی مجھے میرے بھائی کے ذریعے قوت عطا کر اور میری کمر کو مضبوط کر۔ فرمایا: ﴿قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ہم جلد ہی تیرے بھائی کے ذریعے تیرا باز و مضبوط کریں گے اور ہم تم دونوں کو غلبہ دیں گے۔'' (القصص:35) (تفسیر سعدی:1610/2)

﴿وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ﴾

''اور اس کو میرے کام میں شریک کر دے'' (32)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کام میں شرکت کے لیے خصوصی درخواست کیوں کی، اس کی وضاحت ﴿وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) سیدنا موسیٰ علیہ السلام مشورے سے کام کرنا چاہتے تھے کیونکہ اس سے کام مؤثر طور پر ہو جاتے ہیں اس لیے اُنہوں نے شرکت ضروری سمجھی۔

(2)﴿وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ﴾ ''اور اس کو میرے کام میں شریک کر دے'' یعنی میرے ساتھ انہیں بھی نبوت میں شریک کر دیجیے یعنی انہیں بھی رسول اور نبی بنا دیں۔ (3) یعنی میرے ساتھ اسے بھی فرعون کے پاس بھیجیے۔ (جامع البیان:179/16)

(4) تفسیر خازن میں ﴿وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ﴾ کے حوالے سے ہے کہ امرِ نبوت میں میرے ساتھ شریک ہو جائے اور رسالت کا کام کرنے کے لیے، اس کی تبلیغ کرنے کے لیے میرے ساتھ مددگار ہو جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(5)﴿وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ﴾ سے مراد ہے کہ اسے میرے ساتھ رسالت کے کام میں شریک کر دیں یہاں تک کہ ہم باہمی تعاون کریں۔

﴿كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا﴾

''تا کہ ہم کثرت سے تیری تسبیح بیان کریں''(33)

سوال: تسبیح کا تذکرہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کس وجہ سے کیا، اس کی وضاحت ﴿كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا﴾ ''تا کہ ہم کثرت سے تیری تسبیح بیان کریں'' تسبیح کرنا ہی مہم کی کامیابی کے لیے ضروری تھا کیونکہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے مضبوط رابطہ جڑتا ہے۔ اس لیے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اس کا تذکرہ کیا۔

(2) نبی اور انبیاء کے طریقہ پر کام کرنے والوں کی خلوت وجلوت دونوں ذکر و تسبیح ہوتی ہے۔ وہ مسجد میں جو کام کرتے ہیں وہ بھی ذکر و تسبیح ہے اور بازار میں جو کام کرتے ہیں وہ بھی ذکر و تسبیح ہے۔ (تفسیر تدبر القرآن:41/5)

(3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ تمام عبادات اور دین کا دارومدار اللہ تعالیٰ کے ذکر پر ہے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کے ساتھ ان کے بھائی کو بھی نبوت عطا کر دے، وہ نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر یعنی تسبیح اور عبادات کی دیگر انواع میں اضافہ ہوگا۔ (تفسیر سعدی:1610/2)

﴿وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا﴾

''اور ہم کثرت سے تیرا ذکر کریں''(34)

سوال 1: ذکر کثیر سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کس چیز کو سامنے رکھا، اس کی وضاحت ﴿وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا﴾ ''اور ہم کثرت سے تیرا ذکر کریں'' ذکر کثیر بھی تسبیح کثیر کی طرح مہم کی کامیابی کے لیے ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر انسان کے دل کو مطمئن رکھتا ہے۔ رب سے تعلق کو جوڑے رکھتا ہے۔ انسان مایوس نہیں ہوتا۔

(2) دو آدمی مل کر تبلیغ و دعوت کا کام قدرتاً زیادہ قوت کے ساتھ کر سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی غرض اس وزارت سے محض دینی امور میں تقویت اور مصالح دعوت و تبلیغ کی تحصیل و تکمیل تھی۔ (تفسیر ماجدی:233/3)

(3) مسلسل رابطے کے لیے اللہ تعالیٰ نے تسبیح اور ذکر کثیر کا حکم دیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 2: انسان کثرت سے ذکر کرنے والا کب ہوتا ہے؟

جواب: انسان کثرت سے ذکر کرنے والا نہیں ہوتا جب تک کھڑے بیٹھے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کرتا رہے۔
(السراج المنیر :1158/2)

﴿اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا﴾

''یقیناً تو ہی ہمارے حال کو خوب دیکھنے والا ہے'' (35)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے بصیر ہونے کو کس وجہ سے سامنے رکھا، اس کی وضاحت ﴿اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا﴾ ''یقیناً تو ہی ہمارے حال کو خوب دیکھنے والا ہے'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے طویل سوال کئے تھے۔ اپنی کمزوری کے ساتھ ضروریات کو سامنے رکھا اور اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی۔ مسلسل رابطے کے لیے تسبیح کثیر اور ذکر کثیر کا ذکر کیا اور اس طرح یہ واضح کیا کہ کمزور ہوں تو دیکھتا ہے، تجھے سب معلوم ہے۔

(2) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے توسل الی اللہ ہے۔ (ایسر التفاسیر:885)

(3) جو کچھ وہ اپنے رب سے طلب کر رہے تھے ان کے دل کو یقین تھا کہ میرا رب دیکھتا ہے۔ وہ میرے حالات کو جانتا ہے۔ (4) ﴿بَصِيْرًا﴾ ''خوب دیکھنے والا ہے'' یعنی ہمارے حال کو ہم سے زیادہ جاننے والا ہے۔

(5) اے اللہ! تو ہمارے حال، ہماری کمزوری اور ہمارے عجز کو جانتا ہے اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ ہم ہر معاملے میں تیرے محتاج ہیں، تو ہمیں ہم سے زیادہ دیکھتا ہے اور ہم پر ہم سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ پس ہم نے تجھ سے جو سوال کیا ہے وہ ہمیں عطا کر کے ہمیں ممنون فرما اور ہماری دعا قبول فرما۔ (تفسیر سعدی:1610/2، 1611)

﴿قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى﴾

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یقیناً جو تم نے مانگا تجھے دے دیا گیا اے موسیٰ!'' (36)

سوال 1: اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے مطالبات کا جو جواب دیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ... يٰمُوْسٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یقیناً جو تم نے مانگا تجھے دے دیا گیا اے موسیٰ!'' اللہ تعالیٰ نے نام لے کر مطالبہ منظور کر لیا۔ کافی دیر تک یہ تجلی کا سلسلہ قائم رہا۔ ساری درخواستیں قبول ہو گئیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(2) یعنی اے موسیٰ علیہ السلام! جو آپ نے مانگا یعنی شرح صدر، معاملے کی آسانی، زبان کی گرہ کا کھولنا، تمہاری بات کا قابلِ فہم ہونا، ہارون کے ذریعے تمہارے ہاتھ مضبوط کرنا، ہم نے آپ کو سب کچھ عطا کر دیا۔

(3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جس وقت موسیٰ علیہ السلام کو نبی بنایا گیا اسی وقت ہارون علیہ السلام کو بھی نبی بنا دیا۔

(السراج المنیر: 2/158)

سوال 2: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا سوال کس امر پر دلالت کرتا ہے؟

جواب: (1) موسیٰ علیہ السلام کا سوال اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت حاصل تھی، آپ کمال درجے کے ذہین و فطین تھے اور تمام معاملات کی کامل معرفت رکھتے تھے اور کامل خیر خواہی سے بہرہ ور تھے، نیز یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والا اور مخلوق کی راہ نمائی کرنے والا، خاص طور پر جب اس داعی کے مخاطب اہل عناد، متکبر اور سرکش لوگ ہوں کشادہ دلی، اذیتوں پر بردباری اور فصاحت زبان، جس کے ذریعے سے وہ اپنے مقاصد اور ارادوں کی تعبیر پر قادر ہو، کا محتاج ہوتا ہے بلکہ اس مقام پر فائز شخص کے لئے فصاحت و بلاغت نہایت ضروری ملکہ ہے کیونکہ اسے کثرت سے بحث و تکرار کی ضرورت پیش آتی ہے، علاوہ ازیں یہ بھی اس کی ضرورت ہے کہ وہ حتی المقدور حق کو خوب صورت اور مزین کر کے پیش کرے تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو اور باطل کی قباحت و شناعت کو اجاگر کرے تاکہ لوگ اس سے متنفر ہوں۔

(2) داعی حق اس بات کا بھی محتاج ہے کہ اس کے معاملے میں آسانی پیدا ہو اور وہ اس کے لئے درست طریق کار اختیار کرے۔ حکمت، اچھی نصیحت اور بہترین طریق گفتگو کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف دعوت دے اور لوگوں کے ساتھ ان کے حسب حال معاملہ کرے اور ان سب باتوں کی تکمیل یہ ہے کہ جو شخص یہ وصف رکھتا ہو اس کے کچھ اعوان و مددگار ہوں جو اس کے مقصد کے حصول میں اس کی مدد کریں کیونکہ جب آوازیں زیادہ ہوں گی تو وہ زیادہ اثر انداز ہوں گی، اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے ان امور کا سوال کیا تھا جو انہیں عطا کر دیئے گئے۔

(3) اگر آپ انبیاء کی حالت پر غور کریں گے، جن کو مخلوق کی طرف بھیجا گیا، تو ان کے احوال کے مطابق ان کو اسی حال میں پائیں گے۔ خاص طور پر افضل الانبیاء خاتم المرسلین جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو، جو ہر صفت کمال میں بلند ترین درجے پر فائز تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح شرح صدر، تیسیر امر، فصاحت زبان، حسن تعبیر و بیان اور حق کی راہ میں اعوان و انصار یعنی صحابہ و تابعین اور ان کے بعد آنے والوں سے نوازا گیا، دوسرے انبیاء کو یہ خوبیاں اس انداز سے میسر نہیں آئیں۔ (تفسیر سعدی: 2/1611،1612)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى﴾

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ایک بار اور تم پر احسان کیا'' (37)

سوال: اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو سابقہ احسان یاد دلایا، اس کی وضاحت ﴿وَلَقَدْ...اُخْرٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ایک بار اور تم پر احسان کیا'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر جو انعامات و عنایات حق اس وقت مبذول ہوئیں کہ شرف ہم کلامی سے نوازا گیا، نبوت و رسالت عطا ہوئی، خاص معجزات عطا ہوئے اس کے ساتھ یہاں حق تعالیٰ اپنی وہ نعمتیں بھی ان کو یاد دلاتے ہیں جو شروع پیدائش سے لے کر اس وقت تک، زندگی کے ہر دور میں آپ پر مبذول ہوتی رہیں اور مسلسل آزمائشوں اور جان کے خطروں کے درمیان قدرت حق نے کن حیرت انگیز طریقوں سے ان کی حفاظت فرمائی۔ (تفسیر معارف القرآن: 82/6)

(2) اللہ تعالیٰ نے فرعونیت کی دستبرد سے بچا کر زندہ رکھنے کے احسان کا ذکر فرمایا ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ نے بچپن میں کیے جانے والے احسان کا ذکر فرمایا ہے۔

(4) یعنی وہ احسان جو ہم نے تیری ماں پر وحی کر کے تجھ پر کیا تھا جب کہ فرعون بچوں کے درپے تھا۔ اس وقت تیری زندگی کے لیے ہم نے کیسے تیری ماں کے دل میں ڈالا کہ آپ تابوت بناؤ، آپ اس میں موسیٰ کو رکھو، تابوت ایسا ہونا چاہیے، دریا میں بہا دو پھر اس کی بہن کو ساتھ ساتھ بھیج دو۔ (جامع البیان: 180/16)

﴿اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى﴾

''جب ہم نے تمہاری ماں کی جانب وحی کی جو بھی وحی کی جاتی ہے'' (38)

سوال: اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر وحی کی، اس کی وضاحت ﴿اِذْ...يُوْحٰٓى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى﴾ ''جب ہم نے تمہاری ماں کی جانب وحی کی جو بھی وحی کی جاتی ہے'' اللہ تعالیٰ نے اُم موسیٰ علیہا السلام کے دل میں بچے کو فرعون کی دستبرد سے بچانے کے لیے بات ڈال دی تھی۔

(2) نیند کی حالت میں ان کے دل کے اندر یہ بات راسخ ہو گئی تھی۔ (3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اسی طرح کی وحی کی گئی تھی جیسے نبیوں کی طرف وحی کی جاتی ہے واللہ اعلم! (الجامع الاحکام القرآن للقرطبی: 95/6)

﴿اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ

''یہ کہ تو اسے صندوق میں ڈال، پھر اس کو دریا میں پھینک دو، پھر لازم ہے کہ دریا اس کو کنارے پر ڈال دے، اسے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ

ایک شخص اُٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے اور میں نے اپنی طرف سے تم پر ایک محبت ڈال دی

وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ﴾

اور تا کہ تم میرے سامنے پرورش کیے جاؤ'' (39)

سوال 1: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں کیا بات ڈالی گئی، اس کی وضاحت ﴿اَنِ اقْذِفِيْهِ ... وَعَدُوٌّ لَّهٗ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ﴾ ''یہ کہ تو اسے صندوق میں ڈال'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف الہام کیا تھا کہ موسیٰ کو صندوق میں ڈال دو کیونکہ فرعون نے بچوں کو ذبح کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے انہیں چھپا کر صندوق میں رکھ دیا کیونکہ انہیں موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سخت خوف لاحق تھا۔

(2) ﴿فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ﴾ ''پھر اس کو دریا میں پھینک دو'' اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ بچے کو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دو تو ام موسیٰ نے انہیں دریا میں ڈال دیا۔

(3) ﴿فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ﴾ ''پھر لازم ہے کہ دریا اس کو کنارے پر ڈال دے'' پانی میں شعور نہیں ہے، دماغ نہیں ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کرتا ہے۔ اسے کس نے بتایا کہ صندوق کو بہا کر عین فرعون کے محل کے دروازے کے سامنے لے کر جانا ہے؟ آپ پانی کے شعور کو دیکھیں۔ اس میں سوئی ڈالیں ڈوب جائے گی، پورا جہاز نہیں ڈوبے گا۔ پانی کو کس نے بتا دیا کہ سوئی کو ڈبونا ہے اور ہمیشہ ہی ڈبونا ہے اور پورے کا پورا جہاز تیرتا چلا جائے؟ پانی کبھی نہیں بھولتا۔ پانی اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہے، وہی کرتا ہے جو رب چاہتا ہے۔

(4) اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا تھا کہ صندوق کو ساحل پر یعنی کنارے پر ڈال دے۔

(5) ﴿يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ﴾ ''اسے ایک شخص اُٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر میں لکھ رکھا تھا اور ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا کہ صندوق کو اللہ تعالیٰ اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا دشمن پکڑ لے۔

سوال 2: فرعون نے اپنے دشمن کو کیسے دریا سے نکال لیا؟

جواب: (1) فرعون نے محل کے باہر تیرتے ہوئے تابوت کو دیکھا تو اُسے باہر نکال لیا۔ اُس میں ایک معصوم بچہ تھا جسے اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے اپنی بیوی کی فرمائش پر پرورش کے لیے رکھ لیا۔

(2) اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کر رکھا تھا کہ موسیٰ کی پرورش اور تربیت فرعون کے ہاتھوں ہو۔ (3) فرعون کی زندگی کا عجیب واقعہ ہے۔ اس کی اولاد نہیں تھی بچے کو دیکھ کر دل نرم ہو گیا، اسے گھر لے آیا اور بیوی کی فرمائش پر رکھ بھی لیا۔ ایسے موقع پر خاص طور پر کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ یہ نہیں دیکھا کہ کیوں دیا ہے۔ انسان کی سوچ یہاں تک پہنچ بھی نہیں سکتی۔ اب دشمن کے ہاتھوں میں ایسا بچہ پہنچ گیا جس نے مستقبل میں نبوت کا کام کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کے لیے ایسا انتظام کیا جس کا کوئی توڑ ہی نہیں۔ دنیا میں جو بھی انتظامات کیے جاتے ہیں ان کا کوئی نہ کوئی حل نکل آتا ہے، مثلاً VIPs یا جو صدر وغیرہ کے پیچھے ایسے محافظ کھڑے ہوتے ہیں کہ جیسے ہی کوئی خطرے کی بات ہو وہ بٹن دباتے ہیں تو وہ شخص ایسے حصار میں آ جاتا ہے جہاں گولی بھی اثر نہیں کرتی۔ لیکن پھر بھی دشمن ان تک پہنچنے کا کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیتا ہے۔ اسی طرح خیمہ کسی پر تان دیا جائے، کسی کے آگے کوئی آڑ رکھ دی جائے تو اس کو ہٹایا جا سکتا ہے لیکن یہ جو محبت کا پردہ ہے اس کا کیا کریں!

سوال 3: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے اوپر اللہ تعالیٰ نے کیسے محبت ڈال دی، اس کی وضاحت ﴿وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ﴾ ”اور میں نے اپنی طرف سے تم پر ایک محبت ڈال دی“ اللہ تعالیٰ نے کمزور بچے پر محبت کو ڈھال بنا دیا۔ کوئی نظر اس پر برائی سے پڑ ہی نہیں سکتی۔ وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتا لیکن محبت اس کا دفاع کر رہی ہے۔ محبت کی یہ چادر ہر خطرے سے بچاتی چلی جا رہی ہے۔

(2) یہ محبت اللہ تعالیٰ کی جانب سے خصوصی محافظ تھی۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۝ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝﴾ ”اُسے فرعون کے گھر والوں نے اُٹھایا تاکہ وہ اُن کے لیے دشمن ہو اور غم کا باعث ہو۔ یقیناً فرعون اور ہامان اور اُن دونوں کے لشکر خطا کار تھے۔ اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ میرے لیے اور تمہارے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، تم اُسے قتل نہ کرو، اُمید ہے کہ وہ ہمیں نفع دے یا ہم اُسے بیٹا ہی بنا لیں اور وہ سمجھتے نہیں تھے۔“ (القصص: 9،8)

(3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام حصار میں ہیں کہ جو نظر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرف اٹھتی ہے تو وہ محبت سے بھرپور واپس جاتی ہے۔ یہ ایسی محبت ہے کہ ہر دل اس سے بھر جاتا ہے۔ دشمنی کہاں گئی؟ اس بچے کو ہی تو قتل کروانا تھا۔ جسے اللہ رکھے اسے کون

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

چکھے! بھلا رب کا بھی کوئی مقابلہ کر سکتا ہے؟ کبھی آپ نے غور کیا کہ ننھا بچہ خود اپنا دفاع نہیں کر سکتا، یہ فرعون کا مقابلہ کرنے کون آیا ہے؟ بادشاہوں کے لشکر مقابلے کے لیے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے کے لیے جس نے کہا تھا ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ ''میں تمہارا بڑا رب ہوں'' ننھا بچہ، ننھا لشکر لا کر کھڑا کر دیا، جو اپنے پاؤں پر کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔ اب مقابلہ جاری ہے محبت کا اور دشمنی کا اور اللہ تعالیٰ نے کیسا ہتھیار دیا ہے۔ اس واقعے کو اس نظر سے دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا دشمن چاہتا ہے کہ کوئی اللہ کا نام لیوا نہ ہو۔ اس نے بنی اسرائیل کی اولادیں ختم کروا دیں کہ کوئی ایسا ان میں پیدا نہ ہو جائے جو میری بادشاہی کو چیلنج کرے اور اب بہت خوش اور مطمئن ہے کہ کوئی چیلنج کرنے والا پیدا نہیں ہونے دیا اور اللہ تعالیٰ کا طریقہ کار دیکھیں۔ ایسی فوجیں کسی نے کبھی نہیں دیکھیں جو تابوت میں آئی ہوں اور ان کو خوشی خوشی وصول کیا گیا ہو۔ اور اکیلے ہی آئے ہیں ننھے موسیٰ علیہ السلام۔ ابھی اللہ تعالیٰ نے کہا کہ جاؤ فرعون کے پاس تو یہ دوسری بار جانا ہے۔ پہلی بار تو اللہ تعالیٰ نے خود ہی بھیج دیا۔ فوراً پھر تیار ہو گئے ہیں کہ ٹھیک ہے میں جاؤں گا ضرور لیکن آپ میرا سینہ کھول دیں، میری زبان کی گرہ کو کھول دیں اور اب جب مشن پر جانے کے لیے تیار ہیں تو کہتے ہیں کہ میرے ساتھ کسی کو بھیج دو۔ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ جب میں نے تمہیں پہلے بھیجا تھا تو اپنی محبت کی چھاؤں میں بھیجا تھا، اپنی محبت کی چادر تم پر ڈال دی اور کوئی نظر تمہیں بُرائی سے دیکھ ہی نہیں سکی۔ مقابلہ کتنا زبردست ہے۔ فرعون کو پتہ ہی نہیں کہ میرے ساتھ کیا بن گئی ہے۔

(4) اہل تاویل نے محبت کے معنوں میں اختلاف کیا ہے: کچھ لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو بندوں کا محبوب بنا دیا تھا۔ کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ محبت ان پر ڈال دی۔ پھر انہیں سیدہ آسیہ علیہا السلام نے جو فرعون کی بیوی تھیں، اپنا بیٹا بنا لیا۔ پھر ان کی پرورش کی، ان کی تربیت کی۔ دیکھیں محبت کی چادر اوڑھا کر اللہ تعالیٰ دشمنوں کے گھر میں پالتے ہیں کہ اب کسی اور گھر میں نہیں اسی گھر میں تمہاری پرورش ہوگی۔

(5) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے محبت کی تھی اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو مخلوق کے لیے محبوب بنا لیا تھا۔ (تفسیر قرطبی)

(6) اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نظروں میں پالا حالانکہ دن رات فرعون کی نظریں سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر پڑتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور آل فرعون کی نظروں میں بھی پالا، اللہ تعالیٰ نے دشمن کی آنکھ کا تارا بنا کر، بری نظر سے بچا کر پالا تھا۔ فرعون کی نظر بظاہر تو اپنی ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسی نظر کے ذریعے کیسا کام لے رہے ہیں کہ وہ جب دیکھے اللہ تعالیٰ کی نظر سے ہی دیکھے۔ جیسے اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے محبت کرتے تھے ایسے ہی فرعون کے دل میں بھی محبت ڈال دی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 4: اللہ تعالیٰ نے کیسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نظروں میں پالا تھا، اس کی وضاحت ﴿وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ﴾ ''اور تا کہ تم میرے سامنے پرورش کیے جاؤ'' اللہ تعالیٰ نے فرعون کی نظروں کے سامنے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو پالا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں، دشمن کی آنکھوں کا تارا بنا کر، اُس کی بُری نظر سے بچا کر پالا کیونکہ اس کی نظر پر اللہ تعالیٰ کی نظر ہے۔

(2) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس جو کچھ بھی تھا کچھ بھی دنیا کی طرف سے نہیں تھا، دنیا تو انہیں قتل کر دینا چاہتی تھی۔ ان کی پرورش بھی، تربیت بھی، حفاظت بھی، مشن بھی، کچھ بھی دنیا کی طرف سے نہیں تھا، نہ دنیا کے لیے تھا۔

(3) یعنی تا کہ تو میری آنکھوں کے سامنے، میری حفاظت میں تربیت حاصل کرے اور رحیم و کریم اللہ تعالیٰ کی سرپرستی سے بڑھ کر کس کی کفالت اور دیکھ بھال جلیل القدر اور کامل ہو سکتی ہے، جو اپنے بندے کو اس کے مصالح عطا کرنے اور ضرر رساں امور کو اس سے دور کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے؟ (تفسیر سعدی: 2/1613) (4) سیدنا موسیٰ علیہ السلام جہاں بھی پل رہے تھے، جہاں کہیں جو کچھ کر رہے تھے اللہ تعالیٰ کی نظروں میں تھے۔ مستقبل کا مشنری تھا جو سیدہ آسیہ علیہا السلام کے پاس، فرعون کے پاس آیا تھا، جب پل بڑھ کر جوان ہوئے تو یہی مشن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں مدین پہنچا دیا۔ تب بھی اللہ تعالیٰ کی نظروں میں تھے اور اب واپس آ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نظروں میں پال کر اپنے مشن کے لیے تیار کیا۔

(5)(i) اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نظروں میں اپنا بنانے کے لیے پالا تھا، اپنی نظروں میں دعوت دینے کے لیے پالا تھا۔

(ii) اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نظروں میں اس لیے پالا تھا تا کہ ان کے نفس میں ان کا کوئی حصہ نہ رہے، نہ اپنا حصہ رہے نہ کسی اور کا۔ جب سب کچھ رب کی طرف سے تھا تو وہ رب کے مشن کے لیے تھے۔

﴿اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی مَنْ یَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ

''جب تمہاری بہن چل رہی تھی، چنانچہ وہ کہنے لگی کہ کیا میں تمہاری راہ نمائی کروں جو اس کی اچھی طرح پرورش کرے گی؟ پس ہم نے

اِلٰٓی اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ

تمہیں تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غم نہ کرے اور تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا پھر ہم نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۣ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ڏ ثُمَّ جِئْتَ

اس غم سے تمہیں نجات دی اور ہم نے تمہیں مختلف آزمایا، خوب آزمانا، پھر تم کئی سال مدین والوں میں رہے پھر تم

عَلٰي قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى﴾

اپنے مقررہ وقت پر آئے اے موسیٰ!'' (40)

سوال 1: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ تک پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کیسا انتظام کیا، واقعات کی وضاحت ﴿اِذْ تَمْشِيْٓ...وَلَا تَحْزَنَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ﴾ ''جب تمہاری بہن چل رہی تھی'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں ایک اور کردار ہے۔ رب العزت نے اس منظر میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بہن کو دکھایا ہے جب کہ ان کی بہن چل رہی تھی۔

(2) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں یہ بات بھی ڈالی گئی کہ تابوت کی نگرانی بہن کرتی رہے۔ اس لیے ماں نے بیٹی سے کہا، ذرا دیکھتی رہنا یہ کہاں جا کر کنارے سے لگتا ہے۔ بہن چلتی رہی اور پتہ چلا فرعون کے محل کے کنارے تابوت رکا ہے۔ بہن کے دل کا کیا حال ہوا ہوگا کہ جہاں سے بچانے کے لیے تابوت میں ڈالا تھا وہیں پہنچ گیا لیکن دس بارہ سال کی بہن اس منظر میں بالکل پریشان نہیں ہے، پر اعتماد ہے۔ وہ آگے محل میں جا پہنچتی ہے۔ محل میں آمدورفت لگی ہے۔ دودھ پلانے والی عورتیں لائی جا رہی ہیں کہ بچے کو میں دودھ پلا دوں، میں پلا دوں۔ کہاں تو جان کے لالے تھے اور کہاں بادشاہ نے بیٹے کو Adopt کر لیا ہے اور اس کے لیے ہر ایک خدمت دینے کو تیار ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بہن بھی پہنچ گئیں۔

(3) ﴿هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰي مَنْ يَّكْفُلُهٗ﴾ ''چنانچہ وہ کہنے لگی کہ کیا میں تمہاری راہ نمائی کروں جو اس کی اچھی طرح پرورش کرے گی؟'' فرعون کے کارندے دودھ پلانے والیوں کو ایک ایک کر کے بچے کے پاس لائے مگر اس نے کسی کی چھاتی کو قبول نہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن آئی اور فرعون اور اس کے کارندوں سے کہنے لگی۔ کیا میں تمہاری راہ نمائی کروں جو اس کی اچھی طرح پرورش کرے گی؟ (تفسیر سعدی: 1614/2)

(4) (i) سیدنا موسیٰ علیہ السلام خوب صورت تھے ہر عورت کا دل چاہتا تھا اسے بیٹا بنا لے۔ (ii) پھر جب شاہی محل میں رکھا گیا تو دائیاں تلاش کی گئیں لیکن رب العزت نے ان سب کا دودھ حرام کر رکھا تھا۔ (iii) اتنے میں موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے آ کر کہا: ﴿فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓي اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ﴾ ''تو لڑکی نے کہا کہ کیا میں ایسے گھر والوں پر تمہاری راہ نمائی کروں جو تمہارے لیے اس کی پرورش کریں اور وہ اُس کے لیے خیر خواہ ہوں۔'' (القصص: 12)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(iv) محل میں یہ ہنگامہ صرف اس لئے برپا تھا کہ اس فیصلے تک پہنچائے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن بچے کو گود میں لے کر ماں کے پاس چلی جائیں۔ (v) ماحول میں سب پریشان تھے کہ بچے نے ایک ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ فرعون کے محل میں جہاں کسی کو دم مارنے کی اجازت نہیں تھی ننھے موسیٰ نے شور کیا ہوا تھا، چیخ چیخ کر حال خراب ہے اور ہر چیخ کے ساتھ سب لوگوں کی یہ خواہش ہے کہ کسی طرح کوئی انتظام ہو جائے۔ ٹیلی فون تو اس دور میں تھا نہیں لیکن خادم بہت تھے۔ پورے علاقے میں لوگ پہنچ گئے ہوں گے کہ بادشاہ کے بیٹے کو کون دودھ پلا سکتا ہے اور اسی کے نتیجے میں خواتین محل میں اکٹھی ہوئی تھیں اور موسیٰ علیہ السلام کسی عورت کو توجہ ہی نہیں دے رہے تھے، بس مٹھیاں بند کر کے چیخے ہی جا رہے تھے جیسے بچوں کی عادت ہوتی ہے جب انہوں نے کوئی بات نہیں ماننی ہوتی۔ اب بچے کو کوئی کیا سمجھائے جتنا بھی اس کو چپ کرائیں کچھ سمجھ نہیں آتا۔ اب کسی کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی بھوک کا کوئی توڑ ہی نہیں ہے، پھر کیا کیا جائے۔ ایسے میں بچی کی بات دل کو لگ گئی کہ کیا میں آپ کی ایسے گھر والوں کی طرف راہ نمائی کروں جو اس کی اچھی پرورش کر دیں؟

(5) ﴿فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ﴾ ''پس ہم نے تمہیں تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غم نہ کرے'' اس طرح اللہ تعالیٰ نے بچے کو دشمن سے لے کر اس کی ماں کے حوالے کر دیا۔ اب انہوں نے اس کو بیٹا بنا لیا تھا تو وہ کسی قیمت پر اس سے جدا ہونے کے لیے تیار نہیں تھے لیکن سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی آہ و بکا نے اور ان کی چیخوں نے ماحول پیدا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ماں تک پہنچانے کی وجہ بتائی ہے۔ فرمایا: ﴿كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا﴾ ''تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں'' بیٹے کی جدائی ماں برداشت نہیں کر پاتی اور خاص طور پر جب ننھے بچے کو اپنے ہاتھوں سے دریا برد کر دیا ہو تو اب صبر کیسے آئے؟ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کتنے عزیز ہیں کہ ایک ماں کے غم کو دور کرنے کے لیے، اور اس کی آنکھوں کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے بچے کو دوبارہ ماں کے پاس واپس لے آئے۔

سوال 2: موسیٰ علیہ السلام سے قتل ہو جانے اور اُن کے مدین جانے کے واقعات کی وضاحت ﴿وَقَتَلْتَ... يٰمُوْسٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَتَلْتَ نَفْسًا﴾ ''اور تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ایک ایسے موڑ پر آن پہنچا ہے جب وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے جب لوگ غفلت میں تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ دو لوگ لڑ رہے ہیں ان میں سے ایک قوم موسیٰ سے تھا اور دوسرا ان کی دشمن قوم یعنی قبطیوں سے تھا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۗ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ﴾ ''اور وہ شہر میں ایسے وقت داخل ہوا جب کہ اس کے رہنے والے غفلت میں تھے تو اس نے اس میں دو آدمیوں کو پایا کہ وہ آپس میں لڑ رہے تھے، یہ اُس کی قوم میں سے اور یہ اُس کے دشمنوں میں سے تھا۔ تو جو اُس کی قوم میں سے تھا اُس نے موسیٰ سے اُس شخص کے خلاف مدد طلب کی جو اُس کے دشمنوں میں سے تھا، تو موسیٰ نے اُس کو ایک گھونسا مارا پھر اُس کا کام تمام کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یہ شیطان کے کاموں میں سے ہے یقیناً وہ کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے۔'' (القصص:15) مقتول قبطی تھا۔

(2) ﴿فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ﴾ ''پھر ہم نے اس غم سے تمہیں نجات دی'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام غم میں مبتلا تھے۔ ایک تو قتل ہو گیا دوسرے گناہ کی سزا کا غم۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی اور رب نے بخش دیا۔

(3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی نظروں میں پل رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن کی تربیت کی تھی اس لیے اُن کے ضمیر نے ملامت کی کہ گناہ کر دیا ہے۔

(4) ''پھر ہم نے اس غم سے تمہیں نجات دی'' اس سے مراد یہ ہے کہ قتل کرنے کی وجہ سے جو قلق، پریشانی، بے چینی اور روح پر ایک بوجھ آ جاتا ہے اس سے تمہیں بچا لیا۔

(5) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہو گیا کہ گناہ کر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو غم سے بچا لیا اور مصر سے بھی بچا لیا۔

(6) ﴿وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا﴾ ''اور ہم نے تمہیں مختلف آزمایا'' یعنی ہم نے تجھ کو آزمایا اور تجھ کو اپنے تمام احوال میں راست رو پایا، یا ہم تجھ کو مختلف احوال و اطوار میں منتقل کرتے رہے یہاں تک کہ تو اپنے اس مقام کو پہنچ گیا جہاں تجھے پہنچنا تھا۔

(تفسیر سعدی:1614,1613/2)

(7) ''اور ہم نے تمہیں مختلف آزمایا'' یعنی جیسے اللہ تعالیٰ نے کبھی خوف ڈال دیا کہ اب موسیٰ علیہ السلام کیا کرتے ہیں۔ قتل کر دینے کا خوف بہت ہی عجیب نوعیت کا ہوتا ہے۔ اہل و عیال سے دوری برداشت کی۔ وطن سے دوری، ملازمت کی مشقت، بکریاں چرانے کی آزمائش برداشت کی جب کہ انہوں نے محل میں پرورش پائی تھی۔

(8) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ایک کے بعد ایک مشقت اٹھائی تھی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اخلاص عطا کیا تھا جس کی وجہ سے وہ کامیاب رہے۔ (تفسیر مراغی:93/6)

(9) اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے نبوت کا بڑا کام لینا تھا اس لیے انہیں مشقتوں میں ڈالنا ضروری تھا۔ اس کے بغیر نبوت کے فرائض انجام نہیں دیئے جا سکتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(10) ﴿فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ﴾ ”پھر تم کئی سال مدین والوں میں رہے“ یعنی جب تمہارے قتل کے منصوبے بنے تو اللہ تعالیٰ نے خفیہ طریقے سے نکال کر مدین پہنچا دیا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام مدین میں تقریباً آٹھ یا دس برس تک ٹھہرے۔

(11) اللہ رب العزت نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے: ﴿وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۥ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۫ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٝ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۫ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾﴾ ”اور جب موسیٰ نے مدین کی طرف رُخ کیا، اُس نے کہا: ”اُمید ہے کہ میرا رب سیدھی راہ کی طرف میری راہ نمائی کرے گا۔“ اور جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچا تو اُس پر لوگوں کے ایک گروہ کو پایا جو پانی پلا رہے تھے اور اُن سے الگ دو عورتوں کو پایا جو اپنے (جانوروں) کو روک رہی تھیں۔ موسیٰ نے کہا: ”تم دونوں کا کیا معاملہ ہے؟“ انہوں نے کہا: ”ہم پانی نہیں پلاتیں یہاں تک کہ چرواہے پلا کر واپس لے جائیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں۔“ چنانچہ اُس نے اُن دونوں کے (جانوروں کو) پانی پلا دیا، پھر وہ پلٹ کر سائے کی طرف چلا گیا تو اُس نے کہا: ”اے میرے رب! جو بھلائی بھی آپ مجھ پر نازل کر دیں، یقیناً میں محتاج ہوں۔“ تو اُن دونوں میں سے ایک انتہائی شرم وحیا کے ساتھ چل کر اُس کے پاس آئی، اُس نے کہا: ”یقیناً میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے لیے جو پانی پلایا اُس کا آپ کو بدلہ دیں۔“ تو جب وہ اُس کے پاس آیا اور اُس سے سارا حال بیان کیا، اُس نے کہا: ”ڈرو نہیں تم نے ظالم قوم سے نجات پائی ہے۔“ اُن دونوں میں سے ایک نے کہا: ”اے میرے ابا جان! اسے اُجرت پر رکھ لیں۔ یقیناً بہترین آدمی جسے آپ اجرت پر رکھیں مضبوط، امانت دار ہی ہے۔“ اُس نے کہا: ”یقیناً میں ارادہ رکھتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال تک میری مزدوری

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کرو، پھر اگر دس سال پورے کردو تو تمہاری طرف سے احسان ہے اور میں تم پر مشقت کا ارادہ نہیں رکھتا، تم ان شاء اللہ جلد ہی مجھے نیک لوگوں میں سے پاؤ گے۔'' (القصص:22-27)

(12) ﴿ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى﴾ ''پھر تم اپنے مقررہ وقت پر آئے اے موسیٰ!'' مقررہ وقت پر طور کی دائیں جانب آئے تھے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ وقت اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں مقرر تھا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔

(13) دس سالہ مدت گزر جانے کے بعد سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر والوں کو لے کر مصر روانہ ہوئے، پھر انہوں نے آگ دیکھی، عصا اژدھا بنا، ہاتھ چاندی کی طرح روشن ہوا۔

(14) یعنی تو اس مقام پر اتفاقاً، بغیر قصد و ارادہ اور بغیر ہماری تدبیر کے نہیں پہنچا بلکہ ہمارے لطف و کرم اور اندازے سے یہاں پہنچا ہے۔ (تفسیر سعدی:2/1613،1614)

﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ﴾

''اور میں نے تمہیں خاص طور پر اپنے لئے بنایا ہے'' (41)

سوال 1: اللہ تعالیٰ نے کیسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کام کا بنالیا، اس کی وضاحت ﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ﴾ ''اور میں نے تمہیں خاص طور پر اپنے لئے بنایا ہے'' یعنی اے موسیٰ! آپ پر اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت ہے۔ آپ کو میں نے خاص توجہ دی ہے اور آپ کی خاص تربیت کی ہے تاکہ آپ میرے محبوب بندے بن جاؤ۔

(2) اللہ تعالیٰ مشکل حالات میں رکھ کر اپنے کام کا بناتے ہیں۔ رکوع اور سجدوں کے مواقع دے کر، اپنی عبادت کی لذت دے کر اپنے کام کا بناتے ہیں، بھلائی کے کام کروا کر اپنے کام کا بناتے ہیں، انا پرستی سے نکال کر تواضع سکھا کر اپنے کام کا بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عبودیت کے آخری مرحلے میں پہنچا کر اپنے کام کا بنا لیتے ہیں۔

(3) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(عالم مثال میں) آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہی نے لوگوں کو پریشانی میں ڈالا اور انہیں جنت سے نکالا۔ آدم علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿اَنْتَ مُوْسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِرِسَالَتِهٖ وَاصْطَفَاكَ لِنَفْسِهٖ، وَأَنْزَلَ عَلَيْكَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿التَّوْرَاةَ﴾ آپ وہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لیے پسند کیا اور خود اپنے لیے پسند کیا اور آپ پر تورات نازل کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: جی ہاں۔ اس پر آدم علیہ السلام نے فرمایا: پھر آپ نے تو دیکھا ہی ہوگا کہ میری پیدائش سے پہلے ہی یہ سب کچھ میرے لیے لکھ دیا گیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں معلوم ہے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے۔" (صحیح بخاری: 4736)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کسے اپنے کام کا بنا لیتے ہیں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے اُوپر اُٹھ جانے والے کو اپنے کام کا بنا لیتے ہیں۔ جو لوگ خواہشات کی محبت میں مبتلا رہتے ہیں وہ کسی بھی کام کے نہیں ہوتے۔ جو ذات کی محبت میں ہوتے ہیں، خواہشات کی محبت میں مبتلا رہتے ہیں جنہیں اپنی مٹی سے محبت ہے، مٹی سے بنے انسانوں کی محبت زیادہ حاوی ہے، جن کے لیے ان کا بزنس، ان کا گھر زیادہ اہم ہوتا ہے، جو مٹی سے چمٹنے والے لوگ ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے کام کے نہیں ہوتے۔ جو اپنی ذات سے اوپر اٹھ کر دیکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنے کام کا بنا لیتے ہیں۔

(2) اللہ تعالیٰ اُسے اپنے کام کا بنا لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا شعور رکھتا ہو۔

(3) جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جینا اور اللہ تعالیٰ کی خوشی کی خاطر مرجانا چاہتا ہو۔

(4) جو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لے۔

(5) جو اپنی زندگی، اپنی عبادت، اپنی قربانی اللہ تعالیٰ کے نام کر دے۔

(6) جو اللہ تعالیٰ کا ہو کر رہنا چاہے۔

(7) جو اللہ تعالیٰ کے زمین پر اصلاحی پروگرام کو سمجھ کر اُس میں شامل ہونا چاہے۔

(8) جو اپنی ذات میں، اپنے اہل وعیال اپنے رشتہ داروں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا حصہ لگائے۔

(9) جو جہاد کا حق ادا کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کے مشن کو ایسے قبول کرلے جیسے مشن کو قبول کیا جاتا ہے۔

سوال 3: اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کس کام کا بنا لیا تھا؟

جواب: (1) البحر المحیط میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دین کی تبلیغ کے لیے چن لیا تھا کہ آپ لوگوں کو ایسے دین کی دعوت دیں جس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی دعوت نہ دی جاتی ہو۔

(2) اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنا بنا لیا تھا، اپنی ذات کے لیے مختص کر لیا تھا اور اپنے ذکر کے کام کا بنا لیا تھا۔

(3) اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنا پیغام پہنچانے کے مشن پر فائز کیا یوں انہیں اپنی دعوت کے کام کا بنا لیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَ اَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ﴾

''تم اور تمہارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ اور تم دونوں میری یاد میں سستی نہ کرنا'' (42)

سوال 1: سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام کو کس مشن پر بھیجا گیا اور کیا خاص تلقین کی گئی، اس کی وضاحت ﴿اِذْهَبْ... ذِكْرِيْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ﴾ ''تم اور تمہارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ جاؤ'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اپنے کام کے لئے چن لیا، انہیں اپنے کام کا بنالیا۔ اب انہیں کام پر بھیجا ہے کہ مشن پر جاؤ۔

(2) ﴿بِاٰيٰتِيْ﴾ ''میری نشانیوں کے ساتھ'' یعنی میرے دلائل کے ساتھ فرعون کے پاس جاؤ اور اسے میرا پیغام پہنچاؤ۔

(جامع البیان: 188/16)

(3) ﴿وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ﴾ ''اور تم دونوں میری یاد میں سستی نہ کرنا'' یعنی میرا ذکر ہمیشہ کرتے رہو اور اس کو دائمی طور پر قائم رکھتے ہوئے کسی سستی کا شکار نہ ہو، میرے ذکر کو لازم بناؤ جیسا کہ تم دونوں نے ان الفاظ میں وعدہ کیا ہے: ﴿كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا (۳۳) وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا (۳۴)﴾ ''تاکہ ہم کثرت سے تیری تسبیح بیان کریں۔ اور ہم کثرت سے تیرا ذکر کریں۔'' (طٰہٰ: 34،33) اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر تمام معاملات میں مدد ومعاونت فراہم کرکے ان کو سہل بناتا ہے اور ان معاملات کے بوجھ میں تخفیف کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1615,1614/2)

(4) اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف کی جو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں: ﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ ''وہ لوگ جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے بھی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں، اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں بنایا، آپ پاک ہیں، سو ہمیں آگ کے عذاب سے بچالیں۔'' (آل عمران: 191)

(5) رب العزت نے دشمن سے ملاقات کے موقع پر بھی ذکر کا حکم دیا ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم مدمقابل ہو کسی گروہ کے تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔'' (الانفال: 45)

سوال 2: قرآن مجید میں ذکر کی ترغیب کے لئے کیا اسلوب اختیار کیے گئے ہیں؟

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جواب: (1) قرآن مجید میں ذکر کی ترغیب وتحریص کے لئے اور بھی اسلوب اختیار کئے گئے ہیں۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کو بھول جانا ہی اللہ تعالیٰ کے نظر انداز کرنے کا باعث ہے۔ فرمایا: ﴿نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ﴾ ”وہ بھول گئے اللہ تعالیٰ کو تو اس نے بھی انہیں بھلا دیا۔“ (التوبہ:67)

(2) دلوں کو طمانیت وتسکین، ذکر الٰہی سے حاصل ہوتی ہے۔ فرمایا: ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ ”سن لو! اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے دل سکون پاتے ہیں۔“ (الرعد:28)

(3) ذکر سے غافل لوگ اطاعت کے لائق نہیں۔ فرمایا: ﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ ”اور آپ ایسے شخص کی اطاعت نہ کریں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے چلا ہے اور جس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے۔“ (الکہف:28)

(4) ذکر سے غفلت سے انسان شیطان کا رفیق بن جاتا ہے۔ فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾ ”اور جو شخص رحمان کے ذکر سے اندھا بن جاتا ہے ہم اُس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہی اُس کا ساتھی بن جاتا ہے۔“ (الزخرف:36)

(5) جو انسان ذکر سے اعراض کرتا ہے وہ دنیاوی زندگی پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ فرمایا: ﴿فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى﴾ ”چنانچہ اس سے منہ پھیر لو جو ہماری نصیحت سے منہ موڑتا ہے اور دنیا کی زندگی کے سوا کچھ نہیں چاہتا۔ یہ اُن کے علم کی حد ہے، بلاشبہ آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے کہ اُس کے راستے سے کون بھٹک گیا ہے اور وہی خوب جانتا ہے کہ راہِ راست پر کون ہے؟“ (النجم:30,29)

(6) شیطان کے تسلط کے سبب، انسان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے، فرمایا: ﴿اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ ”شیطان اُن پر غالب آچکا ہے، سو اُس نے اُنہیں اللہ تعالیٰ کی یاد بھلا دی، یہی لوگ شیطانی گروہ ہیں۔ سن لو! شیطان کا گروہ ہی یقیناً خسارہ پانے والا ہے۔“ (المجادلہ:19)

(7) اللہ تعالیٰ کا ذکر بصیرت افروز اور چشم کشا ہے اور استغفار پر آمادہ کرتا ہے۔ فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰۗىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾ ”یقیناً جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈر گئے جب انہیں شیطان کے اثر

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سے کوئی بُرا خیال چھو بھی جاتا ہے تو وہ فوراً چونک پڑتے ہیں، پھر اچانک وہ بصیرت والے ہوتے ہیں۔'' (الاعراف:201)

(8)﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ ''وہ ایسے لوگ ہیں جب کوئی برائی کر بیٹھیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں پھر وہ اپنے گناہوں کے لیے بخشش مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا گناہوں کو کون معاف کر سکتا ہے؟ اور اس پر جو انہوں نے کیا جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے۔'' (آل عمران:135)

(9) قربانی کا مقصد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ فرمایا:﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۭ فَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۭ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ﴾ ''اور ہم نے ہر اُمت کے لیے قربانی کو مقرر کیا ہے تاکہ وہ ان مویشی چوپایوں پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کریں جو اُس نے انہیں عطا کر رکھے ہیں، سو تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے تو تم اسی کے فرماں بردار بنو، اور آپ عاجزی اختیار کرنے والوں کو خوشخبری دے دیں۔'' (الحج:34)

(10) کسی قسم کی مصروفیت و مشغولیت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کرے۔ فرمایا:﴿رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءِ الزَّكٰوةِ ۽ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ﴾ ''وہ لوگ جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی وہ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گی۔'' (النور:37)

(11) اللہ تعالیٰ کے ذکر سے قسوۃ ''سختی وشدت'' ہلاکت و تباہی کا باعث ہے۔ فرمایا:﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰي نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''کیا پھر وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا، سو وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر ہے؟ (کسی کافر جیسا ہو سکتا ہے) پس اُن کے لیے تباہی ہے جن کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے سخت ہو گئے، یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔'' (الزمر:22)﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ ''کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے اور جو حق نازل ہوا ہے اُس کے لیے جھک جائیں؟ اور وہ اُن لوگوں جیسے نہ ہو جائیں جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی، پھر اُن پر جب لمبی مدت گزر گئی تو اُن کے دل سخت ہو گئے اور اُن میں سے اکثریت نافرمان ہے۔'' (الحدید:16)

(12) اس طرح قرآن مجید میں ذکر الٰہی کی ترغیب و تاکید کے لئے مختلف گوں ناگوں اسلوب اختیار کئے گئے ہیں اور

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

احادیث مبارکہ میں بھی اس کی ترغیب کے لئے متنوع تعبیرات اختیار کی گئی ہیں مثلاً بخاری اور مسلم میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ ﴿مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ رَبَّهُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ﴾ ''اس شخص کی مثال جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور اس کی مثال جو اپنے رب کو یاد نہیں کرتا زندہ اور مردہ جیسی ہے۔'' (صحیح بخاری:6407)

(13) ﴿مَثَلُ الْبَيْتِ الَّذِي يُذْكَرُ اللهُ فِيهِ وَالْبَيْتِ الَّذِي لَا يُذْكَرُ اللهُ فِيهِ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ﴾ ''جس گھر میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ زندہ انسانوں کا گھر ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کیا جاتا وہ مردہ شخص کا گھر ہے۔'' (مسلم:1823)

(14) گویا ذاکر کا دل اس زندہ انسان کی طرح ہے جو زندہ لوگوں کے گھروں میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل اس مردہ کی طرح ہے جو مردہ لوگوں کے گھروں میں ہے بلاشبہ غافلوں کے اجسام ان کے دلوں کی قبریں ہیں اور ان کے دل ان میں مردوں کی طرح ہیں جو قبروں میں ہیں۔ (ذکر الٰہی، امام ابن قیم:24-27)

سوال 3: اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کیا مراد ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مراد انسان کے دل میں آنے والی وہ یاد ہے جس میں یقین شامل ہو۔

(2) یقین انسان کو کیا دیتا ہے؟ اور یقین انسان کو کیسے آتا ہے؟ مثلاً ایک مومن نماز پڑھتا ہے تو اس کے بعد تینتیس بار سبحان اللہ کہتا ہے۔ اتنی بار دل کے اندر یقین اتر تو سکتا ہے لیکن تب جب سبحان اللہ کہنا ایسا نہ ہو جیسے بے سوچے سمجھے الفاظ ادا کیے جاتے ہیں۔ عام طور پر سبحان اللہ یا الحمد للہ یا اللہ اکبر کہنے میں شعور کا دخل نہیں ہوتا۔ اگر چہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے لیکن جو ذکر انسان کو فائدہ دیتا ہے وہ ایسا نہیں ہوتا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار کسی کو استغفر اللہ، استغفر اللہ، کہتے دیکھ لیا تو کہنے لگے: ﴿تَوْبَةُ الْكَذَّابِيْنَ﴾ یہ جھوٹوں کی توبہ ہے کہ دل میں ندامت، شرمندگی نہیں ہے۔ شرمندگی کے بغیر ہی استغفار کے الفاظ صرف زبان سے ادا کیے جا رہے ہیں۔ یہ الفاظ کی ادائیگی انسان کے اندر یقین پیدا نہیں کرتی۔ ان الفاظ پر اجر کتنا ملے گا یہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے لیکن جس ذکر کی وجہ سے دعوت میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، انسان کی زندگی بدلتی ہے، زندگی پر اثر مرتب ہوتا ہے وہ شعوری ذکر ہے جو غور وفکر کرنے والے کو نصیب ہوتا ہے۔ ایک انسان اپنی زبان سے کہہ رہا ہے سبحان اللہ۔ اپنے آپ سے پوچھے تو سہی سبحان اللہ کیوں کہا؟ کس پر کہا؟ کوئی اچھی، خوبصورت، بہترین چیز دیکھ کر آپ کہتے ہیں سبحان اللہ! کیا بات ہے کہ اللہ ہی کے لائق ہے، اللہ ہی بنا سکتا ہے لیکن عین سبحان اللہ کہتے ہوئے ذہن خالی ہو، صرف زبان چل رہی ہو تو وہ فائدہ نہیں ہوتا۔ عین استغفر اللہ کہتے ہوئے سارا ذہن خالی ہو، کچھ پتہ نہیں استغفار کیوں ہو رہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے لیکن یہ سلسلہ جاری رہے تو اتنا فائدہ نہیں ہوتا۔ یہ ذکر دراصل ذکر میں کمی ہے کہ ذکر بھی ہو اور اس میں کمی بھی ہو یعنی زبان تو ذکر کرے، دل شامل ہی نہ ہو۔ دل کا ذکر نہ کرنا اصل خرابی ہے ۔ ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے، دل سے بھی۔ جیسے بچہ کسی مشکل میں ہو تو ماں جب بچے کو یاد کرے گی تو اس کی مشکل کے حوالے سے۔ فرض کریں کسی کو بخار ہے تھوڑی دیر کے بعد خیال آئے گا اس کو بخار ہے پھر خیال آئے گا بخار ہے پتہ نہیں میڈیسن لی ہے یا نہیں۔ پھر خیال آئے گا پتہ نہیں کچھ کھایا ہے یا نہیں۔ بچہ یاد آئے، بہن بھائی، ماں باپ یا دوست احباب اپنے کاموں کی وجہ سے یاد آئیں اور اللہ تعالیٰ یاد آئے تو صرف الفاظ ہی یاد آئیں پیچھے ذہن بالکل خالی ہو، یہ کیسا انصاف ہے۔ خالی دل کے ساتھ اپنے رب کو یاد کرتے رہیں تو یہی کمی ہے۔ پیغمبروں سے توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں کہیں کمی کریں۔ ہرگز نہیں لیکن تاکید اس لیے کی جاتی ہے کہ اس کا خاص طور پر اہتمام کرنا ہے۔ یہ دعوت کا پہلا اصول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں کمی نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی یاد مومن کے لیے بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ یہ مومن کا سرمایہ ہے۔ جیسے مادی زندگی کے مختلف کاموں کے لیے سرمایہ کی ضرورت پڑتی ہے ایسے ہی روحانی اور شعوری ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ذکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ کرنسی جس کے پاس نہیں ہے کچھ نہیں ملے گا۔

سوال 4: اللہ تعالیٰ کا ذکر ایک مومن کا، ایک داعی کا سرمایہ کیسے بن جاتا ہے؟

جواب: جب ایک مومن کا مشاہدہ، اس کی زندگی کا ہر واقعہ اس کے ایمانی شعور کو بیدار کرنے والا بن جائے تو یہ اس کے لیے ایسا سرمایہ بن جاتا ہے جو اُس کی یادوں کا حصہ بن جاتا ہے یہی ایمان کی غذا بن جاتا ہے۔ یہی یادیں انسان کو رب سے جوڑے رکھتی ہیں پھر انسان جس چیز پر نظر ڈالتا ہے ہر نظر رب کی یاد لے کر آتی ہے۔ زبان کھلتی ہے تو اُس سے یہ یاد آواز کی صورت میں باہر آتی ہے۔ اُس کے کان سنتے ہیں تو سماعتیں اُسے رب سے جوڑ دیتی ہیں اور اُس کے یادوں بھرے دل سے سماعت، بصارت، کلام اور اعضاء کا عمل مربوط ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ سراپا یادِ الٰہی بن جاتا ہے جیسے غالب نے کہا:

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست

اور جیسے کسی نے کہا:

گفتگو کسی سے ہو تیرا دھیان رہتا ہے
ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے سلسلہ تکلم کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى﴾

”تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ، یقیناً وہ سرکش ہوگیا ہے“(43)

سوال: اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس کس مقصد سے بھیجا، اس کی وضاحت ﴿اِذْهَبَآ...طَغٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ﴾ ”تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رسالت لے کر جاؤ کہ فرعون سرکش ہوگیا ہے۔

(2)﴿اِنَّهٗ طَغٰى﴾ ”یقیناً وہ سرکش ہوگیا“ یعنی فرعون سرکشی، ظلم اور کفر کی ساری حدود توڑ چکا ہے۔ اس نے کہا: ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ ”میں تمہارا سب سے بلند رب ہوں۔“ (النازعات:24)

(3) فرعون سرکشی میں اتنا بڑھ گیا تھا کہ کہتا تھا: ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ﴾ ”میں تو اپنے سوا تمہارے لیے کسی معبود کو نہیں جانتا۔“ (القصص:38)

(4)﴿قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ﴾ ”فرعون نے کہا: ”اگر تم نے میرے سوا کسی کو معبود بنایا تو میں ضرور تمہیں قید کیے ہوئے لوگوں میں شامل کردوں گا۔“ (الشعراء:29)

﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾

”پھر دونوں اس سے نرم بات کہو شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے“(44)

سوال1: فرعون کے ساتھ دعوت میں نرمی برتنے کے حکم کی وضاحت ﴿فَقُوْلَا...يَخْشٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا﴾ ”پھر دونوں اس سے نرم بات کہو“ لفظی آداب کا خیال رکھتے ہوئے، نرمی کے ساتھ نہایت سہل اور لطیف بات کیجیے، فحش گوئی، ڈینگیں مارنے، سخت الفاظ اور درشت افعال سے پرہیز کیجیے۔

(2)﴿لَّعَلَّهٗ﴾ ”شاید کہ وہ“ شاید وہ اس نرم گوئی کے سبب سے۔

(3)﴿يَتَذَكَّرُ﴾ ”وہ نصیحت قبول کرے“ نصیحت پکڑے جو اس کو فائدہ دے اور وہ اس پر عمل کرنے لگے۔

(4)﴿اَوْ يَخْشٰى﴾ ”یا ڈر جائے“ اور نقصان دہ چیز سے ڈرے اور اسے ترک کردے کیونکہ نرم گوئی اس کی طرف دعوت دیتی ہے اور سخت گوئی لوگوں کو اس سے متنفر کرتی ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

(5) اللہ تعالیٰ نے ''نرم گوئی'' کی اپنے ارشاد کلام میں تفسیر بیان کی ہے۔ ﴿فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾﴾ ''پس کہہ دو کہ کیا تیرے لیے کوئی رغبت ہے کہ تم پاکیزگی اختیار کرو؟ اور میں تمہارے رب کی طرف تمہاری راہ نمائی کروں کہ تم ڈرنے لگ جاؤ؟'' (النازعات:19,18)

(6) کیونکہ اس قول میں جو نرمی اور آسانی پنہاں ہے اور سختی اور درشتی سے جس طرح پاک ہے، غور کرنے والے پر مخفی نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے (هل) کا لفظ استعمال کیا ہے جو ''عرض'' اور ''مشاورت'' پر دلالت کرتا ہے جس سے کوئی شخص نفرت نہیں کرتا اور اسے ہر قسم کی گندگی سے تطہیر اور تزکیہ کی طرف بلایا ہے جس کی اصل شرک کی گندگی سے تطہیر ہے جسے ہر عقل سلیم قبول کرتی ہے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا: ﴿اُزَكِّيْكَ﴾ ''میں تجھے پاک کروں'' بلکہ فرمایا: (تَزَكّٰى) یعنی ''تو خود پاک ہو جائے۔''

(7) پھر موسیٰ علیہ السلام نے اسے اس کے رب کی طرف بلایا جس نے اس کی پرورش کی اور اسے ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا جن پر شکر اور ذکر کرنا چاہیے۔ اس لئے فرمایا: ﴿وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى﴾ ''اور میں تمہارے رب کی طرف تمہاری راہ نمائی کروں کہ تم ڈرنے لگ جاؤ؟'' (النازعات:19)

(8) جب فرعون نے اس کلام نرم ونازک کو قبول نہ کیا، جس کا حسن دلوں کو پکڑ لیتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس کو وعظ ونصیحت کا کوئی فائدہ نہیں تو اللہ تعالیٰ نے اسے اسی طرح پکڑ لیا جس طرح ایک غالب اور مقتدر ہستی پکڑتی ہے۔ (تفسیر سعدی:1615/2)

(9) (i) نرم بات سے دعوت دی جائے تو کوئی شخص ضد اور ہٹ دھرمی پر نہیں اُترتا۔ (ii) نرم بات سرکش اور جھوٹی بُرائی میں جینے والوں کو بھی غصے میں نہیں آنے دیتی۔ (iii) نرم بات دلوں کو جگا دیتی ہے۔ (iv) نرم بات کی وجہ سے سرکش لوگ بھی بات سننے اور اس پر غور کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ (v) نرم بات کی وجہ سے لوگ قریب آ جاتے ہیں، متاثر ہوتے ہیں اور ہدایت قبول کر لیتے ہیں۔

(10) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نرمی جس چیز میں ہوتی ہے وہ اسے خوب صورت بنا دیتی ہے اور جس چیز سے نرمی نکال دی جاتی ہے تو وہ چیز بدصورت ہو جاتی ہے۔'' (مسلم:6602)

(11) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آسانی کرو اور سختی نہ کرو، خوش کرو اور نفرت نہ دلاؤ۔'' (صحیح بخاری:69)

(12) ﴿لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾ ''شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے'' اللہ تعالیٰ نے فرعون کے ساتھ نرمی برتنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے لیے کہا کیونکہ نرم بات کی وجہ سے یہ توقع ہوسکتی ہے کہ فرعون بھی ڈر جائے یا نصیحت قبول کرلے۔ اللہ تعالیٰ کو اگرچہ نتیجے کا پہلے سے علم ہوتا ہے اور اس کا علم مستقبل کے معاملات میں ایسا ہی ہے جیسا کہ حال کے واقعات یا ماضی کے واقعات کے بارے میں پھر بھی کسی شخص کے بارے میں عملاً فیصلہ تبھی ہوسکتا ہے جب کہ نیکی یا بدی اُس سے سرزد ہوجائے۔

(13) کسی سرکش کو دعوت دینا اُسی صورت ممکن ہوسکتا ہے جب دعوت دینے والے کو یہ یقین ہو کہ وہ راہ راست پر آسکتا ہے، وہ بھی نصیحت قبول کرسکتا ہے۔ اس کے دل میں بھی خدا کا خوف پیدا ہوسکتا ہے۔ سرکش کو دعوت دینا تب ناممکن ہوجاتا ہے جب دعوت دینے والا یہ سوچ لے کہ وہ سیدھے راستے پر آ ہی نہیں سکتا۔ اس طرح دعوت میں قوت ہی نہیں رہتی۔

(14) ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ ''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دیں اور اُن سے اس طریقے سے بحث کریں جو زیادہ اچھا ہو یقیناً آپ کا رب اُن کو زیادہ جانتا ہے جو اُس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے۔'' (النحل:125)

سوال 2: خوئے دل نوازی کیا ہے؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کے کلام، نبی پاک ﷺ کی احادیث اور سلف صالحین کے اقوال و اعمال سے اس ''خوئے دل نوازی'' کی تشریح کے سلسلے میں بہت کچھ مواد ملتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ راہ حق کی طرف دعوت دینے والے کا مزاج و اخلاق ایسا ہونا چاہیے کہ وہ اپنی نرم مزاجی و خوش خلقی، تہذیب و شائستگی، حلم و عفو، شفقت و مہربانی اور محبت و ہمدردی سے دوسروں کے دلوں کو جیت سکے تاکہ لوگ اس کی زبان سے نکلی ہوئی باتوں کو وقعت دیں۔

(2) حق کی طرف بلانے والوں کے لئے ضروری ہے کہ ان کی زبان شیریں، رویہ ہمدردانہ اور گفتگو شفیقانہ ہو۔ وہ لوگوں کی زیادتیوں پر صبر کرکے تیوریوں کے جواب میں مسکراہٹیں دے سکتے ہوں۔

(3) ان کا کام نفرت انگیز مضامین سے پاک ہو۔ وہ کسی فرد یا جماعت کو نام لے کر برا نہ کہتے ہوں۔ ان کی گفتگو میں طعن و تشنیع نہ ہو، ان کا پیرایہ گفتگو توہین آمیز نہ ہو۔

(4) ان میں اتنی دانش مندی، وسعت نگاہ اور وسعت قلبی موجود ہو کہ دوسروں کے نقطۂ نگاہ کو سمجھ سکیں اور ان کی مجبوریوں کو پیش نظر رکھ سکیں۔ وہ لوگوں کو برا بھلا کہنے یا جسمانی تکلیف پہنچانے سے بہت دور ہوں۔

(5) وہ بنی نوع انسان کے لئے عموماً اور توحید کے علمبرداروں کے لیے خصوصاً شفیق و مہربان ہوں اور اپنے اخلاق پسندیدہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے ذریعے لوگوں سے تعلقات اور میل ملاپ قائم رکھیں تاکہ انہیں بات کہنے کا اور ان کی بات کو سننے والوں کے دلوں میں راہ پانے کا موقع ملتا رہے۔

(6)﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾ ''پس اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہی کی وجہ سے آپ ان کے لیے نرم ہوگئے ہیں اور اگر آپ بد خُلق اور سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ آپ کے آس پاس سے منتشر ہوجاتے، سو آپ انہیں معاف کردیں اور اُن کے لئے بخشش مانگیں اور معاملات میں ان سے مشورہ کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (آل عمران:159) اس آیت میں ایک تو نبی ﷺ کے نرم مزاج ہونے کو امت کے لیے خدا کی ایک رحمت قرار دیا گیا اور دوسری طرف یہ حقیقت بھی واضح کردی گئی ہے کہ حق کی طرف دعوت دینے والا اگر سخت مزاج اور سخت دل ہوگا تو لوگ اسے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

(7) اس آیت پاک کی روشنی میں غور کریں تو پھر یہ سمجھنا بے حد مشکل ہوجاتا ہے کہ بعض ''دینداروں'' نے سخت مزاجی، سخت کلامی، سخت گیری اور بحث بازی کو دین کے تقاضے کیوں بنالیا ہے۔ ان کا یہ رویہ بے شمار لوگوں کو دین کی طرف لانے کے بجائے انہیں اس سے دور بھگانے کا ذریعہ بن جاتا ہے کیونکہ جس چیز کی طرف سختی اور کرختگی سے بلایا جائے گا لوگ اس میں بہت کم کشش محسوس کریں گے۔

(8) جو لوگ دین کے نمائندوں کی حیثیت سے سختی اور کرختگی اختیار کرتے ہیں وہ لوگوں کو یہ سمجھنے پر مجبور کردیتے ہیں کہ دین شاید سختی اور کرختگی ہی سکھاتا ہے حالانکہ دین جو کچھ سکھاتا ہے وہ اوپر کی آیت پاک اور ذیل کی عبارت سے بالکل واضح ہے۔

(9)﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پکارتے ہیں اُنہیں برا بھلا نہ کہو کہ وہ بھی بغیر علم کے حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کو بُرا بھلا کہیں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر گروہ کے لئے اس کا عمل خوش نما بنادیا ہے، پھر انہیں اپنے رب کی طرف ہی پلٹنا ہے تو وہ اُنہیں بتادے گا جو وہ عمل کیا کرتے تھے۔'' (الانعام:108)

(10)﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ ''اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کرو اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو، یقیناً اللہ تعالیٰ کسی خود پسند، فخر کرنے والے سے محبت نہیں کرتا۔“ (لقمان:18)

(11) رب العزت نے نبی ﷺ سے فرمایا: ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ ”اور بلاشبہ آپ یقیناً عظیم اخلاق پر ہیں۔“ (القلم:4)

(12) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اے مسلمانو! تم میں سب سے اچھے وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں اور جو تواضع اور فروتنی سے جھکے جاتے ہیں اور تم میں سب سے برے وہ لوگ ہیں جو بدزبان اور بدگو اور دریدہ دہن ہوں۔“ (بیہقی فی شعب الایمان)

(13) سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میزان میں جو چیز سب سے زیادہ بھاری ہوگی وہ حسن اخلاق ہے۔“ (ترمذی:2002)

(14) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اللہ تعالیٰ رفیق ہے اور رفق (یعنی نرمی) کو پسند کرتا ہے اور نرمی اختیار کرنے کی بناء پر وہ اس قدر عطا فرماتا ہے کہ سختی یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے اس قدر عطا نہیں فرماتا۔“ (صحیح مسلم:6601)

(15) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ تمام معاملات میں نرمی اور ملائمت کو پسند کرتا ہے۔“ (بخاری:6024)

(16) سیدنا ابوذر اور سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور گناہ کے بعد نیکی کر لیا کرو، وہ اسے مٹا دیتی ہے اور لوگوں کے ساتھ اچھے خلق سے پیش آیا کرو۔“ (ترمذی)

(17) ایک فتح کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد بن ولید کو لکھا کہ ”فارسیوں اور ان قوموں کی جو فارسی حکومت کی رعایا ہوں، تالیف قلب کرو تا کہ وہ اسلام لے آئیں اور اس کے خیر خواہ ہو جائیں۔“

(18) سید اسماعیل شہید کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن وہ اپنے ایک گہرے دوست مولوی رستم علی کے ساتھ چاندنی چوک میں سے گزر رہے تھے کہ ایک پہلوان نے سید صاحب کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اس پر مولوی رستم علی صاحب کو غصہ آ گیا اور تلوار نکال کر اسے مارنے دوڑے۔ سید صاحب نے جھپٹ کر مولوی رستم علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: میاں رستم علی کیا کرتے ہو اور وہ گالیاں بے جا نہیں دیتا بلکہ وہ ٹھیک کہتا ہے کیونکہ وہ یہی کہتا ہے کہ یہ تو بڑا بددین ہے جو نئی نئی باتیں نکالتا ہے، سو اس میں وہ کیا بے جا کہتا ہے۔ میری باتیں اس کے لئے تو واقعی نئی ہیں۔ علماء نے یہ باتیں ان بے چاروں کو کہاں سنائی ہیں پھر اس کو نئی کیوں نہ معلوم ہوں اور وہ گالیاں کیوں نہ دے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

(19) راہ حق کی طرف بلانے والوں کو ان آیات الٰہی، احادیث نبویہ اور سلف صالحین کے اقوال واعمال کی روشنی میں اپنا رویہ معین کرنا چاہیے۔لوگوں کے دلوں میں کوئی بات نقش کرنے سے پہلے انہیں وہ بات سننے پر آمادہ کرنا پڑتا ہے اور جس شخص کو یقین ہوگا کہ آپ اس کے حقیقی خیر خواہ اور چاہنے والے ہیں وہ آپ کی بات سننے کے لیے زیادہ جلدی تیار ہوگا بہ نسبت اس شخص کے جس کی نگاہ میں آپ کی حیثیت ایک سخت مزاج نکتہ چین سے زیادہ نہ ہو۔

(20) اسلام دین فطرت ہے اور فطرت انسانی نرمی، ہمدردی اور محبت سے لازماً متاثر ہوتی ہے۔

(21) داعی کے لیے حق گوئی ایک بہت بڑا وصف ہے مگر حق بات کہتے ہوئے یہ تو ضروری نہیں کہ اسے کہنے کے لیے لہجہ اور الفاظ ایسے استعمال کیے جائیں جو سننے والے کے سینے سے پار ہو جائیں۔

(22) دنیا میں سب سے بڑے حق گو انبیائے کرام تھے مگر ان پاکبازوں نے تو اپنی انتہائی شریر، بدکردار اور تنگ کرنے والی قوموں کو بھی ''اے میری قوم'' کہہ کر ہی مخاطب کیا اور ان کی شرارتوں کا جواب خیر خواہی اور دعاؤں ہی سے دیا۔

(23) دعوت دین صرف زبان ہی سے نہیں دی جاتی بلکہ اپنے اعمال وافعال، محبت وہمدردی اور حسن سلوک سے بھی دی جاتی ہے۔ اگر ہم حسن سلوک اور مہر ومحبت ہی کی بساط تہہ کر کے رکھ دیں گے تو ہمارے خشک وعظ سے کون متاثر ہوگا؟ خوئے دل نوازی اس وقت بھی بے حد ضروری ہے جب معاملہ غیر مسلموں کو دعوت دینے کا ہو۔کجا یہ کہ خود اصلاح کرتے وقت سخت گیری، حقارت اور درشتی سے کام لیا جائے۔

(24) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (۲۱۴) وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (۲۱۵)﴾ ''اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیں۔اور آپ مومنوں میں سے جو آپ کے پیچھے چلیں ان کیلئے اپنے بازو جھکائے رکھیں۔'' (الشعراء: 215,214)

(25) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ صحابی کے پاس ایک دفعہ ابوداؤد آئے۔سیدنا براء رضی اللہ عنہ نے خود انہیں سلام کیا اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور خوب ہنسے اور پھر فرمایا: ''جانتے ہو میں نے ایسا کیوں کیا؟ نبی ﷺ نے ایک دفعہ میرے ساتھ ایسا ہی کیا تھا اور فرمایا تھا کہ جب دو مسلمان آپس میں ایسے ملیں اور کوئی ذاتی غرض درمیان میں نہ ہو تو دونوں کی مغفرت کی جاتی ہے۔'' (مسند) (26) سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''جو نرمی سے محروم رہا وہ تمام بھلائی سے محروم رہا۔'' (مسلم: 6600) (27) مسلمانوں کے شیریں زبانی اور پختہ کرداری سے عاری ہو جانے کا افسوس کرتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

اے لا الٰہ کے وارث، باقی نہیں ہے تجھ میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

گفتار دلبرانہ، کردار قاہرانہ

(28) دعوت دین دینے والوں کے لیے یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ ان کے لیے اصل نمونہ رسول خدا ﷺ کا کردار ہے۔ کیا آپ لوگوں کو دین سکھاتے وقت سخت مزاجی اور سخت گیری کا ثبوت دیتے تھے؟ یا انہیں چھوٹی چھوٹی اور معمولی معمولی باتوں پر سب کے سامنے برملا ٹوکتے تھے؟ یا ایسا رویہ اختیار کرتے تھے جس سے اپنی برتری اور دوسرے کی کمتری کا اظہار ہوتا ہو؟ آپ نرم خو، نرم مزاج، شفیق اور مہربان تھے۔

(29) سیدنا مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار ہم کچھ ہم عمر نوجوان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہنے کے لیے پہنچے اور ہم آپ کی خدمت میں بیس رات تک رہے۔ واقعی اللہ کے رسول ﷺ انتہائی رحیم اور نرم دل تھے۔ جب آپ نے محسوس کیا کہ اب ہمیں گھر والوں کی یاد ستا رہی ہے ہم سے پوچھنے لگے: ''تم لوگ اپنے پیچھے گھر میں کن کن لوگوں کو چھوڑ کر آئے ہو۔'' ہم نے تفصیل بتائی تو فرمایا: ''اچھا تو اب تم لوگ اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ اور ان کے ساتھ رہو اور جو کچھ تم نے سیکھا ہے، تم سکھاؤ اور انہیں نیک باتوں کی تلقین کرو اور جب نماز کا وقت آ جائے تو تم میں سے کوئی ایک اذان دے اور جو تم میں سب سے بڑا ہو تمہارا امام بنے۔'' (بخاری:631)

(30) صحیح بخاری میں سیدنا براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ 6ھ ذیقعدہ میں نبی ﷺ عمرہ کرنے مکہ کی طرف گئے تو کفار نے اندر نہ آنے دیا پھر مسلمانوں اور کفار کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے مسلمان آئندہ سال مکہ میں آ سکتے تھے مگر صرف تین دن ہی قیام کر سکتے تھے چنانچہ آئندہ سال نبی ﷺ مکہ گئے اور جب وہ معینہ مدت گزر گئی تو لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے کہ اب اپنے ساتھی سے کہیں کہ وہ یہاں سے چلے جائیں کیونکہ معینہ مدت گزر گئی ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ وہاں سے روانہ ہوئے۔ جب نبی ﷺ وہاں سے چلے تو سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی چچا چچا کہتی آپ کے پیچھے ہولی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسے سوار کر لیا۔ اب سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ کے درمیان اس لڑکی کے باعث جھگڑا ہونے لگا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں اس لڑکی کا حق دار ہوں کیونکہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے، سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ یہ کہہ کر اپنا حق ثابت کرتے تھے کہ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ ان لوگوں کے باہمی اختلاف کو دیکھ کر نبی ﷺ نے ان کے درمیان فیصلہ چکاتے ہوئے لڑکی کی خالہ کے حق میں فیصلہ دے دیا اور فرمایا: ''خالہ بمنزلہ ماں کے ہے'' پھر آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔'' اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''تم صورت و سیرت میں مجھ سے زیادہ مشابہ ہو'' اور سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو تسلی دی کہ ''تو ہمارا بھائی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے اور ہمارا مولا ہے‘‘ اس طرح نبی ﷺ نے فیصلہ تو اسی کے حق میں دیا جسے زیادہ مستحق سمجھا مگر اپنی شیریں گفتاری سے سب کو اپنی اپنی جگہ مطمئن کر دیا۔

(31) سیدنا معاویہ بن الحکم سلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس دوران کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، اچانک نمازیوں میں سے ایک شخص کو چھینک آ گئی۔ میں نے یرحمک اللہ (اللہ تجھ پر رحم کرے) کہہ کر اس کا جواب دیا، تو نمازی مجھ کو گھورنے لگے۔ میں نے کہا: تم اپنی ماؤں کو گم کرو مجھ کو کیوں گھور رہے ہو؟ وہ یہ سن کر اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر مارنے لگے۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے خاموش ہی کرانا چاہتے ہیں (تو مجھے خوب ہی غصہ آیا) لیکن میں خاموش ہو گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں! میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کوئی آپ سے زیادہ اچھی تعلیم دینے والا معلّم نہیں دیکھا، پس خدا کی قسم نہ آپ نے مجھے ڈانٹا، نہ مارا اور نہ برا بھلا کہا (بلکہ) فرمایا: ’’نماز میں انسانی کلام میں سے کچھ (زبان پر لانا) درست نہیں ہے۔ نماز تو اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے، اس کی بڑائی بیان کرنے اور قرآن پڑھنے کا نام ہے۔‘‘ (مسلم:1199)

(32) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں: ’’نبی ﷺ کی عادت کسی کو برا بھلا کہنے کی نہیں تھی۔ برائی کے بدلے میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگزر کرتے تھے اور معاف فرما دیتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملے میں انتقام نہیں لیا۔ آپ نے نام لے کر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی۔ آپ نے کبھی کسی غلام کو، کسی کنیز کو، کسی عورت کو، خادم کو، جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپ نے کبھی کسی کی کوئی درخواست رد نہیں فرمائی سوائے اس کے کہ وہ ناجائز ہو۔ آپ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خنداں، ہنستے اور مسکراتے ہوئے۔‘‘

(33) سیدنا ہند بن ابی ہالہ نبی ﷺ کے اخلاق کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں: آپ نرم خو تھے، سخت مزاج نہ تھے، کسی کی توہین روا نہیں رکھتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر اظہار شکر فرماتے تھے، کسی چیز کو برا نہیں کہتے تھے، کھانا جس قسم کا سامنے آ جاتا تناول فرما لیتے اور اس کو برا نہ کہتے، کوئی اگر کسی امر حق کی مخالفت کرتا تو آپ کو غصہ آ جاتا اور اس کی پوری حمایت کرتے لیکن خود اپنے ذاتی معاملے پر آپ کو کبھی غصہ نہیں آیا اور نہ کسی سے انتقام لیا۔ (شمائل ترمذی)

(34) امام حسین رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کے اخلاق و عادات کی نسبت سوال کیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آپ کا اخلاق بیان کرتے ہوئے فرمایا: آپ خندہ جبیں، نرم خو، مہربان طبع تھے، سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے، بات بات پر شور نہیں کرتے تھے، کوئی برا کلمہ کبھی منہ سے نہیں نکالتے تھے، عیب جو اور سخت گیر نہ تھے، کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ کو

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ناپسند ہوتی تو اس سے اغماض فرماتے تھے۔کوئی آپ سے کچھ امید رکھتا تو نہ اس کو مایوس کرتے تھے اور نہ منظوری ظاہر فرماتے تھے،اپنے نفس سے تین چیزیں آپ نے دور کردی تھیں،بحث ومباحثہ،ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا،دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے،کسی کو برا نہیں کہتے تھے،کسی کی عیب گیری نہیں کرتے تھے،کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے،وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا۔جب آپ کلام کرتے صحابہ اس طرح خاموش ہو کر اور سر جھکا کر سنتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ جب آپ چپ ہوتے تو وہ آپس میں بات چیت کرتے۔کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک وہ بات ختم نہ کرلیتا چپ چاپ سنا کرتے۔ لوگ جن باتوں پر ہنستے آپ بھی مسکرادیتے،جن پر لوگ تعجب کرتے آپ بھی کرتے،کوئی باہر کا آدمی اگر بے باکی سے گفتگو کرتا تو آپ تحمل فرماتے۔دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہیں فرماتے تھے،لیکن اگر کوئی آپ کے احسان وانعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے۔جب تک بولنے والا خود چپ نہ ہوجاتا،آپ اس کی بات درمیان سے نہیں کاٹتے تھے۔ نہایت فیاض،راست گو،نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے۔گو کوئی دفعتاً آپ کو دیکھتا تو مرعوب ہوجاتا لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا۔(شمائل ترمذی)

(35) خوش خلقی،خندہ روئی اور دوسروں کی مدارات ودل جوئی کرنے کے سلسلے میں بزرگوں کے کئی اقوال روایت کیے گئے ہیں۔سیدنا عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حسن اخلاق کی تعریف تین باتوں سے فرمائی ہے:جب آدمی کسی سے ملے تو ہنستے مسکراتے چہرے سے ملے۔اللہ تعالیٰ کے محتاج اور ضرورت مند بندوں پر خرچ کرے۔کسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔

(36) خواجہ معین الدین چشتی فرماتے ہیں کہ جس شخص میں تین خصلتیں ہوں گی،اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھے گا۔(i) سخاوت:دریا کی فیاضی کی مانند کہ جس کا جی چاہے اس سے پانی پی لے۔(ii) شفقت:آفتاب کی شفقت کی مانند کہ ہر جگہ یکساں روشنی دیتا ہے۔(iii) تواضع:زمین کی تواضع کی مانند کہ اس پر اچھا برا ہر قسم کا انسان رہتا ہے۔

(37) شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:دنیا کمانا ہنر نہیں ہے۔اگر ہوسکے تو ایک مرتبہ ہی کسی کا دل جیت لے۔

(38) دعوت دین کے سلسلے میں جن امور کو خصوصی طور پر پیش نظر رکھنا چاہیے ان میں ایک یہ ہے کہ بحث بازی سے بچا جائے۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے اخلاق کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:اپنے نفس سے تین چیزیں آپ نے بالکل دور کردی تھیں،بحث مباحثہ،ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا۔

(39) حقیقت یہ ہے کہ کج بحثیاں زبانیں تو بند کردیتی ہیں مگر دلوں کو نہیں کھول سکتیں اور لوگ قریب آنے کی بجائے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زیادہ دور ہو جاتے ہیں اور اس طرح انسان جیت کر بھی ہار جاتا ہے۔ جو انسان اس بات پر خوشی محسوس کرتا ہے کہ اس نے ایسی دلیل دی کہ دوسرا جواب نہ دے سکا وہ یہ بھول جاتا ہے کہ اس کا اصل مقصد لوگوں کو لاجواب کرنا نہ تھا بلکہ انہیں دین کی طرف مائل کرنا تھا اور انہیں لاجواب کر کے اس نے انہیں دین سے اور بھی زیادہ دور کر دیا ہے۔ یہ تو اپنی کوششوں کی خود ہی نفی کرنا ہوا۔ (40) عقل مندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ لوگ تلخ کلامیاں کریں بھی تو داعی برداشت کر کے جواب میں شیریں کلامی ہی سے ملے اور حسن سلوک سے لوگوں کے دلوں کو قریب لانے کی کوشش کرے نہ کہ انہیں اپنی قوت استدلال کا تختۂ مشق بنا کر دور بھگائے۔ (41) شیخ سعدی رحمہ اللہ کا مقولہ ہے کہ: ''شیریں کلامی اور نرم زبانی غضبناک انسان (کے غضب) کی آگ پر پانی جیسا اثر کرتی ہے۔''

(42) بشر حانی کا فرمان ہے: اللہ تعالیٰ کی محبت کی نشانی اخلاق اور امر و نہی میں رسول خدا کی اتباع ہے۔ واضح رہے کہ حرم کو براہ راست جانے کی تکلیف گوارا کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔ زیادہ تو وہی ہوتے ہیں جنہیں حرم کی طرف لے جانے والے میر کارواں کے کردار اور سلوک سے متاثر ہونا ہوتا ہے اور اگر اسی میں خوئے دلنوازی نہ ہوگی تو پھر اہل کارواں کا کارواں سے ٹوٹ جانا یا خود حرم ہی سے بدگماں ہو جانا کچھ بعید نہیں۔ اس سے زیادہ بدقسمت کون ہوگا جس کی بدخلقی، سخت مزاجی اور سخت گیری کے باعث لوگ دین سے بدظن ہو جائیں۔ (داعی کے اوصاف: 60-72)

کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی

(43) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں ایسے لوگوں کی خبر نہ دوں جو جہنم کی آگ پر یا جہنم کی آگ ان پر حرام ہے؟ جہنم کی آگ لوگوں کے قریب رہنے والے، آسانی کرنے والے اور نرم اخلاق والے پر حرام ہے۔'' (ترمذی: 2488)

﴿قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَآ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی﴾

''دونوں نے کہا: ''اے ہمارے رب! یقیناً ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا یا وہ سرکشی کرے گا'' (45)

سوال: دونوں نبیوں نے فرعون کے بارے میں کس خدشے کا اظہار کیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَا ... یَّطْغٰی﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَا﴾ ''دونوں نے کہا'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام نے فرعون کے بارے میں خدشے کا اظہار

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہوئے کہا۔

(2)﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ﴾ ''اے ہمارے رب! یقیناً ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا'' یعنی اے ہمارے رب! ہمیں ڈر لگتا ہے کہ کہیں آپ کا پیغام پہنچانے سے پہلے وہ ہمیں سزا نہ دے، یعنی ہمیں مار نہ دے یا عقوبت خانے میں ہی نہ پہنچا دے۔

(3) فرعون متکبر اور ظالم بادشاہ تھا اس لیے انہیں اندیشہ ہوا کہ اس کے سوا کسی اور کا پیغام دیا جا رہا ہے تو وہ غصے میں بھڑک اُٹھے گا۔

(4)﴿اَوْ اَنْ يَّطْغٰى﴾ ''یا وہ سرکشی کرے گا'' وہ حق کے خلاف تکبر سے اقتدار و سلطنت، اپنے اعوان اور اپنی افواج کی بنا پر سرکشی نہ دکھائے۔(تفسیر سعدی:1616,1615/2)(5) یعنی سرکشی اور ظلم میں بڑھ جائے گا۔

﴿قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى﴾

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ڈرو مت! یقیناً میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں سن رہا ہوں اور میں دیکھ رہا ہوں'' (46)

سوال: اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام کے خوف کو کیسے دُور کیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ... وَاَرٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿قَالَ لَا تَخَافَآ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ڈرو مت!'' رب العزت نے فرمایا فرعون سے نہ ڈرو کہ وہ تم پر زیادتی کرے گا۔(2)﴿اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى﴾ ''یقیناً میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں سن رہا ہوں اور میں دیکھ رہا ہوں'' میں تمہارے ساتھ ہوں، تم دونوں کی حفاظت کر رہا ہوں، تمہارے دشمن کی باتیں سن رہا ہوں اور سب کے حالات دیکھ رہا ہوں۔ تم دونوں کی کوئی بات مجھ سے چھپی ہوئی نہیں۔ میری مدد اور تائید تمہارے ساتھ ہے، میں تم سے غافل نہیں ہوں۔ یوں رب کے وعدے سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام کا دل مطمئن ہو گیا۔

﴿فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ وَلَا

''تو دونوں اُس کے پاس جاؤ اور کہو کہ یقیناً ہم دونوں تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں چنانچہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے

تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰى

اور اُن کو عذاب نہ دے، یقیناً ہم تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک نشانی لے کر آئے ہیں اور سلام ہو اس پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى﴾

"جو ہدایت کے پیچھے چلا" (47)

سوال: اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام کو مشن سپرد کرتے ہوئے جو ہدایات دیں، ان کی وضاحت ﴿فَاْتِيٰهُ ... مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاْتِيٰهُ﴾ "تو دونوں اُس کے پاس جاؤ" رب العزت نے حکم دیا کہ دونوں فرعون کے پاس جاؤ۔

(2) ﴿فَقُوْلَآ﴾ "اور کہو" فرعون کو اسلام کی دعوت دو اور کہو کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو۔

(3) ﴿اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ﴾ "کہ یقیناً ہم دونوں تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں" فرعون کے دور میں ہر قوم اور ہر قبیلے کے اپنے رب ہوتے تھے، یہ بت پرستانہ خرافات میں سے ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام کے توسط سے یہ پیغام دیا گیا کہ جس کی طرف سے ہم آئے ہیں وہ صرف ہمارا اور بنی اسرائیل کا نہیں تمہارا بھی رب ہے۔ اسی بات میں فرعون کے رب ہونے کی نفی بھی تھی۔

(4) ﴿فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ﴾ "چنانچہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور اُن کو عذاب نہ دے" رب العزت نے حکم دیا کہ فرعون سے بنی اسرائیل جو کہ انبیاء کی اولاد ہیں، ان کی واپسی کا مطالبہ کرو تا کہ وہ قید اور غلامی کے عذاب سے بچ جائیں، اپنے معاملات کے بارے میں خود فیصلہ کریں اور فرعون سے کہو کہ بنی اسرائیل کو قید میں رکھ کر انہیں عذاب نہ دو۔

(5) اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اس لیے دیا تھا کہ بنی اسرائیل اصلاً توحید پرست تھے مگر مشرکانہ تہذیب سے متاثر ہو گئے تھے اور فرعون نے انہیں محنت مزدوری میں اس طرح لگا رکھا تھا کہ وہ ایک رب اور اُس کے سامنے جواب دہی کی سوچ رکھنے کے قابل نہ ہو سکیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو مشرکانہ ماحول سے نکالو تا کہ شرک اور جاہلیت سے نکل کر ان کی اسلامی تربیت ممکن بنائی جا سکے۔

(6) ﴿قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ﴾ "یقیناً ہم تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک نشانی لے کر آئے ہیں" ہم تمہارے پاس اپنی صداقت کی نشانی لے کر آئے ہیں۔

(7) یہ معجزہ تھا جو اس امر کی دلیل تھا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام دونوں اپنے رب کے سچے رسول ہیں۔

(ایسر التفاسیر: 887)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(8)﴿فَاَلۡقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعۡبَانٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيۡضَآءُ لِلنّٰظِرِيۡنَ ﴿۱۰۸﴾﴾ ''تو موسیٰ نے اپنی لاٹھی پھینکی تو اچانک وہ ایک ظاہر اژدھا تھی۔ اور اُس نے اپنا ہاتھ نکالا تو اچانک وہ دیکھنے والوں کے لیے سفید چمکتا ہوا تھا۔'' (الاعراف:108,107)

(9)﴿وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الۡهُدٰى﴾ ''اور سلام ہو اس پر جو ہدایت کے پیچھے چلا'' یعنی جس نے ایمان اور تقویٰ کی ہدایت پائی اس کے لیے دونوں جہانوں کے عذاب سے نجات ہے۔

(10) یعنی جس نے صراط مستقیم کی پیروی کی اور شرع مبین سے راہ نمائی لی، اسے دنیا و آخرت کی سلامتی حاصل ہوگی۔ (تفسیر سعدی:1616/2) (11) یہاں سلام کے ساتھ شرط عائد کی گئی ہے کہ اس کے لیے سلام ہے جس نے ہدایت کی پیروی کی۔

(12) یہ سلام تحیہ نہیں سلامتی کی دعوت ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے بادشاہوں کے نام خطوط لکھے تو یہ پیغام دیا کہ اسلام قبول کرو گے تو سلامتی میں رہو گے۔

(13) رسول اللہ ﷺ نے ہرقل کے نام جو خط لکھا تھا اس کی عبارت یہ تھی: ''اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جو وسیع رحمت والا اور نہایت رحم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے پیغمبر محمد ﷺ کی طرف سے یہ خط ہے شاہ روم کے لیے۔ اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اس کے بعد میں آپ کے سامنے دعوت اسلام پیش کرتا ہوں۔ اگر آپ اسلام لے آئیں گے تو (دین و دنیا میں) سلامتی نصیب ہوگی، اللہ تعالیٰ آپ کو دوہرا ثواب دے گا اور اگر آپ (میری دعوت سے) روگردانی کریں گے تو آپ کی رعایا کا گناہ بھی آپ ہی پر ہوگا۔ اور اے اہل کتاب! ایک ایسی بات پر آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔ وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب بنائے۔ پھر اگر وہ اہل کتاب (اس بات سے) منہ پھیر لیں تو (مسلمانو!) تم ان سے کہہ دو کہ (تم مانو یا نہ مانو) ہم تو ایک اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار ہیں۔'' (بخاری:7)

﴿اِنَّا قَدۡ اُوۡحِىَ اِلَيۡنَاۤ اَنَّ الۡعَذَابَ عَلٰى مَنۡ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾

''بلاشبہ یقیناً ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ بے شک اُس شخص پر عذاب ہے جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا'' (48)

سوال: نافرمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے، اس کی وضاحت ﴿اِنَّا ... وَتَوَلّٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿اِنَّا قَدۡ اُوۡحِىَ اِلَيۡنَاۤ﴾ ''بلاشبہ یقیناً ہماری طرف وحی کی گئی ہے'' یعنی ہمارے رب کی طرف سے ہمارے پاس جو وحی آئی ہے اس میں ہمیں خبر دی گئی ہے۔ یعنی یہ بات ہماری طرف سے نہیں رب العالمین کی طرف سے ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(2)﴿اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی﴾ ''کہ بے شک اُس شخص پر عذاب ہے جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا'' اللہ تعالیٰ کا عذاب خاص طور پر ان لوگوں کے لیے ہے جنھوں نے انبیاء کو جھٹلایا اور ان کی اطاعت نہیں کی اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا اور اس کی اطاعت سے منہ موڑا۔

(3) اس میں فرعون کو اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات پر ایمان، انبیاء پر ایمان اور ان کی اطاعت کی ترغیب دی گئی اور اعراض اور تکذیب پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراوا ہے۔فرعون پر نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہو۔اس نے ظلم اور زیادتی سے رب کے بارے جھگڑا کیا پھر انکار کر دیا۔

(4)﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰی (۳۷) وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا (۳۸) فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی(۳۹)﴾ ''مگر جس نے سرکشی کی، اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔تو یقیناً جہنم اُس کا ٹھکانہ ہوگی۔'' (النازعات:37-39) (5)﴿فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰی (۱۴) لَا یَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَی (۱۵) الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی (۱۶)﴾ ''پس میں نے تمھیں شعلہ مارتی آگ سے ڈرا دیا ہے جس میں اُس بڑے بدبخت کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا۔'' (اللیل:14-16)

(6)﴿فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی (۳۱) وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی (۳۲) ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤی اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰی (۳۳) اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی (۳۴) ثُمَّ اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی (۳۵)﴾ ''سو نہ اُس نے سچ مانا اور نہ نماز پڑھی۔بلکہ اُس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔پھر اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چلا گیا۔تیرے لیے یہی لائق ہے، پھر یہی لائق ہے۔پھر تیرے لیے یہی لائق ہے، پھر یہی لائق ہے۔'' (القیامۃ:31-35)

﴿قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا یٰمُوْسٰی﴾

فرعون نے کہا: ''تو تم دونوں کا رب کون ہے؟ اے موسیٰ!'' (49)

سوال: فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام کے رب کے بارے میں جو سوال کیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا یٰمُوْسٰی﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا یٰمُوْسٰی﴾ ''فرعون نے کہا: ''تو تم دونوں کا رب کون ہے؟ اے موسیٰ!'' فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے انکار کے طور پر کہا: تمہارا رب کون ہے؟ (2) فرعون نے اس لیے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کیا کہ اس نے جان لیا تھا کہ سیدنا ہارون علیہ السلام ان کے وزیر ہیں۔ (تفسیر مراغی:98/6)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى﴾

موسیٰ نے کہا: ”ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی صورت عطا کی، پھر اُسے راستہ دکھایا“ (50)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے رب کا جو تعارف کروایا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ... هَدٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ”موسیٰ نے کہا“ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے نہایت وضاحت سے جواب دیا تھا۔ ﴿رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ﴾ ”ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی صورت عطا کی“ فرمایا ہمارا رب وہ ہے جو خالق ہے، بے مثال کاریگر ہے، جس نے کائنات کی ہر چیز کو، ساری مخلوقات کو پیدا کیا، جس نے ہر مخلوق کو مناسب شکل دی، جس نے ہر ایک کو وہ سب کچھ دیا جس کے وہ لائق تھا۔

(2) یعنی ہمارا رب وہ ہے جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور ہر مخلوق کو اپنی حسن تخلیق، حسن صنعت اور اس کی ضرورت کے مطابق وجود عطا کیا، مثلاً کسی کو بڑا، کسی کو چھوٹا اور کسی کو متوسط جسم عطا کیا اور یہی حال تمام صفات کا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1618,1617/2)

(3) ﴿الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ﴾ ”جس نے ہر چیز کو اچھا بنایا جو اس نے پیدا کی اور اُس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا تھوڑے سے گارے سے کی۔“ (السجدۃ: 7)

(4) ﴿ثُمَّ هَدٰى﴾ ”پھر اُسے راستہ دکھایا“ یعنی جس مخلوق کو جس مقصد کے لیے پیدا کیا اسے وہ سب کچھ عطا کیا اور اس کی راہ نمائی کی ہے۔ جس نے ہر مخلوق کے لیے اس کا عمل، اس کی اجل اور اس کا رزق لکھ دیا۔ ساری مخلوق اسی راستے پر ہے جس پر وہ پیدا کی گئی ہے۔

(5) موسیٰ علیہ السلام نے رب کی خصوصیت کو واضح کرنے کے لیے ہر چیز کو ہدایت دینے کی بات کی۔ چونکہ ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ کی فکر اور ہدایات پر عمل کر رہی ہیں اس لیے ان میں ان کے خالق کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔

(6) وہی ہر چیز کا معبود اور بادشاہ ہے جس نے ہر عضو کو بنایا، اسے اس کا کام سکھایا، جس نے ساری کائنات بنائی اور ہر چیز کی تقدیر مقرر کی۔

(7) وہ ہستی جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا اور انہیں ایسی بہترین تخلیق عطا کی کہ عقل انسانی اس سے زیادہ خوبصورت تخلیق پیش نہیں کر سکتی اور وہ ہستی جس نے تمام مخلوقات میں ان کے مصالح کی طرف راہ نمائی ودیعت کی، وہی حقیقت میں رب کائنات ہے۔ اس رب کا انکار، سب سے بڑی چیز کے وجود کا انکار کرنا ہے اور یہ حقیقت کا انکار اور صریح جھوٹ ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ انسان نے بعض ایسے امور کا انکار کیا ہے جو یقینی طور پر معلوم ہیں تو ان کا رب کائنات کا انکار

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کرنا سب سے بڑا انکار ہے، اس لئے جب فرعون اس قطعی دلیل کا مقابلہ نہ کر سکا تو اصل مقصد سے ہٹ کر جھگڑنے پر اتر آیا اور موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگا۔ (تفسیر سعدی: 1618,1617/2)

﴿قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى﴾

''فرعون نے کہا: ''تو پھر پہلے زمانوں کے لوگوں کا کیا حال ہے؟'' (51)

سوال: فرعون نے یہ سوال کیوں کیا کہ پہلے زمانے کے لوگوں کا کیا حال ہے، اس کی وضاحت ﴿قَالَ... الْاُوْلٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)(i) فرعون نے دلیل کے میدان میں خود کو کمزور پایا تو اس نے تعصب کے جذبات بھڑکانے کے لیے سوال کیا تاکہ لوگوں کے درمیان اپنی برتری قائم رکھے۔ (ii) فرعون نے یہ سوال بات کا رُخ پھیرنے کے لیے بھی کیا کہ جو رب کو نہ مانتے تھے دُنیا سے تو وہ بھی چلے گئے اُن کا کیا حال ہوا؟

(2) ﴿قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى﴾ ''فرعون نے کہا: ''پھر تو پہلے زمانوں کے لوگوں کا کیا حال ہے؟'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دلیل دی کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہمیں رسول بنا کر بھیجا، جس نے ہمیں پیدا کیا اور روزی پہنچائی، جس نے اندازہ لگایا اور راہ سمجھائی، تو فرعون پہلے لوگوں کا حوالہ دے کر جھگڑنے لگا کہ جن پہلے لوگوں نے اللہ کی عبادت نہیں کی بلکہ غیروں کی پوجا کی ان کا کیا حشر ہوگا؟ (مختصر ابن کثیر: 1171/2)

﴿قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى﴾

''موسیٰ نے کہا: ''اُس کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں ہے، میرا رب نہ بھولتا ہے اور نہ وہ غلطی کرتا ہے'' (52)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے پہلی نسلوں کے حالات کے بارے میں جو جواب دیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ... وَلَا يَنْسَى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''اُس کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں ہے'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے پہلی نسلوں کے حالات کے بارے میں کہا: میرے رب نے ان کے اچھے برے اعمال کو شمار کر کے محفوظ کر دیا ہے۔

(2) ﴿فِيْ كِتٰبٍ﴾ ''ایک کتاب میں ہے'' اپنی کتاب یعنی لوح محفوظ میں۔ اس کے علم سے اور اس کی خبر سے کوئی چیز نہیں چھوٹتی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(3)﴿لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى﴾ ”میرا رب نہ بھولتا ہے اور نہ وہ غلطی کرتا ہے“ یعنی میرا رب نہ تو غلطی کرتا ہے کہ کوئی چیز اس کے شمار کرنے اور لکھنے سے چھوٹ جائے اور نہ اسے کوئی بات بھولتی ہے۔

(4) یعنی پہلے لوگوں کے جو اعمال آگے چلے گئے قیامت کے دن انہیں اپنے اعمال کا سامنا کرنا ہوگا اور سب کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔

(5) مخلوق کے علم میں دو عیب پائے جاتے ہیں۔ایک تو کسی چیز کا پورا احاطہ نہ کرنا اور دوسرا بھول جانا، تو رب العزت ان دونوں عیبوں سے پاک ہے۔وہ برکت والا اور بلند کرنے والا ہے۔

(6) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا جواب بہت ہی بلیغ ہے۔آپ نے فرمایا مجھے پچھلوں کے حشر کی کیا خبر؟ البتہ اتنا یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ بہر حال ان کے ساتھ انصاف ہی ہوا ہوگا۔اور میرے علیم وخبیر، ہمہ بین و ہمہ دان خدا نے ان کے ساتھ معاملہ وہی کیا ہوگا، جس کے مستحق وہ اپنے عمل اور نامۂ اعمال کے لحاظ سے ہوں گے۔وہاں غلطی یا بھول چوک کا کیا سوال؟ (تفسیر ماجدی:242/3)

(7) فرعون نے پہچان لیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام جو معجزات لائے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں لیکن پھر بھی اُس نے انکار کیا جیسا کہ:﴿قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ﴾ ”موسیٰ نے کہا: ”بلا شبہ یقیناً ان کو نازل نہیں فرمایا مگر آسمانوں وزمین کے پروردگار ہی نے، بصیرت (کا سامان ہیں)۔“ (بنی اسرائیل:102)

﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

”وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا اور اس میں تمہارے لیے راستے بنا دیے اور آسمان سے کچھ

مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى﴾

پانی اُتارا پھر اُس کے ذریعے سے مختلف نباتات کی کئی قسمیں نکالیں“ (53)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے موقع کی مناسبت سے رب کا مزید تعارف کیسے کروایا، اس کی وضاحت ﴿الَّذِيْ ... شَتّٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1) موسیٰ علیہ السلام نے کہا:﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا﴾ ”وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا“ یعنی اس نے زمین کو تمہارے لیے قرار گاہ بنایا جس پر تم آرام اور سکون سے رہتے ہو اور دور دراز کے سفر بھی کرتے ہو۔تم اس پر عمارتیں تعمیر کرتے ہو، کھیتی باڑی کرتے ہو، باغات لگاتے ہو۔اس نے تمہارے لیے زمین کو ایسے مسخر کیا ہے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ تمہیں فائدہ پہنچانے سے انکار نہیں کرتی۔

(2)﴿وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا﴾ ''اور اس میں تمہارے لیے راستے بنا دیے'' یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لیے راستے بنائے۔اس کی وجہ سے تم زمین پر جہاں جانا چاہو آسانی سے جا سکتے ہو اور اپنے علاقوں کی نسبت سفر میں زیادہ نفع اٹھاتے ہو۔

(3)﴿وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ ''اور آسمان سے کچھ پانی اُتارا'' یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بارش نازل فرمائی۔

(4)﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى﴾ ''پھر اس کے ذریعے سے مختلف نباتات کی کئی قسمیں نکالیں'' اللہ تعالیٰ نے زمین سے طرح طرح کی بوٹیوں کے جوڑے، قسم قسم کے اناج، پھل پھول پیدا کیے جن کے رنگ ذائقے اور وضع قطع مختلف ہیں۔

(5) یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جانوروں ساری مخلوقات کے لیے رزق فراہم کیا۔اگر سب کے لیے رزق نہ ہوتا تو زمین پر رہنے والے سب ہلاک ہو جاتے۔

ع 2 30 11

﴿كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى﴾

''کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ، بلاشبہ اس میں عقل مندوں کے لئے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں'' (54)

سوال:﴿كُلُوْا ... لِّاُولِي النُّهٰى﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ﴾ ''کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ'' اللہ تعالیٰ نے احسان کے طور پر اس آیت کریمہ کو بیان فرمایا ہے تاکہ یہ اس بات کی دلیل ہو کہ تمام نباتات مباح ہیں اور ان میں سے کوئی چیز حرام نہیں سوائے ضرر رساں نباتات کے، مثلاً زہر وغیرہ۔(تفسیر سعدی:1619/2)

(2)﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ﴾ ''بلاشبہ اس میں یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ نے جو پھل اور غذائیں انسان کے لیے پیدا کیں اور جو خشک اور سبز چارے جانوروں کے لیے بنائے ان میں اللہ تعالیٰ کے رب اور معبود ہونے کے پختہ دلائل ہیں۔

(3)﴿لِّاُولِي النُّهٰى﴾ ''عقل مندوں کے لئے'' قتادہ رحمہ اللہ نے کہا: اس سے مراد اہل تقویٰ، اہل ورع ہیں۔(ابن ابی حاتم)

(4) یعنی اس میں پختہ عقل اور فکر راست رکھنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، اس کے احسان، اس کی رحمت، اس کے بے پایاں جود و سخا اور اس کی عنایت کامل کی نشانیاں ہیں اور یہ اس حقیقت پر دلیل ہیں کہ وہی رب معبود اور وہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مالک محمود ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔حمد،مدح اور ثنا کا اس ہستی کے سوا کوئی مستحق نہیں جس نے یہ تمام نعمتیں عطا کی ہیں، نیز یہ اس امر پر بھی دلیل ہیں کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔پس اس نے جس طرح زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کیا اسی طرح وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔اللہ تعالیٰ نے یہاں عقل مندوں کو خاص طور پر مخاطب کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل مند لوگ ہی ان نشانیوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کو عبرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ان کے علاوہ دیگر لوگ بہائم اور چوپایوں کی مانند ہیں، وہ ان نشانیوں کو عبرت کی نظر سے نہیں دیکھتے اور نہ ان کی بصیرت کو ان نشانیوں کے مقاصد تک رسائی حاصل ہے بلکہ ان کے لئے ان نشانیوں میں اتنا ہی حصہ ہے جتنا بہائم (چوپایوں) کا ہے۔ وہ کھاتے ہیں، پیتے ہیں اور ان کے دل غافل اور جسم اعراض کرنے والے ہیں۔﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ﴾ ''آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے وہ لوگ گزر جاتے ہیں اور وہ ان سے منہ موڑنے والے ہوتے ہیں'' (یوسف:105)(تفسیر سعدی:1619/2)

(5) عقل والوں کے لیے زمین میں اس رب کی تخلیق کی بہت سی نشانیاں ہیں کہ دُنیا کا خالق و مالک کتنا عظیم ہے۔جو قوت دُنیا کو وجود میں لانے کے لیے چاہیے تھی وہ اس کے سوا کسی کے پاس نہیں۔

(6) عقل سلیم رکھنے والے رب کی نشانیوں سے اسے پہچان جاتے ہیں۔یا اللہ! ہمیں ایسے لوگوں میں شامل فرما دینا جو تجھے تیری نشانیوں سے پہچانتے ہیں اور جو دلائل کو مان کر تیرے آگے جھک جاتے ہیں۔(آمین)

﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾

''اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی میں سے ہم تمہیں دوبارہ نکالیں گے'' (55)

سوال 1: انسان مٹی سے بنا، پھر مٹی ہی بن جائے گا اور اسی سے اٹھایا جائے گا، اس کی وضاحت ﴿مِنْهَا... اُخْرٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ﴾ ''اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا''، یعنی ہم نے تمہیں زمین کی مٹی سے بنایا۔

(2) آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے تھے جو سارے انسانوں کے باپ ہیں۔

(3) ﴿وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ﴾ ''اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے'' اور تمہیں اپنی موت کے بعد اسی زمین میں جانا ہے۔

(4) انسان کو زمین میں ہی دفن کیا جاتا ہے۔رب العزت نے فرمایا: ﴿قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اسی میں تم جیو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اُسی میں سے تم نکالے جاؤ گے۔'' (الاعراف:25)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(5)﴿وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ﴾ ''اوراسی میں سے ہم تمہیں نکالیں گے''یعنی قیامت کے دن اسی سے پیدا کیے جاؤ گے۔

(6)﴿تَارَةً اُخْرٰى﴾ ''دوبارہ''یعنی پہلی بار بھی مٹی سے پیدا کیے گئے اوردوسری بار بھی مٹی سے ہی نکالے جاؤ گے۔

﴿يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ ''جس دن وہ تمہیں پکارے گا توتم اس کی تعریف کے ساتھ لبیک کہو گے اورتم سمجھو گے کہ تم بہت تھوڑی دیر ہی رہے۔''(بنی اسرائیل:52)

(7)اللہ تعالیٰ نے اس کو واضح کیا ہے کہ زمین جو ماں کی گود کی طرح ہے زندہ انسانوں کو بھی اپنے اندر سمیٹتی ہے اور مردہ انسانوں کو بھی اور اسی سے انسان ایسے برآمد کر لیے جائیں گے جیسے ماں کے پیٹ میں پروان چڑھنے والا بچہ برآمد کر لیا جاتا ہے۔

(8)جس طرح وہ ہمیں عدم سے وجود میں لایا اسی طرح وہ ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا اور ہمیں ہمارے اعمال کی جزا دے گا۔

(9)انسان کی زمین سے پیدائش،زمین کے اندر رہائش اور زمین سے برآمدگی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کی زمین سے پیدائش بے مقصد نہیں ہے کہ پیدا ہو، کچھ عرصہ زندہ رہے پھر ختم ہو جائے بلکہ اس کی پیدائش اور اس کا وجود با مقصد ہے اور با مقصد وجود با مقصد انجام چاہتا ہے۔جس انسان کو رب نے عقل عطا کی اور زمین پر زندگی گزارنے کے لیے ہر طرح کے مواقع دیئے،جس کو زندگی جیسی دولت عطا کی،پھر جس کو موت آلیتی ہے،پھر جس کو اسی زمین سے اٹھا لینا ہے اس کی زمین پر زندگی یوں ہی محض کھانے پینے،سونے جاگنے،رزق کمانے،خرچ کرنے کے لیے کیسے ہو سکتی ہے؟پھر اسے عقل دینے کی ضرورت سمجھ نہیں آتی،پھر اس کے پاس انبیاء کو بھیجنے کی ضرورت سمجھ نہیں آتی۔زمین پر انسان کا ہونا،پھر زمین سے واپس بلا لیا جانا یعنی زمین کی گود کے اندر،قبر کے اندر رہنا پھر زمین سے برآمد کر لیا جانا یہ ثابت کرتا ہے کہ زمین پر انسان کی زندگی بے مقصد نہیں ہے۔یہی اللہ تعالیٰ کی ذات کی وحدانیت کا ثبوت بھی ہے اور آخرت کا بھی۔

سوال 2:فرعون کے ذکر کے ساتھ زمین کا تذکرہ کیوں کیا گیا؟

جواب:فرعون اپنی ذات کی بڑائی میں مبتلا تھا۔وہ اپنے آپ کو سب سے بڑا رب کہلاتا تھا حالانکہ وہ زمین کا بیٹا تھا۔اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر احساس دلایا کہ دیکھو اس مٹی سے پیدا ہوئے،اسی میں تم مر کر جاؤ گے،اسی سے تم نکالے جاؤ گے۔یہ بتاؤ بڑائی تمہارے لیے ہے ہی کب؟تم بڑائی کا حق رکھتے ہی کیسے ہو؟اللہ تعالیٰ نے زمین کا تذکرہ کر کے فرعون کی بڑائی کو توڑا ہے۔

﴿وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى﴾

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے فرعون کو اپنی سب نشانیاں دکھائیں تو اُس نے جھٹلایا اور انکار کیا''(56)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال: نشانیاں دیکھ کر بھی فرعون کفر سے باز نہ آیا، اس کی وضاحت ﴿وَلَقَدْ ...وَاَبٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے فرعون کو اپنی سب نشانیاں دکھائیں'' اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ اس نے فرعون کو ہر طرح کی نشانیاں دکھائیں لیکن وہ کفر سے باز نہ آیا۔

(2) ایک تو زندگی کا معجزہ عصاء تھا جو کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار تھا کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور دوسرے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام کے روشن دین پر ہونے کا معجزہ یعنی ید بیضاء تھا کہ جب ہاتھ نکالتے تھے چمکتا ہوا ہوتا تھا۔

(3) ﴿فَكَذَّبَ وَاَبٰى﴾ ''تو اُس نے جھٹلایا اور انکار کیا'' فرعون نے جھٹلایا اور انکار کیا اور نشانیوں کو جادوگری قرار دیا۔

(4) یعنی اس نے تکبر اور سرکشی سے ان نشانیوں کا انکار کیا جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اپنے رب کی طرف سے لائے تھے۔

(جامع البیان: 195/16)

﴿قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى﴾

''اُس نے کہا: ''اے موسیٰ! کیا تم ہمارے پاس آئے ہو کہ اپنے جادو سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو؟'' (57)

سوال 1: فرعون نے معجزوں کو جادو قرار دے دیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ...يٰمُوْسٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا﴾ ''اُس نے کہا: ''کیا تم ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو'' یعنی مصر سے نکال دو جس پر فرعون بادشاہ تھا۔

(2) ﴿بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى﴾ ''اپنے جادو سے اے موسیٰ!'' اس نے عصاء اور ید بیضا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں جادو قرار دیا۔

سوال 2: فرعون نے یہ کیوں کہا تھا کہ تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال دو؟

جواب: (1) مصر میں بنی اسرائیل کی کثرت تھی۔ ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ فرعون نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کروانے اور لڑکیوں کو زندہ رکھنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس طرح یہ پتہ چلتا ہے کہ مصر میں بنی اسرائیل کو سیاسی عمل کے لحاظ سے غلام بنایا گیا تھا۔ جب غلام کے نمائندے آئے تو فرعون کو یوں ہی لگا کہ یہ قوم کو آزاد کروانے آئے ہیں اور ہمیں ہماری زمین سے بے دخل کرنا چاہتے ہیں یعنی بنی اسرائیل اگر آج مصر سے چلے جائیں گے تو کل حملہ کر کے قبضہ بھی کر لیں گے۔

(2) یہود کے مقدس دینی ادب سے پتہ چلتا ہے کہ جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام ان افراد کو نکال کر لے گئے تھے تو وہ تعداد میں چھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لاکھ تھے جو کہ ایک بہت بڑی تعداد ہوتی ہے۔اگر اتنی بڑی آبادی نکل کر چلی جائے تو یہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ یہ افراد آزاد ہو گئے تو کہیں ہماری حکومت نہ چھن جائے۔جب دو افراد اور وہ بھی قوم کے نمائندے اس کے پاس گئے تو اس نے اپنے قدموں تلے کی زمین سرکتی ہوئی محسوس کی۔اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس کی آئیڈیالوجی کتنی بودی اور کمزور تھی۔ اس کو خود بھی یہ یقین نہیں تھا کہ میں سب سے بڑا رب ہوں۔بھلا کوئی رب بھی یہ سوال کرتا ہے کہ تم ہمیں ہماری زمین سے نکالنے آئے ہو؟ کتنی مضحکہ خیز بات ہے۔اس سے یہ پتہ لگتا ہے کہ اس کو اپنے رب ہونے کا خود بھی یقین نہیں تھا۔

﴿فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا

”تو ہم بھی تمہارے پاس ضرور ایسا ہی جادو لائیں گے چنانچہ ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدے کا وقت مقرر کرلو،

لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى﴾

نہ ہم اُس کے خلاف کریں گے اور نہ تم، ایسی جگہ میں جو ہموار ہو“(58)

سوال 1: فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا، اس کی وضاحت ﴿فَلَنَاْتِيَنَّكَ... سُوًى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ﴾ ”تو ہم بھی تمہارے پاس ضرور ایسا ہی جادو لائیں گے“ فرعون سرکش حکمران تھا جن کا یہ مزاج ہوتا ہے کہ وہ حق کی طرف بلانے والوں کو اقتدار کا طلب گار سمجھتے ہیں پھر ان کے دلائل کے مقابلے میں اپنے دلائل، ان کے کلام کے مقابلے میں اپنا کلام اور ان کے جادو کے مقابلے میں اپنا جادو لاتے ہیں۔

(2) فرعون نے کہا تھا کہ میں سب سے بڑا رب ہوں لیکن حق کا یہ مزاج ہے کہ جہاں حق کی دعوت دی جائے باطل مٹ جاتا ہے۔جہاں حق آتا ہے تو لوگ مغلوب ہو جاتے ہیں۔اب جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام نے حق بات کہی تو مغلوب ہوتے ہوئے فرعون نے محض نشانیاں دیکھیں تو اس نے کہا کہ ہم بھی ایسا جادو لائیں گے۔

(3)﴿فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ﴾ ”چنانچہ ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدے کا وقت مقرر کرلو، نہ ہم اُس کے خلاف کریں گے اور نہ تم“ یعنی ہم سے وعدہ کرو، ہم میں سے کوئی وعدہ خلافی نہ کرے اور ہم سب کھلے میدان میں جمع ہو کر جادو کا مقابلہ جادو سے کریں اور مقررہ تاریخ پر سب پہنچ جائیں۔

(4)﴿مَكَانًا سُوًى﴾ ”ایسی جگہ میں جو ہموار ہو“ یعنی اس کا ہمیں بھی علم ہو اور تمہیں بھی۔یا کوئی ہموار میدان ہو جہاں ان کرتبوں کا مشاہدہ ممکن ہو۔(تفسیر سعدی:1621/2)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال 2: کیا سرکش حکمران اہل حق کے مقابلے میں کامیاب ہوجاتے ہیں؟

جواب: سرکش حکمران کبھی حق کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہوتے خواہ کتنے ہی حیلے کرلیں کیونکہ ان کے پاس ایمان کے مقابلے میں کفر اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے مقابلے میں مادی قوت ہوتی ہے۔

﴿قَالَ مَوۡعِدُكُمۡ يَوۡمُ الزِّيۡنَةِ وَاَنۡ يُّحۡشَرَ النَّاسُ ضُحًى﴾

''موسیٰ نے کہا: ''تمہارے وعدے کا وقت میلے کا دن ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع کیے جائیں'' (59)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی بات کا جو جواب دیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ... ضُحًى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ مَوۡعِدُكُمۡ يَوۡمُ الزِّيۡنَةِ﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''تمہارے وعدے کا وقت میلے کا دن ہے'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی بات کے جواب میں کہا کہ آؤ شوق سے مقابلہ کرو۔ عید کا دن چھٹی کا دن ہے جس میں سب جمع ہوسکیں گے۔ (2) یہ دن ان کی عید کا دن تھا جس میں وہ اپنے کام کاج سے فارغ ہوتے تھے اور تمام مشاغل منقطع کر دیتے تھے۔ (تفسیر سعدی: 1621/2)

(3) ﴿وَاَنۡ يُّحۡشَرَ النَّاسُ ضُحًى﴾ ''اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع کیے جائیں'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے رات کی بجائے دن اور وہ بھی چاشت کا وقت مقرر کیا تا کہ لوگ کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کے نبی سے معجزات دیکھ لیں۔

(4) انبیاء کے کام میں دھوکہ نہیں ہوتا۔ ان کے کام روشن اور واضح ہوتے ہیں جب کہ شعبدے باز رات کا وقت مقرر کرتے ہیں۔

﴿فَتَوَلّٰى فِرۡعَوۡنُ فَجَمَعَ كَيۡدَهٗ ثُمَّ اَتٰى﴾

''پھر فرعون واپس لوٹا تو اس نے اپنی ساری تدبیریں جمع کیں، پھر (مقابلے) پر آ گیا'' (60)

سوال: فرعون کی مقابلے کے لیے تیاریوں کی وضاحت ﴿فَتَوَلّٰى ... اَتٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَتَوَلّٰى فِرۡعَوۡنُ﴾ ''پھر فرعون واپس لوٹا'' جب میدان مقابلہ اور تاریخ طے پا گئی تو فرعون سارے شہروں سے چھوٹے بڑے جادوگر جمع کرنے لگا: ﴿وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ ائۡتُوۡنِيۡ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيۡمٍ﴾ ''اور فرعون نے کہا کہ ہر ماہر جادوگر کو میرے پاس لاؤ۔'' (یونس: 79)

(2) ﴿فَجَمَعَ كَيۡدَهٗ ثُمَّ اَتٰى﴾ ''تو اس نے اپنی ساری تدبیریں جمع کیں، پھر (مقابلے) پر آ گیا'' اس دور میں جادو کا دور دورہ تھا۔ فرعون نے ترغیب دلا کر ایک بڑی تعداد جمع کرلی۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَّقِيۡلَ لِلنَّاسِ هَلۡ اَنۡتُمۡ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مُّجْتَمِعُوْنَ (۳۹) لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ (۴۰)﴾ ”اور لوگوں سے کہا گیا: ”کیا تم جمع ہونے والے ہو؟ شاید کہ ہم جادوگروں کے پیروکار بن جائیں اگر وہ غالب رہنے والے ہوں۔“ (الشعراء:40,39)

﴿قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ

”موسیٰ نے اُن سے کہا کہ تمہارا برا ہو! اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھو، ورنہ وہ تمہیں ایک عذاب سے فنا کردے گا،

وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى﴾

اور یقیناً جھوٹ جس نے بھی گھڑا وہ نامراد ہوا“ (61)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے جادوگروں کو وعظ کی وضاحت ﴿قَالَ... مَنِ افْتَرٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ ”موسیٰ نے اُن سے کہا کہ تمہارا برا ہو! اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھو“ اس موقع پر سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم پر افسوس ہے، تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھو۔

(2) ﴿فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ﴾ ”ورنہ وہ تمہیں ایک عذاب سے فنا کردے گا“ یعنی وہ تمہیں اپنے عذاب سے ہلاک کر دے گا۔ (ایسر التفاسیر:891)

(3) یعنی اپنے جادو کے ذریعے سے اپنے باطل مسلک کی مدد کرکے حق پر غالب آنے کی کوشش نہ کرو اور نہ اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی کرو ورنہ عذاب الٰہی تمہیں تباہ کردے گا۔ تمہاری کوشش اور تمہاری بہتان طرازی ناکام ہوجائے گی اور تمہیں فتح و نصرت اور فرعون اور اس کے درباریوں کے ہاں کوئی عزت وجاہ حاصل نہیں ہوگی اور تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ نہیں سکو گے۔ (تفسیر سعدی:1621/2)

(4) ﴿وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى﴾ ”اور یقیناً جھوٹ جس نے بھی گھڑا وہ نامراد ہوا“ یعنی جھوٹ باندھنے والا ہمیشہ نامراد رہتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”(جھوٹ سے بچو، کیونکہ) جھوٹ فسق و فجور کی طرف لے جاتا ہے اور فسق و فجور جہنم کی طرف لے جاتے ہیں اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔“ (مسلم:6637)

﴿فَتَنَازَعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى﴾

”تو انہوں نے اپنے معاملے میں آپس میں جھگڑا کیا اور انہوں نے پوشیدہ سرگوشی کی“ (62)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی تقریر کا ابتدائی نتیجہ کیا نکلا، اس کی وضاحت ﴿فَتَنَازَعُوْٓا ... النَّجْوٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى﴾ ''تو انہوں نے اپنے معاملے میں آپس میں جھگڑا کیا اور انہوں نے پوشیدہ سرگوشی کی'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی تقریر کے نتیجے میں ان کے درمیان اختلاف ہو گیا اور ان میں سے ایک گروہ نے کہا یہ جادوگر کا نہیں نبی کا کلام ہے، دوسروں نے کہا ہماری طرح کا جادوگر ہے۔ (ابن کثیر)

(2) اللہ تعالیٰ کا کلام سچا ہے جو دلوں کو متاثر کرتا ہے۔ جادوگر جب کلام سے متاثر ہوئے تو ان کے درمیان جھگڑا ہو گیا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام حق پر ہیں یا نہیں؟

(3) ساحروں کی جماعت سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان سے مقابلہ کے معاملہ میں خود مختلف الرائے ہو گئی۔ ساحروں کی جماعت میں تردد و انتشار بہت ممکن ہے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی مؤثر تبلیغی تقریر کا نتیجہ ہو۔ (تفسیر ماجدی: 245/3)

﴿قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا

''انہوں نے کہا کہ بلاشبہ یہ دونوں یقیناً جادوگر ہیں وہ دونوں ارادہ رکھتے ہیں کہ اپنے جادو سے تمہیں تمہاری زمین سے نکال دیں

وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى﴾

اور تمہارے مثالی طریقہ زندگی کا خاتمہ کر دیں'' (63)

سوال: مقابلے پر اصرار کرنے والوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت کارگر ہوتے دیکھ کر کیا کہا، اس کی وضاحت ﴿قَالُوْٓا ... الْمُثْلٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا﴾ ''انہوں نے کہا کہ بلاشبہ یہ دونوں یقیناً جادوگر ہیں وہ دونوں ارادہ رکھتے ہیں کہ اپنے جادو سے تمہیں تمہاری زمین سے نکال دیں'' مقابلے پر اصرار کرنے والوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت کارگر ہوتے دیکھ کر ایک دوسرے کے حوصلے بلند کرنے کے لیے دلائل دیئے کہ ہارون علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام بہت خطرناک جادوگر ہیں جو مصر پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں لہٰذا ان کا متحد ہو کر مقابلہ کرنا چاہیے۔

(2) ﴿وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى﴾ ''اور تمہارے مثالی طریقہ زندگی کا خاتمہ کر دیں'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس جگہ طریقہ کی یہی تفسیر منقول ہے کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تمہاری قوم کے سرداروں اور باعزت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کو ختم کر دیں اس لئے تم لوگوں کو چاہیے کہ مقابلہ کے لئے اپنی پوری تدبیر و توانائی صرف کرو اور سب جادوگر صف بستہ ہو کر یک بارگی ان کے مقابلے پر عمل کرو۔ (تفسیر معارف القرآن:6/124)

(3) ''اور تمہارے مثالی طریقہ زندگی کا خاتمہ کر دیں'' اس سے مراد افضل طریقہ ہے۔ اُن دنوں مصر میں مشرکانہ عقائد کی بنیاد پر ہی سیاسی اور معاشرتی نظام کی بنیاد تھی جس میں سب سے بڑے دیوتا سورج کے اوتار کی حیثیت سے فرعون قوم کا بادشاہ تھا۔ اُس نے قوم کے اندر تعصب کو اُبھارا کہ اگر اہل توحید کی حیثیت ہوگی تو ہمارا قومی نظام ختم ہو جائے گا۔

(4) یعنی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں انہوں نے پروپیگنڈا کیا کہ وہ تمہاری روزی کو ختم کرنا چاہتا ہے، تم سے حسد کرتا ہے، ریاست میں تمہارے مقام کو ختم کرنا چاہتا ہے۔

﴿فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى﴾

''چنانچہ آج اپنی تدبیریں پختہ کرو، پھر صف بستہ ہو کر آؤ اور یقیناً آج جس نے غلبہ حاصل کیا وہی کامیاب ہوا'' (64)

سوال: جادوگروں کی سرگوشیوں کی وضاحت ﴿فَاَجْمِعُوْا ... مَنِ اسْتَعْلٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) جادوگروں نے ایک دوسرے سے کہا: ﴿فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ﴾ ''چنانچہ آج اپنی تدبیریں پختہ کرو'' یعنی سب مل کر ایسے کرتب دکھاؤ کہ ایک ہی بار موسیٰ پر غلبہ پا جاؤ۔ یعنی اپنی رائے اور بات پر متفق ہو کر، ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے یک بارگی موسیٰ پر غلبہ حاصل کر لو۔ (تفسیر سعدی:2/1623)

(2) ﴿ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا﴾ ''پھر صف بستہ ہو کر آؤ'' تا کہ تم بہتر طریقے سے اپنا کام کر سکو اور دلوں میں تمہاری ہیبت بیٹھ جائے اور تا کہ تم میں سے کوئی اس کام کو نہ چھوڑے جس کی وہ قدرت رکھتا ہے۔ (تفسیر سعدی:2/1623)

(3) صف بہ صف یعنی سب مل کر۔ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو غیرت دلائی کہ آج تو ہمارے فن پر حملہ ہے، فن کی عزت کا سوال ہے، اس کا تحفظ ہم سب پر واجب ہے۔ (تفسیر ماجدی:3/246)

(4) ﴿وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى﴾ ''اور یقیناً آج جس نے غلبہ حاصل کیا وہی کامیاب ہوا'' یعنی آج جو جیتا وہی سکندر ہے، وہی کامیاب ہے۔ ہم جیتے تو بادشاہ کی طرف سے انعام ملے گا اور اگر وہ دونوں جیتے تو عظیم ریاست پر قبضہ کر لیں گے۔

﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى﴾

''انہوں نے کہا: ''اے موسیٰ! تم پھینکتے ہو یا کہ ہم پہلے ہوں جو پھینکیں؟'' (65)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال:﴿قَالُوْا...اَلْقٰی﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب:(1)﴿قَالُوْا یٰمُوْسٰٓی اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ﴾ انہوں نے کہا:''اے موسیٰ! یا کہ تم پھینکتے ہو'' جب جادوگر موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ پہلے تم اپنا کمال دکھاؤ گے۔

(2)﴿وَاِمَّآ اَنْ نَّکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی﴾''یا کہ ہم پہلے ہوں جو پھینکیں'' جادوگروں نے کہا: موسیٰ تم پھینکتے ہو یا ہم پھینکیں؟ یہ آغاز چیلنج اور اُصول کے تحت ہے۔

(3) ساحر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کر رہے ہیں جیسا کہ آج بھی کھلاڑی مقابلہ کے وقت دریافت کرتے ہیں کہ پہلی بازی کس کی رہے گی؟ یا دوسری اصطلاح میں پہلا وار کس کا ہوگا؟ یہ ساحر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے القاءِ سحر کی اجازت نہیں طلب کر رہے ہیں۔ اجازت دینے کے قابل وہ انہیں سمجھتے ہی کب تھے، القاءِ سحر پر تو وہ کمر بستہ تھے ہی، دریافت صرف اتنا کر رہے ہیں کہ پہلی بازی کس کی ہوگی۔ (تفسیر ماجدی:247/3)

﴿قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ

''موسیٰ نے کہا:''بلکہ تم ہی پھینکو۔'' تو یکا یک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں، اُن کے جادو سے موسیٰ کو خیال ڈالا جاتا تھا

اَنَّهَا تَسْعٰی﴾

کہ واقعی وہ دوڑ رہی ہیں'' (66)

سوال1: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے چیلنج کو کیسے قبول کیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ بَلْ اَلْقُوْا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿قَالَ بَلْ اَلْقُوْا﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''بلکہ تم ہی پھینکو'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے چیلنج قبول کرتے ہوئے جادوگروں کو اقدام کرنے کے لیے کہا تا کہ انہیں پتہ چل جائے کہ وہ جادوگروں کی بڑی تعداد اور جادو کے کرتبوں سے خوف زدہ نہیں ہیں۔

(2) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اس طرح جادوگروں کو سوچنے کا موقع دے دیا کہ ہمارے جادو کی اور عصا کے کام کی کیا حیثیت ہے جسے اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہے۔

(3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ تھوڑی دیر بعد عصا سارے جادو کو نگل جائے گا۔ اس طرح جادوگر سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 2: جب جادو گروں نے لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں تو کیا صورت حال پیدا ہو گئی، اس کی وضاحت ﴿فَاِذَا ...تَسْعٰی﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: ﴿فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی﴾ "تو یکا یک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں، اُن کے جادو سے موسیٰ کو خیال ڈالا جاتا تھا کہ واقعی وہ دوڑ رہی ہیں" جادوگر کرتب دکھانے لگے، ادھر رسیاں اور لاٹھیاں ڈالی گئیں اور ادھر خیال ڈالے گئے اور رسیاں اور لاٹھیاں دوڑنے لگیں اور ہر طرف ان کے دوڑنے کی وجہ سے لگتا تھا سانپ بھاگ رہے ہیں۔ رب العزت نے اس کے بارے میں فرمایا: ﴿قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ﴾ "موسیٰ علیہ السلام نے کہا: "تم ہی پھینکو" پھر جب انہوں نے پھینکا (تو) لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں دہشت زدہ کر دیا اور وہ بہت بڑا جادو لے آئے۔" (الاعراف:116) اور جادو کیا تھا سانپوں کا سیلاب تھا جس نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بھی دہشت زدہ کر دیا۔

﴿فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰی﴾

"چنانچہ موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ ڈر محسوس کیا" (67)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام دل میں کیوں ڈر گئے، اس کی وضاحت ﴿فَاَوْجَسَ ...مُّوْسٰی﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) جب موسیٰ علیہ السلام کو رسیاں اور لاٹھیاں سانپ بن کر چلتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

(2) ﴿فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰی﴾ "چنانچہ موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ ڈر محسوس کیا" تو موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈر گئے جیسا کہ طبیعت بشری کا تقاضا ہے، ورنہ حقیقت میں انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدے اور اس کی نصرت کا پورا یقین تھا۔ (تفسیر سعدی:1624/2)

(3) جادو خوف ناک تھا اور موسیٰ علیہ السلام یہ بھول گئے تھے کہ وہ ان سے زیادہ قوی ہیں اور یہ ایک طبعی چیز ہے جو نبوت کے منافی نہیں ہے۔ نبی کیونکہ بشر ہوتا ہے اس لیے اس کی بشریت کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔

(4) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا خوف اس وجہ سے بھی تھا کہ میرے عصا سے پہلے کہیں لوگ جادوگروں سے متاثر نہ ہو جائیں کیونکہ طریقہ ایک ہی تھا۔ جادوگروں نے لاٹھیاں پھینکی تھیں اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بھی لاٹھی ہی پھینکی تھی۔ اب یہ فیصلہ کیسے ہوگا کہ جادو کون سا ہے اور معجزہ کون سا؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى﴾

”ہم نے کہا: ڈرومت! یقیناً تم ہی غالب ہو“ (68)

سوال: اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے اندیشے کو کیسے دور کیا، اس کی وضاحت ﴿قُلْنَا... الْاَعْلٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْنَا﴾ ”ہم نے کہا“ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ثابت قدم رکھنے کے لیے فرمایا: ﴿لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى﴾ ”ڈرومت! یقیناً تم ہی غالب ہو۔“

(2) اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ کسی کے لحاظ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ ہی غالب رہو گے کیونکہ آپ کے پاس سچائی اور ایمان ہے۔ سچائی اور ایمان مغلوب نہیں ہوتے۔

﴿وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ

”اور پھینک دو جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے، جو کچھ انہوں نے بنایا اسے ابھی وہ نگل جائے گا، یقیناً جو کچھ انہوں نے بنایا ہے

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى﴾

جادوگر کی چال ہے اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتا جہاں سے بھی وہ آئے“ (69)

سوال 1: اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو کیسے اقدام کا حکم دیا، اس کی وضاحت ﴿وَاَلْقِ... صَنَعُوْا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ﴾ ”اور پھینک دو جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے“ رب العزت نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنا عصا زمین پر پھینک دو۔ اللہ رب العزت کی جانب سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اقدام کے لیے تیار کیا جا رہا تھا کہ اس جادو کا علاج اب عصا کے ذریعے سے ہوگا۔

(2) ﴿تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا﴾ ”جو کچھ انہوں نے بنایا اسے ابھی وہ نگل جائے گا“ یعنی یہ جو سانپوں کا سیلاب ہے اس پر عصا بند باندھے گا۔ عصا پھینک دو، یہ جادوگروں کے کرتبوں کو نگل جائے گا اور ایسا ہی ہوا۔ ادھر سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈالا اور ادھر وہ سارے بناوٹی سانپ نگل گیا۔ میدان میں لاٹھیاں اور رسیاں باقی رہ گئیں۔

(3) بعض علماء نے ﴿تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا﴾ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عصا سے بنا ہوا اژدھا جس طرف رخ کرتا اور جہاں جہاں پہنچتا وہاں سے شعبدہ کا اثر ختم ہو جاتا تھا حتیٰ کہ آخر میں جادوگروں کی لاٹھیاں اور رسیاں ہی میدان میں رہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

گئیں جو جادوگر اپنے ساتھ لائے تھے۔ (تیسیر القرآن: 73/3)

سوال 2: جادوگروں کے عمل کی کیا حقیقت تھی، اس کی وضاحت ﴿اِنَّمَا ... اَتٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ﴾ ''جو کچھ انہوں نے بنایا ہے جادوگر کی چال ہے'' جادوگروں نے نظر بندی کے عمل کے سبب ان کو متاثر کیا، اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں واقعتاً سانپ نہیں بنی تھیں بلکہ تخیل متاثر تھا جس کی وجہ سے وہ سانپ نظر آتی تھیں۔

(2) ﴿وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى﴾ ''اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتا جہاں سے بھی وہ آئے'' جادوگر جھوٹا ہوتا ہے اور جھوٹ سچ کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتا۔ سچائی کی قوت باطل کو نگل جاتی ہے۔ اس لیے باطل کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

سوال 3: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے کیا کام کیا؟

جواب: وہ بہت بڑا سانپ بن کر میدان میں دوڑنے لگا اور جادوگروں کے جادو کو نگل گیا۔ جادوگر کلام سن کر متاثر تو تھے ہی اب اُنہوں نے سچائی کو کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھ لیا اور یقین کر لیا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس انسانی جادو نہیں اللہ تعالیٰ کا معجزہ ہے۔

﴿فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى﴾

''تو جادوگر سجدے میں گرا دیے گئے اور اُنہوں نے کہا: ''ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے ہیں'' (70)

سوال: جادوگروں کو کس چیز نے سجدے میں گرا دیا تھا، اس کی وضاحت ﴿فَاُلْقِيَ ... وَمُوْسٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى﴾ ''تو جادوگر سجدے میں گرا دیے گئے اور اُنہوں نے کہا: ''ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے ہیں'' جب جادوگروں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے کیونکہ انہیں جادو کے بارے میں تو ہر قسم کی معلومات تھیں۔ انہیں یہ یقین حاصل ہو گیا تھا کہ یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا کمال درجے کا جادو نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نشانی ہے اور اس پر وہی قدرت رکھتا ہے جس کے حکم سے ہر چیز وجود میں آ جائے۔ یہ سوچ تھی جس نے جادوگروں کو سجدے میں ڈال دیا۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ (۴۶) قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۴۷) رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ (۴۸)﴾ ''پھر سارے جادوگر سجدے کی حالت میں ڈال دیے گئے۔ انہوں نے کہا: ''ہم جہانوں کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔'' (الشعراء:46-48)

(3) پس اس بھرے مجمع میں حق ظاہر اور روشن ہو گیا اور مکر و فریب اور جادو باطل ہو گیا اور یہ چیز اہل ایمان کے لئے ایک واضح دلیل اور رحمت بن گئی اور معاندین حق پر حجت قائم ہو گئی۔ (تفسیر سعدی:1624/2)

(4) جادوگروں کو حق کی پہچان نے سجدہ میں گرا دیا تھا۔ انہوں نے حقیقت کو جان لیا تھا۔ جادوگروں نے یقین کے ساتھ جان لیا تھا کہ جو کچھ سیدنا موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ہیں وہ جادو نہیں معجزہ ہے اور انہوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لانے کا اقرار کرلیا۔

﴿قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ

''فرعون نے کہا: ''تم اس پر ایمان لے آئے ہو اس سے پہلے ہی کہ میں تمہیں اس کی اجازت دیتا؟ یقیناً وہ ضرور تمہارا بڑا ہے جس نے

فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ

تمہیں جادو سکھایا پس یقیناً میں ضرور تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹوں گا اور میں کھجور کے تنوں پر تمہیں ضرور پھانسی

النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى﴾

دوں گا اور تمہیں ضرور معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون عذاب دینے میں زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے؟'' (71)

سوال 1: جادوگروں کے ایمان لانے پر فرعون نے کیا کہا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ... السِّحْرَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ﴾ ''فرعون نے کہا: ''تم اس پر ایمان لے آئے ہو اس سے پہلے ہی کہ میں تمہیں اس کی اجازت دیتا؟'' جادوگروں کے ایمان لانے پر فرعون نے کہا: تم نے اُس کو مان لیا اس سے پہلے کہ میں تمہیں اس کی اجازت دیتا؟ وقت کے فرعون ایسے ہی کہا کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں لوگوں کے دل ہمارے قابو اور قبضے میں ہیں۔ یہ لوگ ہماری مرضی سے سوچیں، ہماری مرضی سے بولیں، ہماری مرضی کے مطابق زندگی گزاریں۔ غلاموں کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہوتا ہے۔ فرعون نے بھی یہ چاہا تھا۔ اس نے حیران ہو کر کہا کہ میں نے تو تمہیں اجازت نہیں دی تم نے کیسے اسلام قبول کرلیا؟

(2) یعنی مجھ سے پوچھے اور میری اجازت کے بغیر تم نے ایمان لانے کا اقدام کیسے کرلیا؟ چونکہ وہ اپنے ہر معاملے میں فرعون کے مطیع تھے اور اس کا نہایت ادب کرتے تھے، اس لئے فرعون کو ان کا ایمان لانا بڑا عجیب سا لگا۔ اس کا خیال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تھا کہ وہ اس معاملے میں بھی اس کی اطاعت کریں گے۔ اس دلیل اور برہان کو دیکھ لینے کے بعد فرعون اپنے کفر اور سرکشی میں بڑھتا ہی چلا گیا۔ (تفسیر سعدی: 1625,1624/2)

(3) فرعون نے ایمان کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔ اس نے سچائی کو اپنا فرماں بردار بنا کر رکھنا چاہا لیکن سچائی کو زیر نہیں کر سکا۔ اس لیے سخت سزا کا حکم سنا دیا۔ حق اور سچ لے کر اٹھنے والوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہی رہتا ہے۔ لوگ ڈرتے ہیں کہ کہیں حق کی بات بڑی نہ ہو جائے۔

(4) ﴿اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾ "یقیناً وہ ضرور تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا" سیدنا موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کو جانتے تک نہیں تھے لیکن جب جادوگروں نے ایمان لانے کا فیصلہ کیا تو فرعون کی طرف سے فوراً الزام تراشی کا رویہ سامنے آ گیا۔ اندر کی خرابی کھل کر سامنے آئی، اس نے کہا یہ تو تمہارا بڑا ہے، اسی نے تو تمہیں جادو سکھایا ہے۔

(5) فرعون نے اپنی خفت مٹانے کے لیے یہ ظاہر کیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو جادوگروں پر جو غلبہ حاصل ہوا ہے وہ ان کے آپس کے گٹھ جوڑ اور ان کی سازش کی وجہ سے ہوا ہے جو فرعون اور اس کی قوم کے خلاف تھی کہ وہ ان کو سرزمین مصر سے باہر نکال دیں۔

(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ﴾ "فرعون نے کہا: "تم اس سے پہلے ہی اس پر ایمان لے آئے ہو کہ میں تمہیں اجازت دوں، یقیناً یہ تو ایک سازش ہے جو تم نے شہر میں کی ہے تاکہ تم اس کے باشندوں کو یہاں سے نکال دو، سو تم بہت جلد ہی جان لو گے۔" (الاعراف: 123)

(7) ﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾ "سو اُس نے اپنی قوم کو ہلکا کر دیا تو انہوں نے اُس کی اطاعت کی، یقیناً وہ نافرمان لوگ تھے۔" (الزخرف: 54)

سوال 2: فرعون نے طاقت کے ذریعے حق کو دبانے کے لیے کیا کوشش کی، اس کی وضاحت ﴿فَلَاُقَطِّعَنَّ... وَّاَبْقٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ﴾ "پس یقیناً میں ضرور تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹوں گا" فرعون نے طاقت کے ذریعے حق کو دبانے کے لیے جادوگروں کو دھمکی دی کہ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا دوں گا اور کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(2) فرعون کو پتہ چل گیا تھا کہ میرا جادوگروں کے دل پر کوئی اختیار نہیں۔ دل تو اللہ تعالیٰ کی دو کریم اُنگلیوں کے درمیان ہیں، وہ جیسے چاہے انہیں پھیرتا ہے۔ ایمان کی بشاشت جب دلوں میں شامل ہو جائے تو انسان پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔

(3) ﴿وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾ ''اور میں کھجور کے تنوں پر تمہیں ضرور پھانسی دوں گا'' سولی دینے کی سزا دنیا کی قدیم ترین سزاؤں میں سے ہے اور جب تک متمدن حکومتوں نے سولی گھر نہیں بنوائے تھے، قدیم ترین طریقہ یہی درختوں پر لٹکا دینے کا تھا اور کھجور کے درخت مصر میں عام تھے۔ (تفسیر ماجدی: 250/3)

(4) ﴿وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى﴾ ''اور تمہیں ضرور معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون عذاب دینے میں زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے؟'' فرعون نے جادوگروں کو اپنے دین پر قائم رکھنے کے لیے آخر میں کہا کہ میں تمہیں ایسی سزا دوں گا کہ پھر تمہیں پتہ لگ جائے گا کہ کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر پا ہے۔

﴿قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ

''جادوگروں نے کہا: ''ہم تمہیں اُن پر ہرگز ترجیح نہیں دیں گے جو واضح دلائل میں سے ہمارے پاس آگئے ہیں اور نہ ہی اُس

اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾

ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا، چنانچہ فیصلہ کرو جو تم فیصلہ کرنے والے ہو یقیناً تم صرف اس دنیا کی زندگی کا فیصلہ کرو گے'' (72)

سوال: جادوگروں نے فرعون کی دھمکی کا جو جواب دیا، اس کی وضاحت ﴿قَالُوْا ... الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوْا﴾ ''جادوگروں نے کہا'' جادوگروں نے فرعون کی دھمکی کا جواب دیتے ہوئے کہا: ﴿لَنْ نُّؤْثِرَكَ﴾ ''ہم تمہیں ہرگز ترجیح نہیں دیں گے'' یعنی ہم تیری عبادت اور تیری اطاعت کو ہرگز اختیار نہیں کریں گے اور تمہارے دین کی ہرگز پیروی نہیں کریں گے۔ (تفسیر سمرقندی: 423/2)

(2) ﴿عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ﴾ ''ان پر جو واضح دلائل میں سے ہمارے پاس آگئے ہیں'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جو ہمارے پاس روشن دلیلیں آگئیں یعنی یقین اور علم آیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: 116/6)

(3) یعنی جو علم اور یقین ہمیں نصیب ہوا ہے تم اب ہمیں اس سے نہیں پھیر سکتے۔ چاہے کاٹ ڈالو یا برباد کر دو پرواہ نہیں۔

(4) یعنی ہمارے پاس ایسی واضح نشانیاں آئی ہیں جو ہمارے لیے دلیل اور راہ نما ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا رب ہے جو ایک ہے، قادر ہے، مالک ہے، وہ عظیم ہے، اس کے سوا کسی معبود کی کوئی حقیقت نہیں۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

(5)﴿وَالَّذِیْ فَطَرَنَا﴾ ''اور نہ ہی اُس ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا'' کیا تجھے ہم اس پر ترجیح دیں جس نے ہمیں پیدا کیا؟

(6) جادوگروں نے فرعون کی دھمکی کا یہ جواب دیا کہ ہم روشن نشانیاں آنے کے بعد سچائی پر تجھے ترجیح نہیں دے سکتے۔

(7) اس طرح جادوگروں کے لیے ان کا ایمان بہت بڑی قوت بن گیا جس کے سامنے ہر طاقت چھوٹی اور کمزور نظر آتی ہے۔

(8)﴿فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ قَاضٍ﴾ ''چنانچہ فیصلہ کرو جو تم فیصلہ کرنے والے ہو'' یعنی تم زیادہ سے زیادہ کیا کر سکتے ہو؟ ہاتھ پاؤں کاٹ دو گے تو کاٹ دو، سولی چڑھا سکتے ہو تو چڑھا دو، سخت سزا دے سکتے ہو تو دے لو۔

(9)﴿اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا﴾ ''یقیناً تم صرف اس دنیا کی زندگی کا فیصلہ کرو گے'' اس درجہ جرأت و بے خوفی بس ایمان کامل ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ جادوگروں کے اس کلام میں اس بات کی دلیل ہے کہ عقل مند کے لئے مناسب ہے کہ وہ دنیا کی لذتوں اور آخرت کی لذتوں، دنیا کے عذاب اور آخرت کے عذاب کے مابین موازنہ کرے۔ (تفسیر سعدی: 1627،1626/2)

(10) جادوگروں نے فرعون کی قوت اور اقتدار کو چیلنج کرنا شروع کر دیا۔ جادوگروں نے کہا: تم زیادہ سے زیادہ اس زندگی کا فیصلہ کر سکتے ہو۔ ساحر اتنی ہی دیر میں ایمان کی برکتوں سے پوری طرح مشرف اور عزم وارادہ کے پختہ ہو چکے تھے۔ ایمان کی حلاوت ان کے رگ وپے میں نفوذ وسرایت کر چکی تھی اور عقیدہ آخرت ان کی ذہنیت کا جزو بن چکا تھا۔

(11) کہاں تو فرعون کے دربار میں جادوگر کہہ رہے تھے کہ اگر ہم نے مقابلہ کیا تو آپ ہمیں بدلہ تو دیں گے؟ تو فرعون نے کہا تھا میں تمہیں اپنا مصاحب بنالوں گا اور تمہیں اس کا صلہ ملے گا لیکن اب جادوگروں کا یہ حال ہے کہ کہتے ہیں تم جو کرنا چاہتے ہو کر لو۔ زیادہ سے زیادہ کیا کھینچو گے؟ جان! ہماری جان جو پہلے ہی بکی ہوئی ہے، مال کھینچو گے؟ تو وہ رب کا ہے، ہمارے پاس ہے ہی کیا؟ اپنا تو کچھ بھی نہیں۔

(12) مومن تو بڑے سکون میں ہوتا ہے کیونکہ مومن کے پاس جو کچھ ہے وہ تو رب کی امانت ہے۔ لہٰذا مومن بے فکر ہوتا ہے کہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے رب ہی کا ہے، رب کے پاس چلا جائے گا، لہٰذا جو کسی نے کرنا ہے کر لے۔ جادوگروں کی بات میں کس قدر اعتماد ہے اپنے رب کی ذات پر کہ تمہاری حکومت دنیا سے آگے نہیں جا سکتی، تم جو فیصلہ کرو گے یہاں کے لیے کرو گے اور یہ دنیا کی زندگی مختصر ہے اور دنیا کی سزا ہمارے لیے بہت آسان ہے۔ افق کے پار اس جہان میں دیکھنے والوں کی مقصد پر کیسی گہری نظر ہے۔ مقصد پر نظر جمائے ہوئے حق کے راہی کیسی عظیم زندگی بسر کرتے ہیں جس میں وقت کے فرعون کا خوف نہیں، کسی سزا کا ڈر نہیں، کوئی سودے بازی نہیں۔ واضح موقف ہے، رب کے ہیں، اسی کو ترجیح دیں گے، اس کے لیے جییں گے اور اس کے لیے جان دیں گے۔ (اللہ اکبر)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغۡفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَاۤ اَكۡرَهۡتَنَا عَلَيۡهِ مِنَ السِّحۡرِ ؕ

''یقیناً ہم تو اپنے رب پر ایمان لائے ہیں تا کہ وہ ہمارے لیے ہمارے گناہ بخش دے اور اُس جادو کے کام کو جس پر تو نے

وَاللّٰهُ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى﴾

ہمیں مجبور کیا اور اللہ تعالیٰ بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے'' (73)

سوال 1: ہم رب پر ایمان لے آئے، جادوگروں کے اس قول کی وضاحت ﴿اِنَّاۤ ... وَّاَبۡقٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا﴾ ''یقیناً ہم تو اپنے رب پر ایمان لائے ہیں'' یعنی ہم نے توحید کا اقرار کرلیا اور ہم نے اپنے رب کے وعدوں اور وعیدوں کی تصدیق کی۔ (جامع البیان:209/16)

(2) ﴿لِيَغۡفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا﴾ ''تا کہ وہ ہمارے لیے ہمارے گناہ بخش دے'' یعنی یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہم ایمان لے آئے اور اس ایمان کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ معاف فرما دے گا۔

(3) ﴿وَمَاۤ اَكۡرَهۡتَنَا عَلَيۡهِ مِنَ السِّحۡرِ﴾ ''اور اُس جادو کے کام کو جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا'' یعنی ہمیں اپنے رب سے امید ہے کہ ہمیں جادو کے جرم پر معاف کردے گا کہ جس کے ذریعے تو نے ہمیں حق کا مقابلہ کرنے کے لیے لالچ دلا کر راضی کرلیا تھا۔ تیرے کہنے سننے سے ہم اللہ تعالیٰ کے نبی کے خلاف مقابلے کے لیے ڈٹ گئے تھے۔

(4) ﴿وَاللّٰهُ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے'' یعنی ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ترجیح دیں گے جو بہترین ہے اور باقی رہنے والا ہے۔

(5) جادوگر کیسے ایمان پر ثابت قدم ہو گئے۔ ایمان انسانوں کے اندر ایسی ہی تبدیلی لے کر آتا ہے۔ جادوگروں نے فرعون کے مقابلے میں رب کی برتری کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا: ﴿وَاللّٰهُ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے'' ایک ہی نشست میں ان کا ایمان کس درجے پر پہنچ گیا۔

سوال 2: جادوگر حق کے دلائل کو اور حق تعالیٰ کو پہچان کر کیسے متاثر ہو گئے تھے؟

جواب: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت نے جادوگروں کو متاثر کیا اور وہ ان کے دلوں میں جاگزیں ہوگئی، اس لئے موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت کے بعد ان کے درمیان اختلاف اور تنازعہ پیدا ہوا لیکن فرعون نے ان جادوگروں کو اس مکر وفریب پر عمل پیرا ہونے پر مجبور کردیا، اسی لئے انہوں نے جادو کے کرتب دکھانے سے پہلے فرعون کی بات دہرائی: ﴿قَالُوۡۤا اِنۡ هٰذٰنِ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

لَسٰحِرٰنِ يُرِيۡدٰنِ اَنۡ يُّخۡرِجٰكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ بِسِحۡرِهِمَا وَيَذۡهَبَا بِطَرِيۡقَتِكُمُ الۡمُثۡلٰى﴾ ''انہوں نے کہا کہ بلاشبہ یہ دونوں یقیناً جادوگر ہیں وہ دونوں ارادہ رکھتے ہیں کہ اپنے جادو سے تمہیں تمہاری زمین سے نکال دیں اور تمہارے مثالی طریقہ زندگی کا خاتمہ کر دیں۔'' (طٰہٰ:63) یہ کہہ کر وہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئے جس پر فرعون نے ان کو مجبور کیا تھا۔ شاید یہی نکتہ تھا کہ باطل کے ذریعے سے حق کی معارضت کی ناپسندیدگی ان کے دلوں میں جاگزیں ہو گئی تھی، انہوں نے جو کام سرانجام دیا وہ انہوں نے اغماض برتتے ہوئے سرانجام دیا، اسی نکتہ نے ان کے دلوں کو متاثر کیا، اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور ان کو ایمان اور توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔ (تفسیر سعدی:1627,1626/2)

﴿اِنَّهٗ مَنۡ يَّاۡتِ رَبَّهٗ مُجۡرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوۡتُ فِيۡهَا وَلَا يَحۡيٰى﴾

''بلاشبہ جو شخص اپنے رب کے سامنے مجرم بن کر آئے گا تو یقیناً اس کے لیے جہنم ہے، اس میں وہ نہ مرے گا اور نہ جیے گا'' (74)

سوال: مجرم بننے کا کیا مطلب ہے اور مجرموں کے لیے آخرت میں کیا سزا ہے، اس کی وضاحت ﴿اِنَّهٗ ... وَلَا يَحۡيٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّهٗ مَنۡ يَّاۡتِ رَبَّهٗ مُجۡرِمًا﴾ ''بلاشبہ جو شخص اپنے رب کے سامنے مجرم بن کر آئے گا'' مجرم بننے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں آئیں اور وہ ان سے نصیحت حاصل نہ کرے، اُس کے سامنے حق کو عقلی دلائل کے ذریعے کھولا جائے اور وہ اس کو قبول نہ کرے اور وہ مادی مصلحتوں سے اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کا اعتراف نہ کرے۔

(2) ﴿فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ﴾ ''تو یقیناً اس کے لیے جہنم ہے'' مرتے دم تک کفر پر جمے رہنے والوں کے لیے جہنم ہے۔

(3) مجرموں کے لیے آخرت میں سخت سزا ہے جو دُنیا کے مقابلے میں بہت بڑی ہے کیونکہ دُنیا محدود ہے مگر آخرت میں انسان کو ایسا عذاب ہوگا کہ نہ موت آئے گی نہ آرام کی زندگی ملے گی۔

(4) ﴿لَا يَمُوۡتُ فِيۡهَا وَلَا يَحۡيٰى﴾ ''اس میں وہ نہ مرے گا اور نہ جیے گا'' یعنی جو اللہ تعالیٰ کا انکار کرے اور مرتے دم تک کفر پر جما رہے اس کی سزا جہنم ہے جس کا عذاب بہت ہی سخت، جس کی ہتھکڑیاں بہت بڑی، جس کی گہرائی بہت زیادہ اور جس کی گرمی اور سردی بہت المناک ہوگی اور جہنم میں ایسا عذاب دیا جائے گا جو دل وجگر کو پگھلا کر رکھ دے گا۔ جہنم کے عذاب کی ایسی شدت ہوگی کہ جس کو عذاب دیا جائے گا وہ اس عذاب میں مرے گا نہ جیئے گا، نہ وہ مرے گا کہ اس کی جان چھوٹ جائے اور نہ وہ جیئے گا کہ وہ اس زندگی سے لذت اٹھا سکے۔ اس کی زندگی قلبی، روحانی اور جسمانی عذاب سے لبریز ہوگی، جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ عذاب ایک گھڑی کے لئے بھی اس سے دور نہ ہوگا۔ وہ مدد کے لئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پکارے گا لیکن اس کی مدد نہ کی جائے گی اور وہ دعائیں کرے گا لیکن اس کی دعا قبول نہ ہوگی۔ ہاں! جب وہ پانی مانگے گا تو اسے پینے کے لئے ایسا پانی دیا جائے گا جو تیل کی تلچھٹ کی مانند ہوگا جو چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔ جب وہ پکارے گا تو اس کو جواب دیا جائے گا: ﴿قَالَ اخۡسَـُٔوۡا فِيۡهَا وَلَا تُكَلِّمُوۡنِ﴾ ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہیں خوار رہو اور مجھ سے بات نہ کرو''۔ (المومنون:108)

(5) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَاسۡتَفۡتَحُوۡا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيۡدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنۡ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسۡقٰى مِنۡ مَّآءٍ صَدِيۡدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيۡغُهٗ وَيَاۡتِيۡهِ الۡمَوۡتُ مِنۡ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنۡ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيۡظٌ ﴿۱۷﴾﴾ ''اور انہوں نے فیصلہ طلب کیا اور ہر سرکش، عناد رکھنے والا نامراد ہو گیا۔ اس کے پیچھے جہنم ہے اور اسے اس پانی سے پلایا جائے گا جو پیپ ہے۔ وہ اس کا گھونٹ گھونٹ پیے گا لیکن قریب بھی نہ ہوگا کہ حلق سے اُتارے اور موت اس پر ہر طرف سے آئے گی حالانکہ وہ مرنے والا نہیں ہوگا اور اس کے پیچھے ایک سخت عذاب ہے۔'' (ابراہیم:15-17)

(6) ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِنَا سَوۡفَ نُصۡلِيۡهِمۡ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتۡ جُلُوۡدُهُمۡ بَدَّلۡنٰهُمۡ جُلُوۡدًا غَيۡرَهَا لِيَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا﴾ ''بلاشبہ جن لوگوں نے ہماری آیات کا کفر کیا بہت جلد ہم انہیں آگ میں ڈالیں گے، جب کبھی ان کی کھالیں گل سڑ جائیں گی تو ہم انہیں اس کے علاوہ کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔'' (النساء:56)

(7) ﴿وَيَتَجَنَّبُهَا الۡاَشۡقَى ﴿۱۱﴾ الَّذِىۡ يَصۡلَى النَّارَ الۡكُبۡرٰى ﴿۱۲﴾ ثُمَّ لَا يَمُوۡتُ فِيۡهَا وَلَا يَحۡيٰى ﴿۱۳﴾﴾ ''اور بدبخت اُس سے علیحدہ رہے گا۔ وہ جو بہت بڑی آگ میں داخل ہوگا۔ پھر اُس میں نہ وہ مرے گا اور نہ جیے گا۔'' (الاعلیٰ:11-13)

(8) ﴿وَنَادَوۡا يٰمٰلِكُ لِيَقۡضِ عَلَيۡنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمۡ مّٰكِثُوۡنَ ﴿۷۷﴾﴾ ''اور وہ پکاریں گے: ''اے مالک! تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر دے۔'' فرشتہ کہے گا: یقیناً تم ٹھہرنے والے ہو۔'' (الزخرف:77)

(9) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو لوگ دوزخ والے (کافر) ہیں وہ تو نہ اس میں جییں گے اور نہ مریں گے اور جو دوزخ والے نہیں ہیں (یعنی گناہ گار مسلمان) تو آگ انہیں یک بارگی مار دے گی پھر شفاعت کرنے والے (پیغمبر) کھڑے ہو کر ان کی شفاعت کریں گے پھر انہیں گٹھڑیوں کی صورت میں ایک دریا پر جس کا نام ''الحیاۃ'' یا ''الحیوٰن'' ہوگا لایا جائے گا پھر (اس میں نہا کر) وہ اس طرح بڑھیں گے جس طرح گھاس پھوس سیلاب کی لائی ہوئی مٹی میں بڑھتا ہے۔'' (ابن کثیر بحوالہ مسلم وابن ابی حاتم)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(تفسیر اشرف الحواشی:380/1)

(10) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اصلی جہنمی تو جہنم ہی میں پڑے رہیں گے، انہیں وہاں نہ موت آئے گی اور (نہ آرام کی) زندگی ملے گی، ہاں ایسے لوگ بھی ہوں گے جنہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، جہاں اللہ تعالیٰ انہیں موت دے دے گا اور وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے۔ پھر شفاعت کی اجازت کے بعد گروہ گروہ کر کے نکالے جائیں گے اور جنت کی نہروں کے کناروں پر انہیں پھیلا دیا جائے گا اور جنتیوں سے فرمایا جائے گا کہ ان پر پانی ڈالو، تو وہ اس طرح اگیں گے جیسے دانہ اس مٹی میں اگتا ہے جسے پانی بہا کر لاتا ہے۔'' یہ سن کر ایک شخص کہنے لگا، گویا رسول اللہ ﷺ کچھ زمانہ جنگل میں گزار چکے ہیں۔ (مسلم:459)

﴿وَمَنْ يَّأْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى﴾

''اور جو شخص اپنے رب کے پاس مومن ہو کر آئے گا جس نے نیک عمل کیے ہوں گے تو ان لوگوں کے لیے بلند درجات ہیں'' (75)

سوال: ایمان والوں کے لیے جنت ہے، اس کی وضاحت ﴿وَمَنْ يَّأْتِهٖ ... الْعُلٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَنْ يَّأْتِهٖ مُؤْمِنًا﴾ ''اور جو شخص اپنے رب کے پاس مومن ہو کر آئے گا'' یعنی جو طاغوت کا انکار کر کے اپنے رب پر ایمان لائے گا۔ (2) اور ان چیزوں کی تصدیق کرے گا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئیں۔ (تفسیر الوسیط:215/3)

(3) جو رسولوں کی اور آخرت کی تصدیق کرے گا۔

(4) ﴿قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ﴾ ''جس نے نیک عمل کیے ہوں گے'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: جس نے فرائض ادا کیے۔ (تفسیر الوسیط:215/3)

(5) جس نے شریعت پر عمل کیا، جس نے فرائض ادا کیے اور نواہی سے اجتناب کیا۔ (ایسر التفاسیر:895)

(6) جس نے واجبات کے ساتھ مستحب اعمال بھی انجام دیئے۔

(7) ﴿فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى﴾ ''تو ان لوگوں کے لیے بلند درجات ہیں'' یعنی ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا قرب ہے۔ (المحرر الوجیز:54/4)

(8) یعنی اُن کے لئے جنت ہو گی جس میں بلند و بالا درجات، پر امن بالا خانے اور پاکیزہ و نفیس مکانات ہوں گے۔ (المصباح المنیر:63/4)

(9) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جنتی لوگ اپنے سے بلند کمروں والوں کو اوپر اسی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

طرح دیکھیں گے جیسے چمکتے ستارے کو جو صبح کے وقت رہ گیا ہو، آسمان کے کنارے پورب یا پچھم میں دیکھتے ہیں۔ ان میں ایک دوسرے سے افضل ہوگا۔" لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو انبیاء کے محل ہوں گے جنہیں ان کے سوا اور کوئی نہ پا سکے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ ان لوگوں کے لیے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور انبیاء کی تصدیق کی۔" (بخاری: 3256)

(10) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نے خواب میں جنت دیکھی، میں نے اس میں ایک عورت کو دیکھا جو ایک محل کے کنارے وضو کر رہی تھی۔ میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے؟ تو فرشتوں نے بتایا کہ یہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا محل ہے۔ مجھے ان کی غیرت یاد آئی اور میں وہاں سے فوراً لوٹ آیا۔" یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ رو دیئے اور کہنے لگے: "یا رسول اللہ! کیا میں آپ ﷺ کے ساتھ بھی غیرت کروں گا؟" (بخاری: 3242)

(11) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "(جنتیوں کا) خیمہ کیا ہے، ایک موتی ہے خولدار جس کی بلندی اوپر کو تیس میل تک ہے۔ اس کے ہر کنارے پر مومن کی ایک بیوی ہوگی جسے دوسرے نہ دیکھ سکیں گے۔" (بخاری: 3243)

(12) عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جنت میں سو درجے ہیں۔ ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے کہ جتنا آسمان و زمین میں اور فردوس سب سے اوپر کا درجہ ہے کہ اس میں سے جنت کی چاروں نہریں بہتی ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے پھر جب سوال کرو تو تم اللہ تعالیٰ سے فردوس کا سوال کرو۔" (ترمذی: 2531)

(13) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "جب تم مجھ پر درود بھیجو تو میرے لیے اللہ تعالیٰ سے "وسیلہ" کی دعا کرو" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! وسیلہ کیا ہے؟" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جنت میں اعلیٰ ترین درجہ ہے، جو صرف ایک آدمی کو حاصل ہوگا اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ میں ہی ہوں گا۔" (مسلم: 849)

﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ

"ہمیشہ کی جنتیں، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى﴾

اور یہ اُس شخص کا بدلہ ہے جس نے پاکیزگی اختیار کی" (76)

ع 3 22 12

سوال: پاکیزگی اختیار کرنے والوں کی جزا جنت ہے، اس کی وضاحت ﴿جَنّٰتُ ... تَزَكّٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ "ہمیشہ کی جنتیں، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی" یعنی جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایمان اور یقین کی حالت میں اپنے رب سے ملے گا اس کے لیے رب العزت نے جنتیں تیار کی ہیں جن میں نہریں جاری ہیں۔

(2) ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ''وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' یعنی اس جنت سے وہ نکالے نہیں جائیں گے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انہیں جنت کا وارث بنا دیا جائے گا۔

(3) ﴿وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى﴾ ''اور یہ اُس شخص کا بدلہ ہے جس نے پاکیزگی اختیار کی'' یعنی پاکیزگی اختیار کرنے والوں کے لیے جنت ہے۔

(4) ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اپنے نفس کو گندگی، برائی اور شرک سے پاک کرے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے جو ایک ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں اور مرسلین کی اطاعت کرے یہ پاکیزگی کا راستہ ہے۔ (الاساس فی التفسیر: 3373/7)

(5) اس شخص کی جزا ہے جو شرک، کفر، فسق اور معصیت سے اپنے آپ کو پاک کرتا ہے۔ وہ یا تو ان مذکورہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہی نہیں یا اگر اس سے کسی گناہ کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو وہ توبہ کر لیتا ہے، نیز وہ اپنے نفس کو پاک کرتا ہے، ایمان اور عمل صالح کے ذریعے اس کی نشوونما کرتا ہے۔ (6) ''تزکیہ'' کے دو معنی ہیں۔ (i) صاف کرنا اور گندگی کو زائل کرنا۔

(ii) بھلائی کے حصول میں اضافہ کرنا۔ زکوٰۃ کو انہی دو امور کی بنا پر زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 1628/2)

(7) پاک کرنے سے مراد ہے: (i) خود کو جہالت اور غفلت سے پاک کرنا۔ (ii) اپنے آپ کو خواہشات سے پاک کرنا۔

(iii) ظلم اور تکبر سے خود کو پاک کرنا۔

﴿وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ رات کے وقت میرے بندوں کو لے کر نکلو پھر ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بناؤ،

لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى﴾

نہ تم تعاقب کا خوف کھاؤ گے اور نہ ہی تم ڈرو گے'' (77)

سوال 1: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو جو حکم دیا، اس کی وضاحت ﴿وَلَقَدْ ... وَّلَا تَخْشٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى﴾ ''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی'' فرعون نے جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بنی اسرائیل کو غلامی سے آزاد کر کے ان کے سپرد کرنے کے مطالبے کو ٹال دیا تو رب العزت نے ان کی طرف وحی کی۔

(2) ﴿اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ﴾ ''کہ رات کے وقت میرے بندوں کو لے کر نکلو'' یعنی فرعون اور آل فرعون کی بے خبری میں رات کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر نکل جائیں۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

(3) جب صبح کے وقت وہ جاگے تو سارے شہر میں ایک بھی اسرائیلی نہ ملا۔

(4) فرعون کو جب یہ پتہ چلا تو غصے سے چکرا گیا، اس نے لشکر جمع کرنے کا حکم دے دیا اور سورج نکلتے ہی لشکر لے کر ان کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔ اس موقع پر رب العزت نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا۔

(5) ﴿فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا﴾ ''پھر ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بناؤ'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی کہ سمندر پر عصا مارو وہ تمہیں راستہ دے دے گا۔

(6) ﴿لَا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى﴾ ''نہ تم تعاقب کا خوف کھاؤ گے اور نہ ہی تم ڈرو گے'' سیدنا قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نہ تو فرعون تجھے پا سکے گا اور نہ تجھے اپنے آگے غرق ہو جانے کا خوف ہوگا۔ ''تَخْشٰى'' سے مراد ہے آگے ڈوب جانے یا غرق ہو جانے کا خوف۔ (جامع البیان: 211/16)

(7) ابن جریج کہتے ہیں کہ اصحاب موسیٰ نے یہ کہا تھا کہ یہ فرعون ہے یہ ہمیں پا لے گا اور یہ سمندر ہے اس میں ہم ڈوب جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات نازل کی: ﴿لَا تَخٰفُ دَرَكًا﴾ ''تمہیں پکڑے جانے کا کوئی خوف نہ ہو'' یعنی فرعون والوں سے ﴿وَّلَا تَخْشٰى﴾ ''اور نہ تم ڈرو'' سمندر سے کہ اس میں تم ڈوب جاؤ گے۔ (جامع البیان: 211/16)

(8) بات یہ ہے کہ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے کمر ہمت باندھ لیتی ہے تو باوجود بے سروسامانی کے اللہ تعالیٰ اس کی اعانت فرماتا ہے اور غیب سے اس کے لیے غلبہ واقتدار کے سامان پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں، دیکھ لیجیے کہ وہ دریا جس نے موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم کو راستہ دے دیا وہ فرعون کے لیے مرگ وہلاکت کا سامان بن گیا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ خدائی مدد موسیٰ علیہ السلام کے شامل حال تھی۔ دریا کا پانی رک جانا اور اس سے راستہ بن جانا، یہ بہر صورت معجزہ ہے۔ عام حالات میں ایسا نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ جس نے دریا اور سمندر پیدا کیے ہیں، وہ اگر چاہے تو چشم زدن میں تمام سمندروں کو خشکی سے بدل دے اور لوہے کو پانی کر دے۔ اس کی قدرت واستطاعت کے سامنے ہر چیز ممکن اور مطیع ہے۔ (تفسیر سراج البیان: 756/3)

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو کیسے سمندر سے گزروا دیا؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے چلو۔ پیچھے دشمن ہے، آگے سمندر ہے، دائیں بائیں پُر پیچ پہاڑی راستے ہیں۔ جائیں تو جائیں کہاں؟ راستہ تو رب بنانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ ''اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، وہ اُس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔'' (الطلاق: 2)

(2) سمندر میں خشک راستہ بن گیا۔ وہ رب کائنات جس کا پانیوں پر حکم چلتا ہے وہ چاہے تو پتھروں کے پہاڑوں کی جگہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

پانی کے پہاڑ بنادے۔

(3) اس راستے سے گزرنے والوں کی کیفیت کیا ہوگی؟ ڈر ہوگا کہ شاید ادھر کا پانی چڑھ آئے یا ادھر کا اور پیچھے دشمن بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی واضح کر دیا تھا کہ نہ تم تعاقب کا خوف کھاؤ اور نہ سمندر سے گزرتے ہوئے تمہیں ڈر لگے کیونکہ جس رب نے پانیوں میں تمہارے لیے راستہ بنایا ہے وہ تمہارے لیے راستہ بنانا چاہتا ہے اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے لیے فرعونیت سے بچنے کے لیے راستہ بنادیا کہ ان کو پکڑے جانے کا خوف بھی نہیں اور سمندر میں ڈوب جانے کا خوف بھی نہیں ہے۔

﴿فَاَتۡبَعَهُمۡ فِرۡعَوۡنُ بِجُنُوۡدِهٖ فَغَشِيَهُمۡ مِّنَ الۡيَمِّ مَا غَشِيَهُمۡ﴾

''پھر فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ اُن کا پیچھا کیا تو اُن کو سمندر سے ڈھانپ لیا اس چیز نے جس نے انہیں ڈھانپا'' (78)

سوال 1: فرعون اور اس کے لشکروں کا کیا انجام ہوا، اس کی وضاحت ﴿فَاَتۡبَعَهُمۡ ... مَا غَشِيَهُمۡ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَتۡبَعَهُمۡ فِرۡعَوۡنُ بِجُنُوۡدِهٖ﴾ ''پھر فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ اُن کا پیچھا کیا'' فرعون اپنے لشکروں کو لے کر ساحل سمندر پر پہنچا تو موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے پیچھے سمندر میں بنے ہوئے راستوں میں داخل ہوگیا۔

(2) ﴿فَغَشِيَهُمۡ مِّنَ الۡيَمِّ مَا غَشِيَهُمۡ﴾ ''پھر اُن کو سمندر سے ڈھانپ لیا اس چیز نے جس نے انہیں ڈھانپا'' جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ مکمل طور پر سمندر سے باہر آ گئے تب فرعون کا پورا لشکر سمندر میں داخل ہو چکا تھا۔ رب العزت نے سمندر کو حکم دیا تو سمندر نے اتنا پانی فرعونیوں پر چڑھا دیا کہ لشکر موجوں کے تھپیڑے نہ سہہ سکا اور سارا لشکر ڈوب گیا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاِذۡ فَرَقۡنَا بِكُمُ الۡبَحۡرَ فَاَنۡجَيۡنٰكُمۡ وَاَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ﴾ ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تمہاری وجہ سے ہم نے سمندر کو پھاڑ دیا، پھر ہم نے تمہیں نجات دی اور ہم نے آلِ فرعون کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔'' (البقرۃ:50) بنی اسرائیل اپنے دشمنوں کو اپنے سامنے ڈوبتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ سب سمندر کی تہہ میں پہنچ گئے تو سمندر اسی روانی کے ساتھ بہنے لگا۔

(3) یوں وہ جو کہتا تھا میں سب سے بڑا رب ہوں اللہ تعالیٰ نے اس کی ربوبیت کا دعویٰ غرق کر دیا۔

(4) سمندر میں اتنا فہم کہاں سے آ گیا کہ بنی اسرائیل پر چڑھائی نہیں کرنی اور فرعون اور اس کے لشکروں پر چڑھائی کرنی ہے؟ یہ فہم بے جان اشیاء کو بھی وہی دیتا ہے جو اپنی زندہ مخلوقات کو اور انسان کو فہم دینے والا ہے۔ پانی بھی پہچانتا ہے کہ کون رب کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نافرمان ہے اور کون فرماں بردار۔ اللہ تعالیٰ خود پہچان دے دیتا ہے۔ کائنات کی مخلوقات نافرمانوں کی کتنی پہچان رکھتی ہیں!

(5) رب العزت بتانا چاہتے ہیں کہ دیکھو باطل کا دعویٰ کرنے والے مٹ جایا کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں تا کہ لوگ باطل نظریات سے، باطل عقائد سے بچ جائیں اور انہیں پتہ لگ جائے کہ باطل عقیدے کا انجام کیا ہے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر کیا احسانات کیے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بیک وقت تین احسان فرمائے: (i) فرعونیوں سے نجات۔

(ii) سر پر کھڑی موت کے بعد زندگی۔

(iii) دشمن کی مکمل طور پر ہلاکت۔ اور یہ واقعہ دس محرم کو پیش آیا تھا۔ (تیسیر القرآن: 76/3)

﴿وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى﴾

"اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور صحیح راہ نمائی نہ کی" (79)

سوال: فرعون نے اپنی قوم کو کیسے گمراہ کیا تھا، اس کی وضاحت ﴿وَاَضَلَّ... هَدٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ﴾ "اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا" یعنی فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور انہیں کبھی سیدھا راستہ نہ دکھایا۔ (2) فرعون نے ان کو شرک اور بت پرستی کے راستے پر لگا کر گمراہ کیا تھا۔

(3) فرعون نے اپنی قوم کو سیدھے راستے سے ہٹا دیا تھا اور انہیں ایک ایسے راستہ پر چلا دیا تھا جس کا اختتام آگ پر تھا۔ اس نے انہیں اللہ تعالیٰ کے انکار اور رسول کی تکذیب پر لگا دیا تھا۔ قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے ہوگا اور انہیں جہنم میں داخل کر دے گا۔

(4) ﴿وَمَا هَدٰى﴾ "اور اس نے ان کی صحیح راہ نمائی نہ کی" اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں سیدھے راستے پر نہیں چلایا۔ (جامع البیان: 212/16)

(5) فرعون سیدھے راستے کو جانتا نہیں تھا، چلا کیسے سکتا تھا؟ فرعون راہ نما نہیں تھا لیکن اس کے پاس اختیار اور اقتدار تھا۔ صاحب اقتدار لوگ اگر خود سیدھے راستے پر نہیں چلا سکتے تو کم از کم جو افراد سیدھے راستے کی طرف بلانے والے ہوں ان کو جگہ تو دے سکتے ہیں۔ فرعون نے رسول کے راستے پر چلنے سے روک دیا تھا، رسول کی پیروی سے روک دیا تھا، اس کی تصدیق سے اور اس کی بات ماننے سے روک دیا تھا اس وجہ سے لوگوں نے پیغمبر کی پیروی کرنے کی بجائے فرعون کی پیروی کی۔

(6) فرعون نے اپنی قوم کو احساس دلایا: ﴿وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ﴾ "میں تو تمہاری بھلائی کے راستے کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرف ہی راہ نمائی کرتا ہوں۔'' (غافر:29) یہ وہ جھانسا ہے جو ہر دور کے لیڈر اپنے پیروکاروں کو دیتے رہتے ہیں کہ جس راستے پر ہم چلانا چاہتے ہیں وہی بالکل ٹھیک ہے۔ ساری تحریکیں اسی بنیاد پر چلتی ہیں اور اسی بنیاد پر لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ

''اے بنی اسرائیل! یقیناً ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دلائی اور ہم نے پہاڑ کی دائیں جانب کا تمہیں وعدہ دیا

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى﴾

اور ہم نے تم پر من وسلویٰ نازل کیا'' (80)

سوال 1: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کون سے احسانات یاد دلائے ہیں، اس کی وضاحت ﴿يٰبَنِيْٓ... وَالسَّلْوٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ﴾ ''اے بنی اسرائیل! یقیناً ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دلائی'' اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنے احسانات یاد دلائے ہیں کہ تمہارے دشمن کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈبو دیا۔ تخت اچھالے جاتے ہیں، تاج گرائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اختیار کو دیکھیے، پسی ہوئی قوم اٹھائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دبی ہوئی، پسی ہوئی قوم کو اس طرح اٹھایا کہ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے دشمن کو غرق کر دیا، جس نے انہیں صدیوں سے غلام بنا رکھا تھا۔ یوں ثابت ہو گیا کہ کسی بھی طاقت ور بادشاہ کو اللہ تعالیٰ جب چاہے لمحوں میں سمندر میں غرق کر سکتا ہے۔ طاقت اللہ تعالیٰ کی، قوت اللہ تعالیٰ کی، زور اللہ تعالیٰ کا، فیصلے اللہ تعالیٰ کے، ہدایت بھی اللہ تعالیٰ کی ہے لہٰذا اس کی ہدایت پر چلیں۔

(2) ﴿وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ (٤٩) وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ﴾ ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب ہم نے تمہیں آلِ فرعون سے نجات دی، وہ تمہیں برے عذاب میں مبتلا کرتے تھے، وہ تمہارے بیٹوں کو بری طرح ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور تمہارے لئے اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔ اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تمہاری وجہ سے ہم نے سمندر کو پھاڑ دیا، پھر ہم نے تمہیں نجات دی اور ہم نے آلِ فرعون کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔'' (البقرۃ:50،49)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

(3)﴿وَوٰعَدۡنٰكُمۡ جَانِبَ الطُّوۡرِ الۡاَيۡمَنَ﴾ ''اور ہم نے پہاڑ کی دائیں جانب کا تمہیں وعدہ دیا'' ملاقات کا وعدہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کرنے کے لیے کیا، جس میں ان کی زندگی، ان کی دنیا اور ان کے دین کا نظام تھا۔

(4) اللہ تعالیٰ نے دشمن سے نجات عطا کر کے دنیاوی نعمت کی تکمیل کی اور تورات عطا کر کے دینی نعمت کی تکمیل کر دی۔

(5) اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو تربیت کے لیے اور شریعت عطا کرنے کے لیے بلایا تھا تاکہ بنی اسرائیل عالمی کردار ادا کرنے کے لیے منظم ہو جائیں۔ یعنی بنی اسرائیل کے توسط سے پوری دنیا تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچے اور بنی اسرائیل سارے جہان والوں کے لیے نمونہ بن جائیں۔

(6) حقیقت یہ ہے کہ شریعت آتی ہی اسی وجہ سے ہے کہ لوگ اس شریعت کو قبول کریں اور اپنی زندگیوں میں نافذ کریں اور جہان والوں تک اس کا پیغام پہنچائیں، پھر جہانوں پر اللہ تعالیٰ کی شریعت کو نافذ کر دیں۔

(7)﴿وَنَزَّلۡنَا عَلَيۡكُمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰى﴾ ''اور ہم نے تم پر من و سلویٰ نازل کیا'' بظاہر پڑھنے میں تو چھوٹی سی بات ہے کہ من اور سلویٰ آیا تھا لیکن بنیادی طور پر یہ لاکھوں کے لشکر کے لئے کھانے کا انتظام تھا۔

(8) اس لشکر میں خوراک کی ترسیل (Transportation) ختم ہو گئی تھی جو مسلسل ایک پریشانی کا عمل تھا کہ اسے کیسے منگوایا جائے، کیسے بنایا جائے، کیسے کھلایا جائے۔ جب کسی بڑی فوج کے لیے کھانے کا انتظام ہوتا ہے تو پیچھے سے رسد پہنچائی جاتی ہے اور یہاں پیچھے تو دشمن تھا وہاں سے کھانے کا انتظام کیسے ہو سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ دیکھو تم تو شاہی مہمان بن کر گزر رہے تھے تمہارے لیے شاہی انتظامات کئے گئے۔ اس کے بارے میں انسان جتنا غور و فکر کرتا ہے اور ان انتظامات کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتا ہے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اسے حیرت ہوتی ہے کہ وہ رب کیسا قدیر ہے، وہ کیسا اختیار رکھنے والا ہے اور اس کے انتظامات کتنے بے مثال ہیں۔

(9) اس دور میں ممکن نہیں تھا کہ انسان اپنے Tins میں کھانے کو پیک کر لیتے۔ اتنی شدت کی دھوپ تھی کہ کھانا فوراً خراب ہو جائے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے تر و تازہ کھانے کا انتظام کر دیا۔ پانیوں پر پرندے آتے ہیں، خشکی پر پرندے نہیں آیا کرتے۔ وہ علاقہ جہاں پانی نہیں تھا، وہاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ اس لشکر کے لیے آتے تھے۔

(10) ''سلویٰ'' بیٹر جتنے پرندے تھے اور پھر من جیسی سویٹ ڈش بھی عطا کی۔ رات کو یہ سوتے تھے اور پتوں پہ یہ دھنیے جیسے چھوٹے چھوٹے دانے جمے ہوتے جن کو بنی اسرائیل وہاں سے اتارتے اور کھا لیتے۔

(11) ان کا سفر جاری تھا۔ ایک مقام پر ٹھہرنا نہیں تھا۔ اس انتظام کا ایک خوبصورت پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں نہ برتن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چاہیے تھے، نہ برتنوں کی دھلائی چاہیے تھی، نہ کھانا کھلانے کے لیے دستر خوان بچھانے کی ضرورت تھی، نہ گاڑیوں کی، کہ پیچھے سے کھانا آئے نہ پیچھے سے مال چاہیے کہ اتنے بڑے پیمانے پر گوشت مہیا کر سکیں جیسا کہ یہود کے مقدس دینی ادب سے پتہ چلتا ہے کہ تقریباً یہ چھ لاکھ کے قریب لوگ تھے۔ لوگ اس سے کم ہوں یا زیادہ، آسمان پر جھنڈ کے جھنڈ آتے ہوں گے گویا بادلوں کا سایہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان احسانات کو یاد دلایا ہے چونکہ عالمی کردار ادا کرنے کے لیے بنی اسرائیل کو تیار کرنا تھا اس لیے ایک پسی ہوئی قوم کو اللہ تعالیٰ مشکل حالات سے گزار رہے ہیں تاکہ وہ بڑی ذمہ داری ادا کرنے کے قابل ہو جائیں۔

سوال 2: بنی اسرائیل کے سفر سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کوئی چیز ذخیرہ نہیں کرنے دی۔ اس سے ہمیں یہ بہت بڑا سبق ملتا ہے کہ بڑے مشن پر کام کرنے والے افراد اپنے لیے ذخیرہ کرنے لگیں تو آگے نہیں بڑھ سکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم اللہ تعالیٰ پر توکل کرو، جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو بھی ایسے رزق دیا جائے جیسا کہ پرندوں کو دیا جاتا ہے۔ صبح کو وہ گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔“ (ترمذی: 2344)

﴿كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ

”کھاؤ پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا اور اس میں حد سے نہ بڑھو ورنہ میرا غضب تم پر ٹوٹ پڑے گا

وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى﴾

اور جس پر میرا غضب ٹوٹا تو یقیناً وہ ہلاک ہوا“ (81)

سوال: اللہ تعالیٰ نے انعامات یاد دلا کر بنی اسرائیل کو جو نصیحت فرمائی، اس کی وضاحت ﴿كُلُوا ... هَوٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نصیحت فرمائی: ﴿كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ ”کھاؤ پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں رزق دیا“ یعنی جو طیب کھانا ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اسے کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

(2) اللہ رب العزت نے انسان کو عزت دی ہے کہ وہ پاک چیزیں کھائے۔

(3) یعنی جو روزی ہم نے تمہیں دے رکھی ہے اس میں سے کھاؤ اور میرے عطا کردہ رزق میں حد سے آگے نہ بڑھو کہ بلا ضرورت پرندے پکڑ لو اور میرے حکم کی خلاف ورزی کرو ورنہ میں تم سے ناراض ہو جاؤں گا اور میری ناراضی شقاوت کا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

باعث ہے۔(مختصر ابن کثیر:1180/2)

(4)﴿وَلَا تَطۡغَوۡا فِيۡهِ﴾''اور اس میں حد سے نہ بڑھو'' میرے رزق میں سرکشی نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کی حد کو پار کر جاؤ یا کفرانِ نعمت کرو یا اللہ تعالیٰ کی شریعت کے احکامات بدل دو یا تم ایک دوسرے پر ظلم کرنے لگو۔(الاساس فی التفسیر:3378/7)

(5)یعنی اتنا پیٹ بھر کر نہ کھاؤ کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد ہی نہ آئے کیونکہ پیٹ بھر کر کھانا انسان کو غافل کر دیتا ہے۔(تفسیر السلمی:446/1)

(6)سرکش وہ ہے (i) جو حلال کو چھوڑ کر حرام کی طرف لپکے۔(ii) جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرے۔

(iii) جو کفران نعمت کرے۔

(7) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ جو بات کہی ﴿وَلَا تَطۡغَوۡا فِيۡهِ﴾ تو اس کا مطلب ہے کہ تم اس معاملے میں ظلم نہ کرو اور کفرانِ نعمت نہ کرو کیونکہ کفرانِ نعمت اور ظلم کر کے تم سرکشوں میں ہو جاؤ گے۔ اور کہا گیا کہ میری دی ہوئی غذاؤں سے قوت حاصل کر کے میری نافرمانی کے کام نہ کرو، یہ سرکشی ہے اور ایک اور بات بھی کہی گئی کہ تم ذخیرہ نہ کرو۔

(تفسیر خازن:209/3)

(8)یعنی جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس پر شکر ادا کرو، زیادتی نہ کرو، اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز نہ کرو جیسے اسراف، یا اتراہٹ یا اسی طرح سے مستحق سے روک دینا ہے۔

(9)﴿فَيَحِلَّ عَلَيۡكُمۡ غَضَبِىۡ﴾''ورنہ میرا غضب تم پر ٹوٹ پڑے گا'' سرکشی کرنے والوں کی سزا اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے غضب کے سوا کچھ نہیں۔

(10)﴿وَمَنۡ يَّحۡلِلۡ عَلَيۡهِ غَضَبِىۡ فَقَدۡ هَوٰى﴾''اور جس پر میرا غضب ٹوٹا تو یقیناً وہ ہلاک ہوا'' یعنی جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ ہلاک اور خائب و خاسر ہوا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور احسان سے محروم ہو گیا اور اس کی ناراضی اور خسارہ اس کے حصے میں آیا۔(تفسیر سعدی:1630/2)

(11)اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا کہ دیکھو فرعون سرکش تھا، اللہ تعالیٰ نے اُسے کیسے گرا دیا۔ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کو سمندر میں ڈبو کر بعد میں آنے والوں کو تکبر اور سرکشی کا انجام دکھایا ہے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔

﴿وَاِنِّىۡ لَغَفَّارٌ لِّمَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهۡتَدٰى﴾

''اور بلاشبہ جس شخص نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے، پھر سیدھی راہ پر چلا، تو یقیناً میں بہت بخشنے والا ہوں''(82)

سوال1: اللہ تعالیٰ کن لوگوں کے لیے بہت بخشنے والا ہے، اس کی وضاحت ﴿وَاِنِّىۡ ... ثُمَّ اهۡتَدٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: (1) اللہ تعالیٰ توبہ کر کے ایمان لا کر نیک عمل کرنے والوں، سیدھا چلنے والوں کے لیے بہت بخشنے والا ہے۔

(2) ﴿وَاِنِّیۡ لَغَفَّارٌ﴾ "تو یقیناً میں بہت بخشنے والا ہوں" یعنی میں کثرت سے بخشنے والا ہوں، اپنے بندوں کو عذاب سے بچانے والا ہوں جب کہ وہ عذاب کے مستحق ہو چکے ہوں اور ان کے گناہوں سے درگزر کرنے والا ہوں۔

(3) ﴿لِّمَنۡ تَابَ﴾ "اس شخص کے لیے جس نے توبہ کی" یعنی جس نے شرک سے اجتناب کیا۔

(4) ﴿وَاٰمَنَ﴾ "اور ایمان لایا" یعنی کفر و شرک اور فسق و فجور سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں، اس کی کتابوں اور آخرت کے دن پر اور تقدیر پر ایمان لے آیا۔

(5) ﴿وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ "اور نیک عمل کیے" یعنی جس نے اپنے عمل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا اور نبی ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کیا اور اپنے عمل میں اخلاص پیدا کر لیا رب العزت اس کو عذاب سے بچا لیں گے، اس کے گناہوں سے درگزر کریں گے اور اسے بخش دیں گے۔

(6) ﴿ثُمَّ اهۡتَدٰی﴾ "پھر سیدھی راہ پر چلا" ربیع بن انس کہتے ہیں: جس نے نبی ﷺ کی سنت کو لازم پکڑ لیا۔ (جامع البیان: 214،213/16) (7) قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس نے اسلام کو لازم پکڑ لیا پھر وہ اسی اسلام پر رہا۔ (جامع البیان: 212،213/16)

سوال 2: انسان اپنی غلطی سے نیکی اور ہدایت تک کا سفر کیسے کرتا ہے؟

جواب: (1) ایسا نہیں ہے کہ ایک بار انسان ہدایت کی طرف آئے تو وہ ہمیشہ ہی اسی طرف رہے گا۔ انسان اپنی زندگی میں مستقل سفر کرتا ہے اور اگر وہ ہدایت کا سفر نہیں کرتا تو گمراہی کا سفر تو ہو ہی رہا ہے۔ انسان ہدایت کے راستے پر چلتے ہوئے خطا کر جاتا ہے۔ جب اس سے گناہ ہوتا ہے تو انسان کے پورے عمل میں خرابی آ جاتی ہے۔ جس وقت انسان غلطی کرتا ہے اس وقت کی کیفیت ایسی ہوتی ہے کہ یوں لگتا ہے پورے کا پورا انسان خالی ہو گیا۔ پھر وہ نماز پڑھے تو نماز بھی خالی ہے، ذکر کرے تو وہ بھی خالی ہے، پھر وہ دعائیں مانگے تو وہ بھی خالی ہیں۔ پھر وہ کوئی نیکی کا کام کرنا چاہے صدقہ و خیرات کرنا چاہے تو وہ بھی خالی۔ جب تک وہ غلطی سے نکل نہیں جاتا اس وقت تک اس کی ذات کے اندر خلا پیدا ہوتا رہتا ہے۔ شیطان کے لیے یہ خلا بہت مؤثر ہے کیونکہ وہ ذات کے خلا کو پر کرنے کے لیے انسان کو کھینچتا ہے۔ انسان بے کلی اور عجیب سا اضطراب محسوس کرتا ہے، اسے سمجھ نہیں آتی کیا کروں، کیا نہ کروں، کسی چیز میں دل نہیں لگتا۔ ہر کام بے دلی سے کرتا ہے۔ اسے پتہ نہیں چلتا لیکن حقیقتاً وہ اندر سے اللہ تعالیٰ کے تعلق کو گم کر بیٹھتا ہے۔ وہ ٹوٹ جاتا ہے اور اندھیروں میں آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ الغفار ہے، الغفور ہے وہ بخشنے کے لیے تیار ہے لیکن تب جب اس کے لیے بندہ خود کوشش کرے اور مغفرت والے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اعمال کرے۔

(2) انسان سے اپنی زندگی میں غلطیاں ہوتی ہیں۔کبھی اجتماعی معاملات میں غلطیاں ہوجاتی ہیں،کبھی کسی کے حق میں کمی ہوجاتی ہے۔اس کو چین نہیں ملتا،سمجھ نہیں آتی کہ اب کیا کروں۔فرض کریں ایک انسان اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کے لیے نیکی کا سفر طے کررہا ہے۔کہیں نمازیں،کہیں ذکراذکار،کہیں صدقہ وخیرات،کہیں حقوق وفرائض کی ادائیگی کا سلسلہ ہے جو ہر جگہ پر ہی جاری رہتا ہے۔یہ نیکیوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔اس کے توسط سے انسان کے اندر قوت رہتی ہے اوروہ ہدایت کے راستے پر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔یہ ہدایت کا سفر ہے۔جتنی نیکیاں انسان کی طرف سے ہوتی رہتی ہیں ان نیکیوں کے توسط سے ہدایت کا راستہ کھلا رہتا ہے۔جب غلطی ہوتی ہے تو انسان سرکشی تک آجاتا ہے۔جیسے پانی کے آگے رکاوٹ کھڑی کریں تو وہ دوسری طرف سے حد سے نکلنا شروع ہوجاتا ہے۔اپنی حد اور دائرے سے باہر نکلنا ہی سرکشی ہے۔یوں انسان ایک غلطی سے حد سے باہر نکلنے لگتا ہے۔اب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اس غلطی کو ختم کرلیں تاکہ حد کے اندر رہیں۔اب ایک انسان کو ندامت ہے کہ یہ میرے ساتھ کیا ہوگیا؟اس ندامت کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی سے جھک جاتا ہے۔جب وہ اللہ تعالیٰ کا دامن تھام لیتا ہے،اپنے معاہدے کو دہراتا ہے پھر وہ نیک عمل کرتا رہتا ہے۔

﴿وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى﴾

’’اور کیا چیز تمہیں اپنی قوم سے جلدی لے آئی اے موسیٰ؟‘‘(83)

سوال:سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے طور کی جانب جانے میں جلدی کیوں کی تھی،اس کی وضاحت ﴿وَمَآ اَعْجَلَكَ ... يٰمُوْسٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو طور پر تورات عطا کی جانی تھی جس کے لیے پوری قوم کو ساتھ لے کر جانا تھا لیکن وہ جلدی کرکے مقررہ دن سے پہلے پہنچ گئے۔اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق میں قوم کو پیچھے چھوڑ گئے تو رب العزت نے سوال کیا:﴿وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى﴾’’اور کیا چیز تمہیں اپنی قوم سے جلدی لے آئی اے موسیٰ؟‘‘

(2) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کی مٹھاس پائی تھی اس لیے وہ جلدی کرکے مقررہ دن سے پہلے رب سے ملاقات کے اشتیاق میں پہنچ گئے اور قوم کو پیچھے چھوڑ دیا۔

﴿قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى﴾

’’موسیٰ نے کہا:’’وہ لوگ میرے نشانِ قدم پر ہی ہیں اور اے میرے رب!میں جلدی آپ کی طرف آگیا تاکہ آپ راضی ہوجائیں‘‘(84)

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com

سوال 1: سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے جواب کی وضاحت ﴿قَالَ ... لِتَرۡضٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ هُمۡ اُولَآءِ عَلٰۤى اَثَرِیۡ﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''وہ لوگ میرے نشانِ قدم پر ہی ہیں'' موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: قوم میرے پیچھے پیچھے ہی آرہی ہے۔ وہ طور کے قریب پہنچ کر ٹھہر جائیں گے۔

(2) ﴿وَعَجِلۡتُ اِلَیۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى﴾ ''اور اے میرے رب! میں جلدی آپ کی طرف آگیا تا کہ آپ راضی ہو جائیں'' موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میں ان سے جلدی اس لیے آگیا ہوں کہ میں تیری خوشی، تیری رضا اور تیری ملاقات کا شوق رکھتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ مجھے تیرا قرب ملے اور تو مجھ سے راضی ہو جائے۔

(3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے رب سے ملاقات کے اور رب کی باتیں سننے کے شوق میں عجلت کی تھی۔ وہ اپنی قوم کے ستر سرداروں کو لے کر آرہے تھے۔ یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی طرف سے اجتہاد کیا تھا لیکن اس اجتہاد میں خطا تھی اس وجہ سے ان پر عتاب ہوا۔ (4) اس معاملے میں عجلت کی مذمت کی گئی ہے اور دین میں وہ قابل تعریف ہے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَسَارِعُوۡۤا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ (۱۳۳)﴾ ''اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جس کی وسعت آسمانوں اور زمین جتنی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔'' (آل عمران: 133)

سوال 2: دین میں شوق کا کیا مقام ہے؟

جواب: (1) شوق وہ چنگاری ہے جو دل کو گرمائے رکھتی ہے۔ وہ لپٹ ہے جو شمع قلب سے اُٹھتی ہے۔ شوق ہی اعضاء و جوارح سے اعمال کرواتا ہے اور شوق ہی اعمال میں مداومت پیدا کرتا ہے۔ شوق ہی ہے جو آلائے اخروی کو نعیم دنیوی سے بھی قریب تر دکھلاتا ہے اور شوق ہی ہے جو ہر ایک شکستہ پر کو مائل پرواز رکھتا ہے۔ شوق ہی ہے جو غاروں کی گہرائی کو ناپتا ہے۔

(2) یہ شوق ہی ہے جو محبت صادق کی راہ میں مشعل افروزی کرتا ہے اور یہ شوق ہے جو کسی درمیانی منزل پر محبت آبلہ پا کو آرام نہیں لینے دیتا۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مقدار شوق، مقدار محبت پر مبنی ہے یہ محال ہے کہ فراوانی محبت میں شوق قاصر پایا جائے یا کمی محبت کی صورت میں شوق کثیر الوجدان ہو۔ سچ ہے کہ سالک کے لئے شوق سے بڑھ کر اور کوئی سواری نہیں۔ یہ وہی مرکب ہے جو گھاٹیوں کو پھاندتا ہے اور امتحان کے خطرناک پل سے صاف گزرتا ہوا جنت اللقاء تک پہنچا دیتا ہے۔ ''فَطُوۡبٰى لِلۡمُشۡتَاقِیۡنَ وَطُوۡبٰى لِلۡمُحِبِّیۡنَ'' (رحمۃ للعالمین: 264،263)

(3) اللہ تعالیٰ نے شوق کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام میں مجسم کر کے دکھایا ہے اور نبی ﷺ نے شوق کو ایک سواری کی صورت بتایا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہے﴿وَالشَّوْقُ مَرْكَبِيْ﴾"اور شوق میری سواری ہے" (رحمۃ للعالمین) کہ شوق گویا ایک سواری ہے جس میں سوار ہو کر انسان یہ سفر طے کرتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اسلام کا سفر شوق کے بغیر ہو نہیں سکتا۔ ویسے تو دنیا میں کوئی سفر بھی شوق کے بغیر نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی کام بھی شوق کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

(4) نبی ﷺ کی دعا ہے: ﴿اَسْاَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَائِكَ﴾ "تیرے چہرے پر نگاہ ڈالنے کی لذت اور تیرے لقاء کے شوق کا سوال کرتا ہوں۔" (مسند احمد)

(5) شوق آثار محبت میں سے ایک اثر کا نام ہے۔ اس کا درجہ اصل محبت سے کمتر ہے کیونکہ شوق محبت ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

(6) شوق ہے جو انسان کے اعمال کو بہت زیادہ منظم کر دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے۔" (بخاری: 6508)

﴿قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "پھر بلاشبہ ہم نے یقیناً تمہارے بعد تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا

وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ﴾

اور سامری نے اُن کو گمراہ کر دیا ہے" (85)

سوال 1: موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے بنی اسرائیل شرک میں مبتلا ہو گئے، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ... السَّامِرِيُّ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ﴾ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "پھر بلاشبہ ہم نے یقیناً تمہارے بعد تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا" موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے بنی اسرائیل کو سامری نامی شخص نے بچھڑا پوجنے پر لگا دیا، یوں وہ شرک میں مبتلا ہو گئے۔ اس فتنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو خبر دے دی تھی کہ میں نے تیری قوم کو فتنے میں مبتلا کر دیا۔

(2) ﴿وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ﴾ "اور سامری نے اُن کو گمراہ کر دیا ہے" یعنی ہدایت کے راستے سے ہٹا دیا ہے اور غیر اللہ کی عبادت پر لگا دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال 2: جو فتنہ سامری نے کھڑا کیا اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کیسے منسوب کر لیا؟

جواب: اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے فیصلوں سے ہوتا ہے۔ آزمائش جب بھی آتی ہے اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے آتی ہے۔ آزمائش اور امتحان کسی کے لیے خوشگوار نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعے سے ایمان والوں کو آزما لیا جائے کہ کون کہاں کھڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سامری کے توسط سے آزما لیا۔

سوال 3: سامری نے لوگوں کو بچھڑا پوجنے پر لگا دیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی مرضی پوری کی پھر سامری مجرم کیسے ہو گیا؟

جواب: سامری سے اللہ تعالیٰ کا یہ مطالبہ نہیں تھا کہ وہ بچھڑا بنا کر اس کی پوجا کروائے۔ اس نے اپنی Free will سے، اپنی خواہش سے، اپنی چاہت سے اس غلط راستے کو اختیار کیا تو وہ مجرم بن گیا۔ جب اس نے بچھڑا بنایا اور لوگوں کو اس کی پوجا پر لگا دیا تو وہ مجرم بن گیا۔ وہ چاہتا تو نہ بناتا، وہ مجبور نہیں تھا، مجبوری میں امتحان نہیں ہوتا اختیار کی آزمائش ہے۔ اس اختیار میں وہ ناکام ہو گیا اور قوم کو بھی اپنے پیچھے لگا لیا۔

﴿فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ

''تو موسیٰ غضبناک افسوس کرتا ہوا اپنی قوم کی طرف لوٹا۔ اُس نے کہا: ''اے میری قوم! کیا تمہارے رب نے تم سے

وَعْدًا حَسَنًا ۬ؕ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ

اچھا وعدہ نہیں کیا تھا تو کیا تم پر لمبا زمانہ گزر گیا تھا؟ یا تم چاہتے ہو کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے غضب ٹوٹ

غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ﴾

پڑے؟ تو تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی'' (86)

سوال: سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام غصے میں واپس لوٹے تو انہوں نے اپنی قوم سے کیا کہا، واقعات کی وضاحت ﴿فَرَجَعَ ... مَّوْعِدِيْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا﴾ ''تو موسیٰ غضبناک افسوس کرتا ہوا اپنی قوم کی طرف لوٹا'' اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو سامری کے فتنے کی اطلاع دے دی تھی اس لیے وہ شدید غصے میں قوم کی طرف لوٹے۔

(2) یہاں غصے کے لئے لفظ استعمال ہوا ''اسفا'' یہ قوم کے مقابلے میں سیدنا موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا رویہ ہے۔ وہ قوم پر غیظ وغضب میں لوٹے تھے۔ اس غیظ وغضب میں حزن بھی تھا۔ ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹ جانے پر جو حزن اس کو لاحق ہو سکتا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے جس نے اسلام کا راستہ دکھایا ہو اس کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں دیکھ سکتے ہیں۔ انہیں غم ہے، انہیں غصہ ہے اسی وجہ سے ''اسفا'' کا لفظ استعمال ہوا جس میں دونوں چیزیں اکٹھی آجاتی ہیں۔

(3) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا تھا: ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا﴾ ''اُس نے کہا: ''اے میری قوم! کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا'' ﴿وَعْدًا حَسَنًا﴾ اچھے وعدے سے مراد تورات عطا کرنے کا وعدہ تھا جو ان کے لیے نظام حیات اور شریعت تھی۔

(4) ﴿اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ﴾ ''تو کیا تم پر لمبا زمانہ گزر گیا تھا؟'' کیا وعدہ پورا ہونے میں دیر لگ گئی تھی اور میری عدم موجودگی طویل ہوگئی تھی، حالانکہ یہ تو بہت تھوڑی سی مدت تھی۔ یہ بہت سے مفسرین کا قول ہے اور اس میں ایک دوسرے معنی کا احتمال بھی ہے، وہ یہ کہ کیا عہد نبوت اور رسالت کو زیادہ عرصہ گزر گیا ہے؟ جس کی وجہ سے تمہارے پاس علم باقی نہ رہا، علم کے تمام آثار مٹ گئے اور تمہارے پاس کوئی خبر نہ پہنچی اور طول عہد کی بنا پر آثار نبوت محو ہو گئے تھے اور اس طرح تم نے آثار رسالت اور علم کے معدوم ہونے اور غلبہء جہالت کی وجہ سے غیر اللہ کی عبادت شروع کر دی۔۔۔؟ مگر معاملہ یوں نہیں، بلکہ نبوت تمہارے درمیان موجود اور علم قائم ہے اس لئے یہ عذر قابل قبول نہیں۔ (تفسیر سعدی: 1632/2)

(5) ﴿اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''یا تم چاہتے ہو کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے غضب ٹوٹ پڑے؟'' یہ بتاؤ کہ کیا تم نے یہ ارادہ کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب تم پر ٹوٹ پڑے یعنی تم نے میرا انتظار تک نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو آواز دے دی، تم نے بچھڑے کو پوجا اور اللہ تعالیٰ کا کفر کیا۔

(6) ﴿فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ﴾ ''پھر تم نے میرے وعدے کی خلاف ورزی کی'' تم نے میرا انتظار نہ کیا اور ہارون کا احترام نہ کیا۔ (جامع البیان: 216/16)

(7) بنی اسرائیل نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے طور کی واپسی تک اطاعت کا وعدہ کیا تھا۔

﴿قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ

''اُنہوں نے کہا: ''ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے ساتھ وعدہ خلافی نہیں کی بلکہ قوم کے زیورات کے بوجھ ہم پر لاد دیے گئے

فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ﴾

تو ہم نے انہیں پھینک دیا، پھر اسی طرح سامری نے بھی کچھ ڈالا'' (87)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سوال 1: بنی اسرائیل نے وعدہ خلافی کا کیا سبب بتایا، اس کی وضاحت ﴿قَالُوْا ... السَّامِرِيُّ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا﴾ ''انہوں نے کہا: ''ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے ساتھ وعدہ خلافی نہیں کی'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے اختیار سے وعدہ خلافی نہیں کی۔

(2) ﴿وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا﴾ ''بلکہ قوم کے زیورات کے بوجھ ہم پر لاد دیے گئے تو ہم نے انہیں پھینک دیا'' انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ان سے یہ کام جان بوجھ کر اور اپنے اختیار سے سرزد نہیں ہوا بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ زیورات کے گناہ سے جو ہمارے پاس تھے بچنا چاہتے تھے۔ اہل تفسیر ذکر کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے مصر سے نکلنے سے پہلے قبطیوں سے زیورات وغیرہ مستعار لئے تھے۔ مصر سے نکلتے وقت وہ زیورات بھی ساتھ لے آئے۔ وہاں سے نکل کر انہوں نے وہ زیورات پھینک دیئے تھے۔ جب موسیٰ علیہ السلام چلے گئے تو انہوں نے وہ زیورات اکٹھے کر لئے تاکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی واپسی پر اس بارے میں ان سے رجوع کریں۔ (تفسیر سعدی: 1633/2)

(3) بنی اسرائیل کے لیے یہ زیورات جائز نہیں تھے اس لیے اُنہوں نے انہیں جمع کر کے گڑھے میں ڈال دیا۔

(4) عموماً مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ زیور بنی اسرائیل کی عورتوں نے کسی تقریب کے موقع پر قبطیوں کی عورتوں سے مستعار لئے تھے اور بعد میں واپس نہ کئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب فرعون اور اس کے لشکر والے سمندر میں غرق ہو گئے اور ان کی لاشیں کناروں پر تیرتی ہوئی آئیں تو بنی اسرائیل نے ان کے زیور اتار لئے۔ (فتح القدیر)

(5) ﴿فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ﴾ ''پھر اسی طرح سامری نے بھی کچھ ڈالا'' سعید بن جبیر نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ سامری اس قوم سے تعلق رکھتا تھا جو گائے کی پوجا کرتی تھی۔ پھر وہ بنی اسرائیل میں داخل ہو گیا۔ اس نے اپنے اسلام کو ان پر ظاہر کیا لیکن گائے کی محبت پر قائم رہا پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس کے ذریعے سے آزمائش میں مبتلا کر دیا اور ان کی آنکھوں کے سامنے یہ سب کچھ دکھا دیا۔ (سمرقندی: 426/2)

سوال 2: کفار کا مال مسلمان کے لئے کس صورت میں حلال ہے؟

جواب: مال غنیمت کا قانون شریعت اسلام سے پہلے نہ تھا۔ اس کو کافروں کے قبضہ سے نکال لینا تو جائز تھا مگر مسلمانوں کے لئے اس کا استعمال اور اس سے نفع اٹھانا حلال نہیں تھا بلکہ مال غنیمت جمع کر کے کسی ٹیلہ وغیرہ پر رکھ دیا جاتا تھا اور آسمانی آگ (بجلی وغیرہ) آ کر اس کو کھا جاتی تھی۔ یہی علامت ان کے جہاد قبول ہونے کی تھی اس لئے وہ مال بھی منحوس سمجھا جاتا اور کوئی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اس کے پاس نہ جاتا۔ رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں جو مخصوص رعایتیں اور سہولتیں دی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مال غنیمت کو مسلمانوں کے لئے حلال کر دیا گیا جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں اس کی تصریح ہے۔ اس قاعدہ کے اعتبار سے بنی اسرائیل کے قبضہ میں آیا ہوا مال جو قوم فرعون سے لیا تھا مال غنیمت ہی کے حکم میں قرار دیا جائے تب بھی اس کا استعمال ان کے لئے جائز نہیں تھا۔ اسی وجہ سے اس مال کو (اوزار) کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور سیدنا ہارون علیہ السلام کے حکم سے اس کو ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا۔ واقعہ ہجرت میں رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ طیبہ جانے کا قصد فرمالیا اور آپ ﷺ کے پاس عرب کے کفار کی بہت سی امانتیں رکھی تھیں کیونکہ سارا عرب آپ ﷺ کو امانت دار یقین کرتا اور امین کے لفظ سے خطاب کرتا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی امانتوں کو واپس کرنے کا اتنا اہتمام فرمایا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کر کے اپنے پیچھے ان کو چھوڑا اور حکم دیا کہ جس جس کی امانت ہے اس کو واپس کر دی جائے، آپ اس سے فارغ ہو کر ہجرت کریں۔ اس مال کو رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت کے تحت حلال قرار نہیں دیا ورنہ وہ مسلمانوں کا حق ہوتا کافروں کو واپس کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ (تفسیر معارف القرآن: 137,136/6)

﴿فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰـهُكُمْ

”پس اس نے ان کے لیے ایک بچھڑا نکالا، جس کے لیے جسم تھا، جس کی بیل کی سی آواز تھی، پھر لوگوں نے کہا کہ یہ ہے تمہارا

وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۬ فَنَسِیَ﴾

اور موسیٰ کا معبود، سو وہ بھول گیا“ (88)

سوال 1: سامری نے سونے کا بچھڑا بنایا، واقعے کی وضاحت ﴿فَاَخْرَجَ ... فَنَسِیَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ﴾ ”پس اس نے ان کے لیے ایک بچھڑا نکالا، جس کے لیے جسم تھا، جس کی بیل کی سی آواز تھی“ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سیدنا ہارون علیہ السلام سامری کے پاس گئے وہ بچھڑا بنا رہا تھا۔ پوچھا کیا چیز بنا رہے ہو؟ بولا وہ چیز بنا رہا ہوں جو نہ نفع پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔ آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کے دل کی مراد پوری فرما دے۔ یہ دعا کر کے آپ تو تشریف لے گئے ادھر سامری نے دعا مانگی، اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ یہ بولے بھی چنانچہ وہ ڈیں ڈیں بھی کرنے لگا۔ اب اس کی پرستش شروع ہو گئی۔ جب رینگتا تو اس کے آگے سجدے میں گر جاتے پھر جب رینگتا تو سر اٹھا لیتے۔ (ابن ابی حاتم)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

(2)سدی کہتے ہیں کہ سامری نے مٹی اٹھائی تھی۔یہ جبرائیل کے گھوڑے کے قدموں کی مٹی تھی۔پھر موسیٰ علیہ السلام تو چلے گئے سیدنا ہارون علیہ السلام پیچھے رہ گئے اور یہ تیس سے چالیس راتوں کا وقت تھا۔سیدنا ہارون علیہ السلام نے ان سے کہا:اے بنی اسرائیل!یقیناً مال غنیمت تمہارے لیے حلال نہیں ہے اور قبطیوں کے زیورات یقیناً مال غنیمت ہیں۔تو تم ان سب کو جمع کرو،ایک گڑھا کھودو اور انہیں دفن کر دو۔پھر جب موسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو اگر وہ ان کو حلال قرار دیں تو تم انہیں لے لینا۔ پھر انہوں نے ان زیورات کو ایک گڑھے میں جمع کر دیا۔پھر سامری آیا اور ان کو لے گیا۔پھر اس نے ان زیورات سے بچھڑا نکالا جس میں سے گائے جیسی آواز آتی تھی۔

(3)جب زیورات جمع ہو گئے تو سامری نے ایک مٹی کی مٹھی اٹھائی۔پھر اسے پھینکا تو یہ بچھڑا بن گیا جس سے آواز بھی آتی تھی۔(جامع البیان:220/16)

(4)﴿فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ەفَنَسِيَ﴾"پھر لوگوں نے کہا کہ یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود،سو وہ بھول گیا"بنی اسرائیل نے کہا:موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کو تلاش کرنے گیا ہے اور وہ یہاں موجود ہے،موسیٰ علیہ السلام بھول گیا۔(تفسیر سعدی:1633/2)

(5)﴿فَنَسِيَ﴾"سو وہ بھول گیا"گمراہ لوگوں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے اس معبود کو بھول کر طور پر معبود کی تلاش میں گئے ہیں حالانکہ معبود یہیں موجود ہے۔

(6)اس کے بارے میں اہل تاویل نے بڑا اختلاف کیا ہے کہ بھولنے کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے دین کو چھوڑ دیا یعنی اسلام کو ترک کر دیا،اسلام ہی کو بھول گئے اور گویا انہوں نے بچھڑے کی پرستش کو اسلام بنانے کی کوشش کی کہ یہ تھا تمہارا اصل طریقہ جس کو موسیٰ علیہ السلام نے بھلا دیا۔

(7)سامری اسلامی فرائض بھول گیا اور انہیں چھوڑ بیٹھا۔(السراج المنیر:1182/2)

سوال 2:بنی اسرائیل کے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگانے کا نتیجہ کیا نکلا؟

جواب:بنی اسرائیل نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر یہ الزام لگا دیا کہ وہ اپنے رب سے رابطہ نہیں رکھتے۔اس کی وجہ سے:

(1)بنی اسرائیل راستہ بھول گئے اور وہ رب تک پہنچ نہ پائے۔

(2)چالیس برس تک ان صحراؤں میں گھومتے رہے تھے۔وہ نسل صحرا سے نکل ہی نہیں سکی،منزل تک جا ہی نہیں سکی۔

(3)صحراؤں میں ان کی نئی پود پیدا ہوئی،پل بھر کر جوان ہوئی،ان کے اندر اخلاص اور ایمان آیا،وہ وہاں سے نکل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جہاد کیا اور یوں بنی اسرائیل کی نئی نسل کو غلامی سے نجات ملی لیکن یہ غلام کسی قابل نہ رہے۔

4 ع 13 13

﴿اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا﴾

''تو کیا وہ دیکھتے نہیں تھے کہ نہ وہ ان کی بات کا جواب دیتا ہے اور نہ ان کے کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہے اور نہ کسی نفع کا؟'' (89)

سوال: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی جہالت اور نادانی کو کیسے واضح فرمایا ہے، اس کی وضاحت ﴿اَفَلَا ... نَفْعًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے سوال کیا ہے: ﴿اَفَلَا يَرَوْنَ﴾ ''تو کیا وہ دیکھتے نہیں تھے'' یعنی کیا وہ بچھڑے پر غور و فکر نہیں کرتے؟

(2) ﴿اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا﴾ ''کہ نہ وہ ان کی بات کا جواب دیتا ہے'' یعنی نہ وہ ان سے کلام کر سکتا ہے نہ ان کی بات کا جواب دے سکتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔

(3) ﴿وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا﴾ ''اور نہ ان کے کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہے اور نہ کسی نفع کا؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کی عقل کیسے اندھی ہو گئی کہ انہیں یہ بھی نظر نہیں آتا کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا، نہ اُن کے نفع و نقصان کا کچھ اختیار رکھتا ہے۔ یعنی زندہ ہوتا تو ان کی بات سن کر حیوانوں کی طرح ہی جواب دے دیتا۔ لیکن یہ تو حیوانیت کے درجے سے بھی گرا ہوا ہے نہ ہل چلاتا ہے، نہ چکی پیستا ہے نہ اور کوئی نفع دے سکتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن کے شعور کو جھنجوڑا ہے کہ جو نہ نفع پہنچائے نہ نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتا ہو وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے؟ جب کہ معبود تو وہی ہو سکتا ہے جو ہر ایک کی فریاد سنے اور حاجات کو پورا کرے اور نفع و نقصان پر قادر ہو۔

(4) یہ ان کی کم عقلی اور حماقت تھی کہ انہوں نے گائے کے بچھڑے کو جو ایک دھات کا بنا ہوا تھا جس میں آواز پیدا ہو گئی تھی زمین اور آسمانوں کا الٰہ سمجھ لیا تھا۔ پس صرف وہی ہستی عبادت کی مستحق ہے جو کمال کلام اور افعال کی مالک ہو اور ایسی ہستی عبادت کیے جانے کا استحقاق نہیں رکھتی جو اپنے عبادت گزاروں سے بھی ناقص ہو کیونکہ عبادت گزار تو کلام کر سکتے ہیں اور بعض معاملات میں، اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی قدرت کے مطابق نفع و نقصان کا اختیار بھی رکھتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 1633/2)

(5) اللہ تعالیٰ ہی نفع و نقصان پہنچانے والا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ

”اور ہارون نے ان سے پہلے ہی کہا تھا: ”اے لوگو! یقیناً تم اس کی وجہ سے فتنے میں ڈالے گئے ہو اور یقیناً تمہارا رب تو رحمٰن ہے

فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ﴾

چنانچہ تم میری پیروی کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو“ (90)

سوال: سیدنا ہارون علیہ السلام نے لوگوں کو بچھڑے کی عبادت سے کیسے روکا تھا، اس کی وضاحت ﴿وَلَقَدْ... اَمْرِیْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ﴾ ”اور ہارون نے ان سے پہلے ہی کہا تھا“ سیدنا ہارون علیہ السلام کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام قوم کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سونپ کر گئے تھے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب قوم سامری کے پیچھے لگ کر بچھڑے کی عبادت کرنے لگ گئی تھی۔

(2)﴿يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ﴾ ”اے لوگو! یقیناً تم اس کی وجہ سے فتنے میں ڈالے گئے ہو“ سیدنا ہارون علیہ السلام نے انہیں بچھڑے کی پرستش سے روکا تھا اور ان سے پہلے ہی یہ بھی کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بچھڑے کی وجہ سے تمہیں آزمائش میں مبتلا کیا ہے۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ ہی کو معبود ماننے میں سچے ہو یا نہیں۔

(3) اس سے رب العزت نے ان پر یہ ثابت کیا ہے کہ بچھڑے کی عبادت کرنے میں اگر کوئی شبہ لاحق بھی ہوا تھا تو سیدنا ہارون علیہ السلام نے انہیں اس بارے میں آگاہ کر دیا تھا اور انہوں نے ان کی بات نہیں مانی تھی۔

(4)﴿وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ﴾ ”اور یقیناً تمہارا رب تو رحمٰن ہے“ سیدنا ہارون علیہ السلام نے ان کو بتا دیا تھا کہ تمہارا رب تم پر مہربان ہے جس نے تمہارے لیے ہر طرح کی نعمتیں جاری کر دی ہیں، وہی تمہیں کھلاتا اور پلاتا ہے، جب تم بیمار ہو جاؤ تمہیں شفا دیتا ہے اور تمہاری ظاہری اور باطنی ساری تکالیف کو دور کر کے تمہیں اپنی نعمتیں عطا کرتا ہے۔

(5)﴿فَاتَّبِعُوْنِیْ﴾ ”چنانچہ تم میری پیروی کرو“ یعنی ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور غیر اللہ کی عبادت ترک کرنے میں میری پیروی کرو۔ (ایسر التفاسیر: 899) (6) یعنی میرے دین کی پیروی کرو۔ (سمرقندی: 427/2)

(7)﴿وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ﴾ ”اور میرے حکم کی اطاعت کرو“ یعنی میری بات مانیں۔

﴿قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى﴾

”اُنہوں نے کہا: ”ہم تو اسی کی پرستش پر جمے رہنے والے ہیں یہاں تک کہ موسیٰ ہماری طرف لوٹ آئے“ (91)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

سوال: قوم موسیٰ نے سیدنا ہارون علیہ السلام کو جو جواب دیا تھا، اس کی وضاحت ﴿قَالُوْا ... مُوْسٰی﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ﴾ ''اُنہوں نے کہا: ''ہم تو اسی کی پرستش پر جمے رہنے والے ہیں'' بنی اسرائیل نے سیدنا ہارون علیہ السلام کو ملامت کرتے ہوئے جواب دیا: ہم بچھڑے کی عبادت نہیں چھوڑ سکتے۔

(2) ﴿حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى﴾ ''یہاں تک کہ موسیٰ ہماری طرف لوٹ آئے'' جب تک کہ موسیٰ علیہ السلام واپس آ کر اس بارے میں ہماری راہ نمائی نہیں کرتے۔

(3) اس طرح سیدنا ہارون علیہ السلام کی بات کی انہوں نے پرواہ نہیں کی۔ وجہ یہ تھی کہ بنی اسرائیل کو بچھڑا بہت اچھا لگتا تھا۔ اس لیے اس کی عبادت چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ زندگی میں ہر ایک کے لیے کوئی نہ کوئی بچھڑا ہوتا ہے جو اسے بہت اچھا لگتا ہے، یہ بچھڑا انسان کی خواہش ہی تو ہے جس کو انسان پوجتا ہے۔ دل پسند چیزوں کو اپنانا انسان اپنی مرضی خیال کرتا ہے۔ دل کی خوشی کے پیچھے بھاگنے والا انسان یہ نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم کیا ہے۔ رب العزت نے بنی اسرائیل کے واقعے سے یہ سمجھایا ہے کہ دیکھو کیسے انہوں نے بچھڑا پوجا تھا، کیسے انہوں نے ہارون کی بات کا انکار کیا تھا، ایسے ہی آج کی دنیا میں بھی حال ہے کہ لوگوں کو حق کی طرف بلاتے ہیں لیکن ان کی خواہش انہیں حق کی طرف پلٹنے نہیں دیتی۔ لوگ اسی طرح سے اپنی خواہش پر جمے رہنا چاہتے ہیں۔ خواہش کو چھوڑنا آسان بات نہیں ہے۔ جب تک ایمان مضبوط نہ ہو اور اللہ تعالیٰ سے گہرا تعلق نہ ہو تو انسان خواہشات کو پیچھے نہیں ڈال سکتا۔

﴿قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْا﴾

''موسیٰ نے کہا: ''اے ہارون! تم نے جب اُنہیں دیکھا کہ وہ گمراہ ہوئے تو کس چیز نے تمہیں روکا؟'' (92)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سیدنا ہارون علیہ السلام کا سختی سے محاسبہ کیوں کیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ... ضَلُّوْا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْا﴾ ''موسیٰ نے کہا: ''اے ہارون! تم نے جب اُنہیں دیکھا کہ وہ گمراہ ہوئے تو کس چیز نے تمہیں روکا؟'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب واپس تشریف لائے اور قوم میں شرک اور گمراہی کو پھیلے ہوئے دیکھا تو سخت غصے میں آ گئے۔

(2) انہیں یہ محسوس ہوا کہ شاید سیدنا ہارون علیہ السلام نے بھی چھوٹ دے دی ہو اور سمجھانے میں کمی کی ہو، اس لیے انہوں نے سیدنا ہارون علیہ السلام کا سختی سے محاسبہ کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(3) انہوں نے سیدنا ہارون علیہ السلام سے کہا کہ تم نے جب قوم کو گمراہ دیکھا تو مجھے خبر کیوں نہ کی کہ میں جلدی ان کے پاس آجاتا۔

﴿اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ﴾

''کہ تم میری پیروی نہ کرو، تو کیا تم نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟'' (93)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے محاسبہ کرتے ہوئے مزید کیا کہا، اس کی وضاحت ﴿اَلَّا ... اَمْرِيْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿اَلَّا تَتَّبِعَنِ﴾ ''کہ تم میری پیروی نہ کرو'' یعنی تم نے اور تمہارے ساتھ جو مسلمان تھے ان سب نے میری پیروی کیوں نہ کی اور مشرکوں کو چھوڑ کیوں نہیں دیا؟

(2) ﴿اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ﴾ ''تو کیا تم نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟'' کیا تو نے میرے اس حکم کی نافرمانی کی ہے کہ: ﴿اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ ''تم میری قوم میں میرے جانشین رہو اور اصلاح کرنا اور فساد کرنے والوں کے راستے کی پیروی نہ کرنا'' (الاعراف: 142)

(3) سیدنا ہارون علیہ السلام نے ان کی خیر خواہی کی تھی مگر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو قوم کی گمراہی کی اطلاع نہیں دی تھی جس کی وجہ سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا کہ تم نے اصلاح کرنے کے حکم کی نافرمانی کی ہے۔ دوسرا یہ کہ سیدنا ہارون علیہ السلام نے خود تو فساد کرنے والوں کے راستے کی پیروی نہیں کی تھی اور دوسروں کو روکا بھی تھا مگر قوم کو شرک اور گمراہی سے بچانے کے لیے محض اتنا ہی کافی نہیں تھا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو خبردار کرنا ضروری تھا۔

(4) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: ''جو امیر مسلمانوں کے کام کا والی ہو پھر وہ ان کے لیے محنت نہیں کرتا اور ان کا خیر خواہ نہیں وہ ان کے ساتھ بہشت میں داخل نہیں ہوگا۔'' (صحیح مسلم)

﴿قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ

''ہارون نے کہا: ''اے میری ماں کے بیٹے! تم میری داڑھی نہ پکڑو اور نہ ہی میرے سر کو، یقیناً میں اس سے ڈرا کہ تم کہو گے کہ

بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ﴾

تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور تم نے میری بات کا انتظار نہیں کیا'' (94)

سوال: سیدنا ہارون علیہ السلام نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جو جواب دیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ... قَوْلِيْ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ﴾ ''ہارون نے کہا: ''اے میری ماں کے بیٹے! تم میری

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

داڑھی نہ پکڑو اور نہ ہی میرے سر کو' سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سیدنا ہارون علیہ السلام کو داڑھی سے پکڑ لیا اور سر کے بال پکڑ کر کھینچے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام قوم کی اس حرکت سے سخت طیش میں تھے، فرطِ غضب میں انہوں نے سیدنا ہارون علیہ السلام سے بھی سختی کے ساتھ باز پرس کی، ہارون علیہ السلام نے کہا:

(2)﴿يَبْنَؤُمَّ﴾ ''اے میری ماں کے بیٹے!'' انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے رقت قلبی کی امید پر یہ فقرہ کہا تھا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ماں اور باپ دونوں طرف سے ان کے بھائی تھے۔ (تفسیر سعدی: 1634/2، 1635)

(3)﴿اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ ''یقیناً میں اس سے ڈرا کہ تم کہو گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی'' سیدنا ہارون علیہ السلام نے معقول عذر پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اس لیے آپ کو اس فتنے کی خبر نہیں دی کہ مجھے خیال آیا کہ اگر میں اس واقعے کی اطلاع دینے کے لیے آپ کے پاس جاتا تو آپ مجھ پر غصہ کرو گے کہ قوم کو چھوڑ کر کیوں آ گئے، تم نے ان میں پھوٹ کیوں ڈالی۔ (4) بنی اسرائیل اگر سیدنا ہارون علیہ السلام کو قتل کر دیتے تو ایک گروہ دوسرے کے خون کا پیاسا ہو جاتا۔ یوں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو جاتا۔

(5)﴿وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ﴾ ''اور تم نے میری بات کا انتظار نہیں کیا'' یعنی آپ کہو گے کہ تم نے میرے حکم کا خیال کیوں نہیں کیا تھا۔

(6) اس پر موسیٰ علیہ السلام کو بھائی کے ساتھ اپنے طرزِ عمل پر ندامت ہوئی کہ وہ اس سلوک کے مستحق نہ تھے، اس لئے دعا کی: ﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ ''اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے! اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر لے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔'' (الاعراف: 151) (تفسیر سعدی: 1634/2، 1635)

﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ﴾

''موسیٰ نے کہا: تو اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے؟'' (95)

سوال: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو کیسے مخاطب کیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ﴾ ''موسیٰ نے کہا: تو اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے؟'' سیدنا موسیٰ علیہ السلام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خود وہاں موجود نہ تھے اس لیے اصل صورت حال سے بے خبر تھے لیکن صورت حال پتہ چلنے پر اُن کا رُخ اصل مجرم کی طرف ہو گیا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ایک بڑے مجرم کی حیثیت سے سامری کو مخاطب کیا اور کہا کہ سامری تم بتاؤ تمہارا کیا معاملہ ہے؟ تمہیں بچھڑا بنانے کے لیے کس چیز نے آمادہ کیا؟ (2) قرآن نے یہاں خطب کا لفظ استعمال کیا ہے جو کسی ناگوار صورت حال کو دریافت کرنے کے لیے آتا ہے۔ (تیسیر القرآن: 80/3)

﴿قَالَ بَصُرۡتُ بِمَا لَمۡ يَبۡصُرُوۡا بِهٖ فَقَبَضۡتُ قَبۡضَةً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ

''اس نے کہا: ''میں نے وہ چیز دیکھی جس کو انہوں نے نہیں دیکھا، تو میں نے رسول کے نقش قدم سے ایک مٹھی اٹھائی،

فَنَبَذۡتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتۡ لِيۡ نَفۡسِيۡ﴾

پھر میں نے اس کو پھینک دیا اور اسی طرح میرے نفس نے میرے لیے خوش نما بنا دیا'' (96)

سوال 1: سامری نے موسیٰ علیہ السلام کو جو جواب دیا، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ... نَفۡسِيۡ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ بَصُرۡتُ بِمَا لَمۡ يَبۡصُرُوۡا بِهٖ﴾ ''اس نے کہا: ''میں نے وہ چیز دیکھی جس کو انہوں نے نہیں دیکھا'' سامری نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں نے سیدنا جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تھا جب کہ وہ گھوڑے پر سوار تھے۔

(2) ﴿فَقَبَضۡتُ قَبۡضَةً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ فَنَبَذۡتُهَا﴾ ''تو میں نے رسول کے نقش قدم سے ایک مٹھی اٹھائی، پھر میں نے اس کو پھینک دیا'' تو میں نے ان کے گھوڑے کے کھر کے نشان سے ایک مٹھی مٹی اٹھالی اور بنی اسرائیل کے زیورات پر ڈال دی اور اس سے بچھڑے کا بت بنایا جس کی آواز تھی۔

(3) سامری کے بقول سیدنا جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کی مٹی میں کچھ معجزانہ اثرات تھے جونہی اُسے زیورات یا بچھڑے پر ڈالا گیا تو اُس میں سے آواز آنے لگی جو سب کے لیے فتنے کا باعث بن گئی۔

(4) ﴿وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتۡ لِيۡ نَفۡسِيۡ﴾ ''اور اسی طرح میرے نفس نے میرے لیے خوش نما بنا دیا'' یعنی میرے نفس نے مجھے کچھ ایسے ہی سمجھایا تھا کہ میں مٹی کی مٹھی اٹھا کر زیورات پر ڈال دوں اس طرح سے وہ کچھ ہو گیا جو آپ کے سامنے ہے۔

﴿قَالَ فَاذۡهَبۡ فَاِنَّ لَكَ فِي الۡحَيٰوةِ اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَ اِنَّ لَكَ مَوۡعِدًا

''موسیٰ نے کہا کہ پھر جاؤ! تو یقیناً دنیا کی زندگی میں تمہاری یہی سزا ہے کہ تو کہتا رہے مجھے نہ چھونا اور یقیناً تیرے لیے ایک وعدہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ

ہے جو تجھ سے قطعاً ٹالا نہیں جائے گا اور اپنے معبود کو دیکھ جس پر تو مجاور بن بیٹھا تھا، ہم ضرور اسے جلا ڈالیں گے،

ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿

پھر ہم ضرور اسے سمندر میں اڑا دیں گے اچھی طرح اڑانا‘‘ (97)

سوال 1: سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو جو سزا سنائی، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ... نَسْفًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ﴾ ’’موسیٰ نے کہا‘‘ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے کہا۔ (2) ﴿فَاذْهَبْ﴾ ’’پھر جاؤ!‘‘ یعنی یہاں سے چلے جاؤ اور ہم سے دور ہو جاؤ۔ (3) ﴿فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ﴾ ’’تو یقیناً دنیا کی زندگی میں تمہاری یہی سزا ہے کہ تو کہتا رہے مجھے نہ چھونا‘‘ یعنی جیسے تم نے مٹی لی جس کا لینا اور چھونا تمہارے لیے درست نہیں تھا اسی طرح دنیا میں تیرے لیے سزا ہے کہ کہتے رہو ﴿لَا مِسَاسَ﴾ ’’مجھے نہ چھونا۔‘‘

(4) اب تمہارے لیے ایسی سزا ہے کہ کوئی تیرے قریب نہیں آئے گا اور اگر آئے گا بھی تو خود پکار اٹھو گے میرے قریب نہ آنا۔

(5) ﴿وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ﴾ ’’اور یقیناً تیرے لیے ایک وعدہ ہے جو تجھ سے قطعاً ٹالا نہیں جائے گا‘‘ یعنی تمہارے لیے وعدے کا وقت قیامت کا دن ہے جس سے نہ تو بچ سکتا ہے اور نہ چھوٹ سکتا ہے۔

(6) سامری نے قوم کو فریب اس لیے دیا تھا تاکہ وہ قوم کا محبوب بن جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے سب کا مبغوض بنا دیا۔

(7) ﴿وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا﴾ ’’اور اپنے معبود کو دیکھ جس پر تو مجاور بن بیٹھا تھا‘‘ یعنی اپنے بچھڑے کو تو دیکھو جسے تم نے معبود بنا لیا تھا، جس پر تم مجاور بن بیٹھے تھے کیا واقعی وہ عبادت کے لائق تھا۔

(8) ﴿لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا﴾ ’’ہم ضرور اسے جلا ڈالیں گے، پھر ہم ضرور اسے سمندر میں اڑا دیں گے اچھی طرح اڑانا‘‘ یعنی ہم اسے جلائیں گے اور وہ خود کو بچا نہیں سکے گا۔ پھر ہم اس کی راکھ کو بہائیں گے تو وہ اسے ضائع ہونے سے بچا نہیں پائے گا۔

سوال 2: بچھڑے کو کیوں جلا ڈالا گیا؟

جواب: بنی اسرائیل کے ذہن میں مشرکانہ مظاہر کی جو عظمت تھی اس کو ختم کرنے کے لیے لوگوں کے سامنے بچھڑے کو جلا ڈالا گیا اور اس کی خاک کو سمندر کی موجوں میں بہا دیا گیا۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ شرک کے آثار کو مٹا ڈالنا چاہیے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿اِنَّمَآ اِلٰـهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾

''یقیناً تمہارا معبود تو بس ایک ہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا علم ہر چیز پر وسیع ہے'' (98)

سوال: معبود تو صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس کی وضاحت ﴿اِنَّمَآ ... عِلْمًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّمَآ اِلٰـهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ ''یقیناً تمہارا معبود تو بس ایک ہی اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں'' رب العزت نے بچھڑے کی عبادت کے باطل ہونے کو واضح فرمایا کہ جلا ڈالا گیا تو خود کو بچا نہیں سکا دوسروں کو کیسے بچائے گا؟ یہاں واضح فرمایا کہ تمہارا معبود تو اللہ تعالیٰ ہے جو ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی یہ حق رکھتا ہے کہ اس سے محبت کی جائے، اسی سے خوف رکھا جائے، اسی سے امیدیں باندھی جائیں، اسی پر توکل کیا جائے اور اسی کے لیے عبادت کو خالص کیا جائے۔

(2) ﴿وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾ ''اس کا علم ہر چیز پر وسیع ہے'' اس کے علم نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''اور آپ کے رب سے نہ کوئی ذرہ برابر چیز زمین میں غائب ہوتی ہے اور نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر ایک واضح کتاب میں ہے۔'' (یونس:61)

(3) اس سے کائنات کا کوئی ذرہ چھپا ہوا نہیں۔ اور فرمایا: ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''اور غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، اس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا، اور وہ خشکی اور سمندر کی ہر چیز کو جانتا ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اسے بھی جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ نہیں گرتا اور نہ کوئی تر چیز اور نہ کوئی خشک چیز مگر سب کھلی کتاب میں ہے۔'' (الانعام:59)

﴿كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ

''اسی طرح ہم آپ کو ان کی کچھ خبریں بیان کرتے ہیں یقیناً جو پہلے گزر چکے اور یقیناً ہم نے آپ کو اپنے

لَّدُنَّا ذِكْرًا﴾

پاس سے ایک ''ذکر'' عطا کیا ہے'' (99)

سوال: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، اس کی وضاحت ﴿كَذٰلِكَ ... ذِكْرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:(1)﴿كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ﴾ ’’اسی طرح ہم آپ کو ان کی کچھ خبریں بیان کرتے ہیں یقیناً جو پہلے گزر چکے‘‘ رب العزت نے نبی ﷺ پر اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے وہ واقعات صاف صاف بیان کر دیے ہیں جو آل فرعون کے ساتھ پیش آئے تھے۔ اسی طرح ہم آپ ﷺ کو گزرے ہوئے واقعات اور قوموں کے حالات کا علم دے رہے ہیں۔ اس تاریخ کا علم آپ ﷺ نے کسی انسان سے حاصل نہیں کیا اور یہ دلیل ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے برحق رسول ہیں اور آپ ﷺ جو وحی لے کر آئے ہیں اس کی خبریں سچی ہیں۔

(2) یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ جیسے فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے اسی طرح پہلے نبیوں کے حالات ہم بیان کر رہے ہیں تاکہ آپ ﷺ باخبر رہیں۔ ان میں ذکر الٰہی ہے۔ ان میں سے عبرت کے پہلوؤں کو لوگوں کے سامنے رکھیں تاکہ وہ اپنی زندگی کے لیے صحیح طرز عمل اختیار کریں۔

(3)﴿وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا﴾ ’’اور یقیناً ہم نے آپ کو اپنے پاس سے عطا کیا ہے‘‘ یعنی ہم نے آپ ﷺ کو اپنی رحمت سے قرآن مجید عطا فرمایا۔

(4)﴿ذِكْرًا﴾ ’’ذکر‘‘ اس سے مراد قرآن کریم ہے جس میں تمام گزرے ہوئے اور آنے والے واقعات کی خبر دی گئی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے کامل اسماء وصفات کا ذکر ہے اور اس میں احکام امر و نہی اور احکام جزا کا تذکرہ ہے۔ یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ قرآن کریم بہترین احکام پر مشتمل ہے۔ عقل اور فطرت سلیم ان احکام کے حسن و کمال کی گواہی دیتی ہیں اور قرآن کریم آگاہ کرتا ہے کہ ان احکام میں کیا کیا مصالح پنہاں ہیں، اس لئے جب قرآن کریم رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے لئے تذکرہ ہے تب اس کو قبول کرنا، اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، اس کی اطاعت کرنا، اس کی روشنی میں صراط مستقیم پر گامزن ہونا اور اس کی تعلیم و تعلم واجب ہے اور اس سے روگردانی کے ساتھ پیش آنا یا اس کے ساتھ ایسا سلوک کرنا جو اس سے بھی زیادہ عمومیت کا حامل ہو، جیسے اس کی باتوں کا انکار کرنا تو یہ اس نعمت کی ناشکری ہے اور جو کوئی اس ناشکری کا ارتکاب کرتا ہے وہ سزا کا مستحق ہے۔ (تفسیر سعدی: 2/1636،1637)

(5) دیگر آیات میں بھی قرآن مجید کو ’’ذکر‘‘ کہا گیا جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۭ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ﴾ ’’اور یہ بڑا بابرکت ذکر ہے، ہم نے اسے نازل کیا ہے تو کیا تم اس کے منکر ہو؟‘‘ (الانبیاء: 50)

(6)﴿وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْــَٔــلُوْنَ﴾ ’’اور یقیناً وہ (قرآن) آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com

لیے واقعی ایک نصیحت ہے اور جلد ہی تم سے پوچھا جائے گا۔" (الزخرف:44)

(7)﴿مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ﴾ "اُن کے رب کی طرف سے کوئی بھی نیا ذکر اُن کے پاس نہیں آتا مگر وہ اُس کو مشقت سے سنتے ہیں اور وہ کھیل رہے ہوتے ہیں۔" (الانبیاء:2)

(8)﴿ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ﴾ "یہ ہے جو ہم پُرحکمت آیات اور نصیحت میں سے تم پر پڑھتے ہیں۔" (آل عمران:58)

(9)﴿وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ﴾ "اور انہوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر ذکر نازل کیا گیا ہے بلاشبہ تو یقیناً دیوانہ ہے۔" (الحجر:6)

(10)﴿ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ﴾ "ص۔ نصیحت والے قرآن کی قسم!" (ص:1)

(11)﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ "بے شک ہم ہی نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور بلاشبہ ہم ضرور اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" (الحجر:9)

(12)﴿كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ "یہ ایک بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ لوگ اُس کی آیات پر غور و فکر کریں اور عقل رکھنے والے اُس سے سبق لیں۔" (ص:29)

﴿مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِزْرًا﴾

"جو اس سے منہ موڑے گا تو یقیناً وہ قیامت کے دن ایک بڑا بوجھ اٹھائے گا" (100)

سوال: قرآن حکیم سے اعراض کرنے سے کیا مراد ہے، اس کی وضاحت ﴿مَنْ ۔۔۔ وِزْرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ﴾ "جو اس سے منہ موڑے گا" قرآن حکیم سے اعراض کرنے سے مراد اس پر ایمان نہ لانا اور جو کچھ اس میں ہدایات موجود ہیں اُن پر عمل نہ کرنا ہے۔

(2) یعنی جس نے قرآن مجید کو حقیر سمجھا یا اس کے احکامات کو ناقابل فہم اور ناقابل عمل سمجھا اور اس کا مذاق اڑایا۔

(3) یعنی اس کے حلال و حرام، اس کے اخلاق و آداب کا مذاق اڑایا۔ قرآن مجید کی جگہ کوئی اور راہ نمائی تلاش کرنے والا گمراہ ہو جائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے گناہوں کا بوجھ اٹھوائے گا۔

(4)﴿فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِزْرًا﴾ "تو یقیناً وہ قیامت کے دن ایک بڑا بوجھ اٹھائے گا" جس نے ہدایت سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منہ موڑا اور گمراہ ہو گیا اس نے دنیا اور آخرت کی نحوستیں سمیٹ لیں۔ یہ بوجھ کیسا بدترین بوجھ ہے! اس بوجھ کو اٹھانے والا قیامت کے دن جہنم کی آگ میں جائے گا جس سے وہ بچ نہیں پائے گا۔

﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ؕ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا﴾

''اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اور قیامت کے دن ان کے لیے ایک بڑا بوجھ ہوگا'' (101)

سوال: قرآن حکیم سے اعراض کرنے والوں کی سزا کی وضاحت ﴿خٰلِدِيْنَ ... حِمْلًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهِ﴾ ''اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں'' یعنی وہ آگ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔

(2) ﴿وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا﴾ ''اور قیامت کے دن ان کے لیے ایک بڑا بوجھ ہوگا'' جو قرآن سے روگردانی کرے گا وہ قیامت کے دن اپنے کندھے پر اس وبال کا بار اٹھائے گا۔

(3) جہنم کی آگ اور گناہوں کا بوجھ بدترین بوجھ ہے، الٰہی! ہمیں بچالے۔

﴿يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا﴾

''جس دن صور میں پھونکا جائے گا اور اس دن ہم اس حال میں مجرموں کو جمع کریں گے کہ وہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے'' (102)

سوال: صور کے بیان ﴿يَّوْمَ ... زُرْقًا﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ﴾ ''جس دن صور میں پھونکا جائے گا'' صور سے مراد وہ نرسنگا ہے جس میں سیدنا اسرافیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھونک ماریں گے، تو قیامت برپا ہو جائے گی۔

(2) ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ ''پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو اُس دن اُن کے درمیان کوئی قرابت داریاں نہ رہیں گی اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔'' (المؤمنون:101)

(3) سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھا صور کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ ایک نرسنگا ہے جس میں قیامت کے دن پھونکا جائے گا۔'' (ترمذی:2430)

(4) سیدنا ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں کیونکر آرام کر سکتا ہوں جب کہ صاحب قرن یعنی سیدنا اسرافیل علیہ السلام قرن کو منہ میں لئے ہوئے اور کان لگائے ہوئے ہیں کہ کب پھونکنے کا حکم ہو سو اس وقت پھونک دیں۔ صحابہ پر یہ حکم بہت سخت گزرا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم کہو ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا﴾

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''یعنی کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ، کیا ہی اچھا کارساز ہے اور ہم نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا۔'' (ترمذی:2431)

(5) ﴿وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا﴾ ''اور اس دن ہم اس حال میں مجرموں کو جمع کریں گے کہ وہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے'' خوف اور بے حد غم کی وجہ سے مجرموں کے چہرے نیلے ہو جائیں گے۔

﴿يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا﴾

''وہ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے کہ تم لوگ دنیا میں بس دس دن ہی رہے ہو'' (103)

سوال: قیامت کے دن دنیا کی زندگی بہت مختصر محسوس ہوگی، اس کی وضاحت ﴿يَّتَخَافَتُوْنَ...عَشْرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا﴾ ''وہ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے کہ تم لوگ دنیا میں بس دس دن ہی رہے ہو'' قیامت کے دن مجرم دہشت اور شدت ہول کی وجہ سے ایک دوسرے سے چپکے چپکے بات کریں گے۔ اس دن انہیں دنیا کی زندگی بہت مختصر محسوس ہوگی۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ﴾ ''اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسمیں کھائیں گے کہ وہ ایک گھڑی کے سوا نہیں ٹھہرے۔ اسی طرح وہ بہکائے جاتے تھے۔'' (الروم:55)

(3) اس سے ان کا مقصد بہت بڑی ندامت اور پشیمانی کا اظہار ہے کہ انہوں نے اوقات کثیرہ کیسے ضائع کر دیئے اور غفلت اور لہو ولعب میں ڈوب کر فائدہ مند اعمال سے اعراض کرتے ہوئے اور نقصان دہ اعمال میں پڑ کر ان اوقات کو گزار دیا۔ اب جزا کا وقت آ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوا اور اب ندامت، ہلاکت اور موت کی دعا کے سوا کچھ باقی نہیں۔

(4) جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِى الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿112﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿113﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿114﴾﴾ ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تم سالوں کی گنتی میں زمین میں کتنا رہے ہو؟'' وہ کہیں گے: ''ہم ایک دن یا اس دن کا کچھ حصہ رہے ہیں، پس آپ شمار کرنے والوں سے پوچھ لیں۔'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تم تھوڑی ہی مدت رہے ہو، کاش واقعی تم بات کو جانتے ہوتے!'' (المؤمنون:112-114)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا﴾

''ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہیں گے جب ان سب میں سے بہترین رائے والا کہے گا کہ تم صرف ایک دن ہی ٹھہرے ہو'' (104)

سوال: ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ ... يَوْمًا﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ﴾ ''ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہیں گے'' یعنی ان کے درمیان جو چپکے چپکے باتیں ہو رہی ہوں گی وہ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں۔

(2) ﴿اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا﴾ ''جب ان سب میں سے بہترین رائے والا کہے گا کہ تم صرف ایک دن ہی ٹھہرے ہو'' قیامت کے دن سب سے عقل مند آدمی یہ سمجھے گا کہ دنیا میں ایک دن ٹھہرے ہیں۔

(3) دنیا میں انسان یہ سمجھتا ہے کہ آخرت دُور کی چیز ہے اور قیامت آنے کے بعد انسان کو یہ لگے گا کہ زندگی بس چند روز کی تھی۔ کاش آج حقیقت کا سچا ادراک ہو جائے۔

﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا﴾

''اور وہ تم سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، چنانچہ آپ کہہ دیں میرا رب انہیں اڑا کر بکھیر دے گا'' (105)

سوال: قیامت کے دن پہاڑ بکھیر دیے جائیں گے، اس کی وضاحت ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ ... نَسْفًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ﴾ ''اور وہ تم سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں'' لوگوں نے نبی ﷺ سے سوال کیا تھا کہ جب قیامت آئے گی تو پہاڑ باقی رہیں گے یا نہیں۔

(2) ﴿فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا﴾ ''چنانچہ آپ کہہ دیں میرا رب انہیں اڑا کر بکھیر دے گا'' آپ فرما دیں کہ میرا رب انہیں ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دے گا۔

(3) قیامت کے دن اُونچے اُونچے پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں اور گرد و غبار کی طرح اُڑا دیئے جائیں گے۔ تیز ہوا پہاڑوں کو دھوئیں کی طرح اُڑا دے گی۔

(4) اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے کہ جن کو تم عظیم سمجھتے ہو ان کی عظمت تو دھواں ہو جانے والی ہے، بکھر جانے والی ہے۔ رب کے نزدیک ان کی کوئی حیثیت، کوئی اہمیت نہیں ہے۔

(5) ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ (۱۳) وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً (۱۴)﴾

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

"چنانچہ جب صور میں پھونکا جائے گا، ایک بار پھونکنا اور زمین اور پہاڑوں کو اُٹھایا جائے گا اور دونوں ٹکرا دیے جائیں گے، ایک ہی بار ٹکرا دینا۔" (الحاقہ:14،13)

(6)﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا﴾ "جس دن زمین اور پہاڑ کانپیں گے اور پہاڑ بھربھری ریت کے ٹیلے ہو جائیں گے۔" (المزمل:14)

(7)﴿يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ(۴) وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ(۵)﴾ "جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی مانند ہوں گے۔ اور پہاڑ دُھنکی ہوئی رنگین اُون کی طرح ہو جائیں گے۔" (القارعہ:5،4)

(8)﴿وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا﴾ "اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ سراب ہو جائیں گے۔" (النباء:20)

(9) اللہ تعالیٰ انسانی شعور کو کیسے دوڑاتا ہے کہ دیکھو یہ پہاڑ ہیں اور یہ پہاڑ اڑنے لگ گئے۔ دیکھو سارے ٹوٹ کر بکھر گئے، مٹی ہو گئے۔ ساری ہی زمین ہموار ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو جیتے جاگتے اس منظر میں لے جاتے ہیں جہاں پہاڑ ریزہ ریزہ ہو رہے ہیں۔

﴿فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا﴾

"پھر انہیں چٹیل میدان بنا کر چھوڑ دے گا" (106)

سوال: پہاڑوں کی بلندیوں کی جگہ کیا چیز لے لے گی، اس کی وضاحت ﴿فَيَذَرُهَا... صَفْصَفًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا﴾ "پھر انہیں چٹیل میدان بنا کر چھوڑ دے گا" پہاڑوں کی بلندیوں کی جگہ ہموار سیدھا میدان ہو گا۔ قاع چٹیل میدان کو کہتے ہیں اور صَفْصَفًا ہموار زمین کو کہا جاتا ہے۔ قَاعًا کے بعد صَفْصَفًا تاکید کے طور پر لایا گیا ہے۔

(2) زمین چٹیل میدان ہو جائے گی، اس میں کوئی ٹیلہ، غار اور نشیب و فراز نہیں ہو گا۔ وہ کامل طور پر ہموار ہو جائے گی۔

(3)﴿وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ﴾ "اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔" (الانشقاق:3)

(4)﴿وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا﴾ "اور جو بھی زمین پر ہیں بلاشبہ ہم اُسے ضرور صاف میدان بنا دینے والے ہیں۔" (الکہف:8)

(5) سیدنا سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے روز لوگ چمک دار، خاکستری رنگ کی صاف ستھری ٹکیہ جیسی زمین پر اکٹھے کیے جائیں گے جس پر کسی کے لیے کوئی نشانی یا نشیب و فراز نہیں ہو گا۔" (مسلم، کتاب صفات المنافقین)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا﴾

"آپ اس میں نہ کوئی ٹیڑھ دیکھیں گے اور نہ کوئی ٹیلہ" (107)

سوال: قیامت کے دن زمین کیسی ہوگی، اس کی وضاحت ﴿لَّا تَرٰى ... اَمْتًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا﴾ "آپ اس میں نہ کوئی ٹیڑھ دیکھیں گے اور نہ کوئی ٹیلہ" قیامت کے دن زمین ہموار اور یکساں نظر آئے گی، اس میں وادیاں اور بلند و پست مقامات نہیں ہوں گے۔

(2) سیدنا علی بن حسین رحمہ اللہ کہتے ہیں: "قیامت کے روز اللہ تعالیٰ زمین کو ایک ہموار چمڑے کی شکل میں کھینچ دیں گے اور اس پر آدمیوں میں سے ہر آدمی کو دو قدم رکھنے کی جگہ میسر آئے گی۔" (التذکرۃ القرطبی، ابواب الموت، باب این یکون الناس)

﴿يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ

"اس دن سب لوگ بلانے والے کے پیچھے چل پڑیں گے، کسی میں کوئی کجی نہ ہوگی اور آوازیں رحمٰن کے لیے دب جائیں گی،

فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا﴾

چنانچہ آپ سرسراہٹ کے سوا کچھ نہ سنیں گے" (108)

سوال: لوگ پکارنے والے کی آواز کی طرف دوڑیں گے، اس کی وضاحت ﴿يَوْمَئِذٍ ... هَمْسًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ﴾ "اس دن سب لوگ بلانے والے کے پیچھے چل پڑیں گے" جب لوگ دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے تو پکارنے والا ان کو جمع ہونے کے لئے پکارے گا اور وہ اس کی آواز پر لبیک کہیں گے۔

(2) قیامت کے دن لوگوں کے دل زمین کی طرح ہموار ہو جائیں گے۔ جب بھی بلانے والا بلائے گا بھیڑوں کے گلے کی طرح اس کے پیچھے چل دیں گے۔ سارے انسان ڈر سے، انحراف کیے بغیر اس کی طرف چل دیں گے۔ اس دن داعی سے اِدھر اُدھر نہ ہوں گے۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴿٦﴾ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ﴿٧﴾ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿٨﴾﴾ "چنانچہ آپ اُن سے منہ پھیر لیں۔ جس دن پکارنے والا ایک سخت ناگوار چیز کی طرف پکارے گا۔ ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی، وہ اپنی قبروں سے ایسے نکلیں گے گویا وہ منتشر ٹڈیاں ہوں۔ گردن اُٹھا کر پکارنے والے کی طرف دوڑنے والے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوں گے، کافر کہیں گے: ”یہ تو بڑا مشکل دن ہے۔“ (القمر:6-8)

(4) سیدنا معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تم لوگ اکٹھے کئے جاؤ گے بعض پیدل، بعض سوار اور بعض منہ کے بل گھسیٹے جائیں گے اس طرف“ اور آپ نے اپنے ہاتھ مبارک سے شام کی طرف اشارہ فرمایا۔ (صحیح الجامع الصغیر:2258)

(5) سیدہ میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ارض شام اکٹھے ہونے اور بکھرنے کی جگہ ہے۔“ (صحیح الجامع الصغیر:3620)

(6) ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ ”جس دن یہ زمین کسی اور زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور سب لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے، جو اکیلا ہے، بڑا زبردست ہے۔“ (ابراہیم:48)

(7) سیدنا مسروق رحمہ اللہ کہتے ہیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ﴾ ”جس روز زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی۔“ (ابراہیم:48) تو نبی کریم ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! اس وقت لوگ کہاں ہوں گے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”پل صراط پر۔“ (ترمذی:3121)

(8) ﴿لَا عِوَجَ لَهٗ﴾ ”اس کے لیے کوئی کجی نہ ہوگی“ یعنی پکارنے والے کی دعوت میں کوئی کجی نہ ہوگی بلکہ اس کی دعوت تمام خلائق کے لئے حق اور صدق پر مبنی ہوگی اور وہ پکار کر تمام خلائق تک اپنی آواز پہنچائے گا۔ تمام لوگ قیامت کے میدان میں حاضر ہوں گے اور رحمٰن کے سامنے ان کی آوازیں پست ہوں گی۔ (تفسیر سعدی:1639/2)

(9) ﴿وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ﴾ ”اور آوازیں رحمٰن کے لیے دب جائیں گی“ حشر کے میدان میں سب لوگوں کی آوازیں اپنے رب کے سامنے پست ہو جائیں گی۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ (٣٥) وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ (٣٦)﴾ ”یہ دن ہے جس میں وہ کچھ نہیں بولیں گے۔ اور نہ ہی انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ معذرت پیش کریں۔“ (المرسلات:35،36)

(10) ﴿فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا﴾ ”پھر تم سرسراہٹ کے سوا کچھ نہ سنو گے“ قیامت کے دن لوگوں کے قدموں کی آہٹ یا ہونٹوں کی حرکت سے پیدا ہونے والی بالکل آہستہ آواز سنائی دے گی۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ﴾ ”جس دن وہ آئے گا، کوئی شخص اس کی اجازت کے سوا کلام نہ کر سکے گا، چنانچہ ان میں کچھ بد بخت اور کچھ نیک بخت ہیں۔“ (ہود:105)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

(11) اس دن سب اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے منتظر ہوں گے۔ کوئی نہیں جانتا ہوگا کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ چہرے جھکے ہوئے ہوں گے۔ اللہ ذوالجلال کا نور پورے ماحول پر چھایا ہوا ہوگا۔ لوگ پکارنے والے کی آواز کے پیچھے چل دیں گے۔

(12) تم اس عظیم مقام پر دیکھو گے کہ دولت منداور فقراء، مرداور عورتیں، آزاد اور غلام، بادشاہ اور عوام سب نظریں نیچے کیے ساکت اور خاموش گھٹنوں کے بل گرے ہوئے اور گردنوں کو جھکائے ہوئے ہوں گے۔ کسی کو معلوم نہیں ہوگا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ ہر شخص اپنے باپ، بھائی اور دوست، یار کو بھول کر صرف اپنے معاملے میں مشغول ہوگا۔ ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيهِ ﴿٣٧﴾﴾ ''اس دن اُن میں سے ہر شخص کی ایسی حالت ہوگی جو اُسے (دوسروں سے) بے نیاز کردے گی۔'' (عبس: 37) حاکم عادل اس بارے میں فیصلہ کرے گا۔ نیکوکار کو اس کی نیکی کی جزا دے گا اور بدکار کو محروم کرے گا۔ رب کریم اور رحمٰن ورحیم پر امید یہ ہے کہ تمام خلائق اس کے ایسے فضل واحسان، عفوو درگزر اور بخشش کو دیکھے گی، زبان جس کی تعبیر سے قاصر اور فکر اس کے تصور سے بے بس ہے۔ تب تمام خلائق اس کی رحمت کی منتظر ہوگی مگر رحمت ان لوگوں کے لئے مختص ہوگی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔

(تفسیر سعدی: 2/1639،1640)

﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا﴾

''اُس دن سفارش فائدہ نہ دے گی مگر جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور اس سے بات کرنا پسند فرمائے گا'' (109)

سوال: قیامت کے دن کس کی سفارش نفع دے گی، اس کی وضاحت ﴿يَوْمَئِذٍ ... قَوْلًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا﴾ ''اُس دن سفارش فائدہ نہ دے گی مگر جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور اس سے بات کرنا پسند فرمائے گا'' یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے آگے اسی کی سفارش نفع دے گی جسے وہ اجازت دے دے اور اس کی بات سے راضی بھی ہو۔

(2) اللہ تعالیٰ کو کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ بندوں کے حالات سے باخبر ہے۔ خاص حالات میں کسی کی درخواست اللہ تعالیٰ قبول کرنا چاہیں گے تو اس کے لیے موقع دیں گے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿رَّبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَٰنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿٣٧﴾ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾﴾ ''جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے۔ وسیع رحمت والا ہے، کسی کو اُس سے بات کرنے کی قدرت نہ ہوگی۔ جس دن جبریل اور فرشتے صف بستہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کھڑے ہوں گے کوئی بات نہیں کرے گا مگر جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور وہ درست بات کہے گا۔" (النباء:38,37)

(3)﴿اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا﴾ "مگر جس کو رحمٰن اجازت دے گا اور اس سے بات کرنا پسند فرمائے گا" یعنی اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اس کے ہاں سفارش نہیں کر سکے گا اور وہ صرف اس شخص کے لئے سفارش کی اجازت دے گا جس کے لئے وہ راضی ہوگا یعنی انبیاء و مرسلین اور مقرب بندے۔ صرف ان لوگوں کے لئے سفارش کی اجازت ہوگی جن کی باتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی اور وہ صرف مخلص مومن ہیں۔ اگر ان میں سے ایک شرط بھی معدوم ہوگی تو کسی کے لئے کسی کی سفارش قبول نہ ہوگی۔ (تفسیر سعدی:1641,1640/2)

(4) قیامت کے دن اصل اہمیت اس چیز کی ہوگی کہ کون کیا لے کر آیا ہے، جنہوں نے اپنے رب کو پہچانا، اپنی زندگی کو اس کے احکامات کے مطابق ڈھالا وہی لوگ یہ حق رکھیں گے کہ اگر ان کے اعمال میں کسی قسم کی کمی ہوگی تو وہ شفاعت سے پوری کر دی جائے گی۔

(5)﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى﴾ "اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی کام نہیں آسکتی مگر اُس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اجازت دے جس کے لیے چاہے اور پسند کرے۔" (النجم:26)

(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ﴾ "وہ جانتا ہے جو اُن کے سامنے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے اور وہ سفارش نہیں کرتے مگر اس کے لیے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرے اور وہ اس کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔" (الانبیاء:28)

(7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ہر نبی کے لئے ایک دعا ہوتی ہے جو ضرور قبول کی جاتی ہے۔ تو ہر نبی نے جلدی کی کہ اپنی اس دعا کو (دنیا ہی میں) مانگ لیا ہے اور میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے سنبھال رکھا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میری شفاعت میری امت کے ہر اس آدمی کے لیے ہوگی جو اس حال میں مر گیا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو۔" (صحیح مسلم:491)

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا﴾

"وہ سب جانتا ہے جو اُن کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ سب علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے" (110)

سوال 1: اللہ تعالیٰ کا علم سب پر محیط ہے، اس کی وضاحت ﴿يَعْلَمُ ... عِلْمًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: (1)﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ﴾ ''وہ سب جانتا ہے جو اُن کے آگے ہے'' قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس سے مراد ہے کہ وہ قیامت کے معاملے کو جانتا ہے۔ (جامع البیان: 235/16)

(2)﴿وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ ''اور جو ان کے پیچھے ہے'' اور ان کے دنیا کے معاملات کو جانتا ہے۔ (جامع البیان: 235/16)

(3) اللہ تعالیٰ سب اگلے پچھلے حالات جانتا ہے۔ اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ وہ اپنے علم سے تمام مخلوق کو گھیرے ہوئے ہے اور اس کے علم کے دائرے میں کائنات کا ایک ایک فرد بند ہے۔

(4)﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا﴾ ''اور وہ سب علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے'' یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ (جامع البیان: 235/16)

سوال 2: اللہ تعالیٰ کے علم کا شفاعت کے ساتھ تعلق واضح کریں؟

جواب: کسی کے علم ہی کی وجہ سے سفارش کے مستحق ہونے نہ ہونے کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم کلی ہے، اس لیے شفاعت کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کریں گے کہ کون کس کے حق میں شفاعت کرے۔

﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَقَدْ خَابَ

''اور تمام چہرے اُس زندہ رہنے والے اور قائم رہنے والے کے سامنے جھک جائیں گے اور یقیناً نامراد ہوا

مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا﴾

جس نے بڑے ظلم کا بوجھ اُٹھایا'' (111)

سوال 1: لوگوں کے سرحی وقیوم کے سامنے جھک جائیں گے، اس کی وضاحت ﴿وَعَنَتِ... الْقَيُّوْمِ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ﴾ ''اور تمام چہرے اُس زندہ رہنے والے اور قائم رہنے والے کے سامنے جھک جائیں گے'' قیامت کے دن اللہ ذوالجلال کا خوف لوگوں پر چھایا ہوا ہوگا۔ کوئی اس کی اجازت کے بغیر سفارش نہیں کر سکے گا۔ ظالم اپنا بوجھ اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ تمام لوگ سہمے ہوئے ہوں گے اور آوازیں رحمٰن کے آگے دب جائیں گی۔ اہل ایمان کو یہ خوف نہ ہوگا کہ اعمال میں سے کچھ کم کیا جائے گا۔ الحمد للہ

(2)﴿لِلْحَيِّ﴾ ''زندہ رہنے والے'' جو فوت نہیں ہوتا ﴿الْقَيُّوْمِ﴾ ''قائم رہنے والے'' جو ہمیشہ رہنے والا ہے اور کبھی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

نہیں سوتا۔ وہ ہر چیز پر نگہبان ہے، ہر چیز کی تدبیر و حفاظت فرماتا ہے، وہ اپنی ذات میں کامل ہے، ہر چیز اُس کی محتاج ہے اور صرف اسی کے سہارے قائم ہے۔ (المصباح المنیر: 4/80)

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن لوگ پسینے میں شرابور ہو جائیں گے اور حالت یہ ہو جائے گی کہ تم میں سے ہر کسی کا پسینہ زمین پر ستر ہاتھ تک پھیل جائے گا اور منہ تک پہنچ کر کانوں کو چھونے لگے گا۔'' (صحیح بخاری: 6532)

(4) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''لوگ قیامت کے دن ننگے پاؤں، ننگے بدن اور ختنہ کے بغیر اکٹھے کئے جائیں گے۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا سب مرد اور عورتیں ایک دوسرے کی طرف نہیں دیکھیں گے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! وہ دن اس قدر سخت ہوگا کہ کسی کو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کا ہوش نہ ہوگا۔'' (مسلم، کتاب الجنۃ وصفتہ)

سوال 2: ظالم نامراد ہوگا، اس کی وضاحت ﴿وَقَدْ ... ظُلْمًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا﴾ ''اور یقیناً نامراد ہوا جس نے بڑے ظلم کا بوجھ اُٹھایا'' جس نے اپنے اوپر ظلم کیا وہ قیامت کے دن تباہ اور نامراد ہو گیا۔

(2) وہ شخص مکمل نامراد ہوگا جو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے کہ وہ شرک کرنے والا ہو جیسا کہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ﴾ ''بے شک شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے'' (لقمان: 13)

(3) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ظلم قیامت کے دن اندھیرے ہوں گے۔'' (صحیح بخاری: 2447)

(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن ہر صاحب حق کو اس کا حق دلایا جائے گا حتیٰ کہ اگر ایک سینگ والی بکری نے بغیر سینگ والی بکری پر ظلم کیا ہوگا، تو اس کا بدلہ بھی دیا جائے گا۔'' (مسلم: 2582)

(5) سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! ظلم سے بچو، کیونکہ ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کا سبب ہوگا۔'' (مسلم: 2578)

(6) اس موقعے پر لوگ دو اقسام میں منقسم ہوں گے۔ (i) اپنے کفر کی وجہ سے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے، جنہیں ناکامی، حرماں نصیبی، جہنم میں دردناک عذاب، اور اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

(ii) وہ لوگ جو ان امور پر ایمان لائے جن پر ایمان لانے کے لئے ان کو حکم دیا گیا، نیک عمل کرتے رہے یعنی واجبات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وستحبات پر عمل پیرا رہے۔ (تفسیر سعدی:1641/2)

﴿وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلۡمًا وَّلَا هَضۡمًا﴾

''اور جو نیک عمل کرے گا اور وہ مومن بھی ہو تو نہ وہ کسی ناانصافی سے ڈرے گا اور نہ کسی حق تلفی سے'' (112)

سوال: ایمان لا کر نیک عمل کرنے والوں کی جزا کی وضاحت ﴿وَمَنۡ ... هَضۡمًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ایمان لا کر عمل کرنے والوں کو نہ ناانصافی کا ڈر ہوگا نہ حق تلفی کا۔ رب العزت نے فرمایا:

(2) ﴿وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ﴾ ''اور جو نیک عمل کرے گا اور وہ مومن بھی ہو'' یعنی جو اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ فرائض ادا کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ایمان کے ساتھ نیک اعمال کو قبول کرتا ہے۔

(3) ایمان اطاعت کی صحت اور نیکیوں کی قبولیت کی شرط ہے۔ (تفسیر ابی سعود:311/4)

(4) ﴿فَلَا يَخٰفُ ظُلۡمًا﴾ ''تو نہ وہ کسی ناانصافی سے ڈرے گا'' یعنی اس کے گناہوں میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔

(5) ظلم کا مطلب ہے کہ جو گناہ خود نہیں کیے ان کا بوجھ بھی اٹھانا پڑ جائے۔ قیامت کے دن دوسروں کے گناہوں کا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔

(6) ﴿وَّلَا هَضۡمًا﴾ ''اور نہ کسی حق تلفی سے'' یعنی نہ اس کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی بلکہ اس کے گناہوں کو بخش دیا جائے گا، اس کے عیوب کو پاک کر دیا جائے گا اور اس کی نیکیوں میں کئی گنا اضافہ کر دیا جائے گا۔ فرمایا: ﴿وَاِنۡ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفۡهَا وَيُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡهُ اَجۡرًا عَظِيۡمًا﴾ ''اور اگر ایک نیکی ہو تو اس کو دو گنا بڑھا کر دے گا اور اپنے پاس سے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا'' (النساء:40) (تفسیر سعدی:1641/2)

(7) ﴿فَكَيۡفَ اِذَا جَمَعۡنٰهُمۡ لِيَوۡمٍ لَّا رَيۡبَ فِيۡهِ وَوُفِّيَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُوۡنَ﴾ ''تو کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اس دن کے لیے اکٹھا کریں گے جس میں کوئی شک نہیں اور ہر جان کو اُس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا'' (آل عمران:25)

(8) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حکم ہوگا کہ واپس جاؤ اور جہنم سے ان لوگوں کو بھی نکال لاؤ جن کے دل میں ایک دینار کے برابر بھی ایمان ہو، چنانچہ وہ بہت سے لوگوں کو نکال لائیں گے اور کہیں گے، اے ہمارے رب! جن کو نکالنے کا تو نے حکم دیا تھا ہم نے ان سب کو نکال لیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: پھر واپس جاؤ اور جس کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دل میں آدھے دینار کے برابر بھی ایمان ہوا سے بھی نکال لاؤ۔ چنانچہ وہ بہت سے لوگوں کو نکال لائیں گے اور کہیں گے، اے ہمارے رب! جن کو نکالنے کا تو نے حکم دیا تھا ہم ان سب کو نکال لائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پھر حکم دے گا کہ واپس جاؤ اور جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر بھی ایمان ہوا سے بھی نکال لاؤ۔ چنانچہ وہ بہت سے لوگوں کو نکال لائیں گے اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم ان سب کو نکال لائے ہیں جن کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان تھا۔'' (مسلم:183، بخاری:7439)

﴿وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّ صَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ

''اور اسی طرح ہم نے اسے قرآنِ عربی بنا کر نازل کیا ہے اور اس میں ہم نے ہر حکم سے طرح طرح کی کچھ وعیدیں بیان کی ہیں،

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا﴾

شاید کہ لوگ ڈر جائیں یا وہ (قرآن) ان کے لیے کوئی نصیحت پیدا کردے'' (113)

سوال: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فصیح عربی زبان میں نازل فرمایا، اس کی وضاحت ﴿وَ كَذٰلِكَ ... ذِكْرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا﴾ ''اور اسی طرح ہم نے اسے قرآنِ عربی بنا کر نازل کیا ہے'' یعنی اسی طرح رب العزت نے واضح فرمایا ہے کہ جب جزا کا دن آنا برحق ہے وہ آ کر ہی رہے گا تو اس کے لئے ہم نے قرآن اتارا ہے جو فصیح عربی زبان میں ہے۔ اس زبان میں کسی بات کو بیان کرنے میں مشکل پیش نہیں آتی۔

(2) یعنی ہم نے اس کتاب کو فضیلت والی عربی زبان میں نازل کیا ہے جس کو تم خوب سمجھتے ہو اور اس میں کامل تفقہ رکھتے ہو اور اس کے الفاظ و معانی تم پر مخفی نہیں ہیں۔ (تفسیر سعدی:1641/2)

(3) قرآن حکیم انسانی زبان میں ہے اور اُن لوگوں کی زبان میں ہے جو قرآن حکیم کے اول مخاطبین تھے۔ اس زبان کو اللہ تعالیٰ نے زندہ زبان بنا کر اپنی ہدایت کو ہر زمانے کے انسانوں کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔

(4) ﴿وَّ صَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ﴾ ''اور اس میں ہم نے ہر حکم سے طرح طرح کی کچھ وعیدیں بیان کی ہیں'' اس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو طرح طرح سے اپنے عذاب سے ڈرایا ہے تاکہ وہ گناہ اور بے حیائی کے کاموں سے بچ جائیں۔

(5) یعنی اس کتاب میں ہم نے وعید کو بہت سی انواع کے ذریعے بیان کیا ہے۔ کبھی تو ان اسماء کے ذریعے سے بیان کیا ہے جو عدل و انتقام پر دلالت کرتے ہیں، کبھی اس عبرت ناک عذاب کے ذکر کے ذریعے سے اس وعید کو بیان کیا جو گزشتہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

قوموں پر نازل ہوا اور حکم دیا کہ آنے والی امتیں اس سے عبرت حاصل کریں اور کبھی گناہوں کے آثار اور ان سے پیدا ہونے والے عیوب کو بیان کر کے اس وعید کا ذکر کیا ہے۔ کبھی قیامت کی ہولناکیوں اور اس کے دل کو ہلا دینے والے مناظر کو بیان کر کے اس وعید کا ذکر کیا۔ کبھی جہنم کے مناظر اور اس میں دیئے جانے والے مختلف انواع کے عذاب اور عقوبتوں کا ذکر کر کے اس وعید کو بیان کیا ہے۔ (تفسیر سعدی:1641/2)

(6)﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾ ''شاید کہ لوگ ڈر جائیں'' یعنی تا کہ وہ شرک سے اجتناب کریں، گناہوں، حرام کاموں اور بے حیائیوں کو چھوڑ دیں۔

(7)﴿أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا﴾ ''یا وہ (قرآن) ان کے لیے کوئی نصیحت پیدا کر دے'' یعنی قرآن مجید ان کے اندر غور وفکر کی صلاحیت پیدا کر دے، وہ فرماں بردار بن جائیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔

(8)(i) تنبیہات کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے اندر نیکی کا جوش پیدا ہو اور اطاعت اور قرب کا شوق پیدا ہو۔ (ii) پچھلی قوموں کے حالات سے تنبیہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جھٹلانے والے ڈر جائیں اور حالات وواقعات سے عبرت حاصل کریں۔

﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ

''پس اللہ تعالیٰ بے حد بلند ہے، بادشاہِ حقیقی ہے، اور آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کریں، اس سے پہلے کہ آپ کی طرف اس کی وحی

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا﴾

پوری کی جائے اور آپ دُعا کریں اے میرے رب! مجھے علم میں زیادہ کر!'' (114)

سوال 1:﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1)﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ﴾ ''پس اللہ تعالیٰ بے حد بلند ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ کی شان بلند ہے۔ وہ ہر نقص سے پاک ہے۔ وہ برتر اور اعلیٰ ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ کی ذات بلند، اُس کی شان بلند، اُس کی صفات بلند، اُس کے اختیارات بلند، اُس کے فیصلے بلند، اُس کے سامنے مخلوق جھک جاتی ہے۔

(3)﴿الْمَلِكُ الْحَقُّ﴾ ''بادشاہِ حقیقی ہے'' وہ حقیقی بادشاہ ہے، اقتدار اس کا، بادشاہی اس کی، اس کے احکامات نافذ ہیں۔ اس کی تقدیر بندوں پر نافذ ہے۔ مخلوق اس کی غلام ہے، اس کی شریعت کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کی پابند ہے اور اسی کا حساب کتاب ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(4) اس کا وجود، اس کا اقتدار اور اس کا کمال سب حق ہے۔ پس صفات کمال کی مالک صرف ایسی ہستی ہو سکتی ہے جو ذی جلال ہو اور اس میں اقتدار بھی شامل ہے۔ بعض اوقات اس کے سوا مخلوق بھی بعض اشیاء پر اقتدار اور اختیار رکھتی ہے مگر یہ اقتدار ناقص اور باطل ہے جو زائل ہو جانے والا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لیے بادشاہ حقیقی، جلال کا مالک اور قائم و دائم رہنے والا ہے۔ (تفسیر سعدی:1642/2)

(5) اللہ تعالیٰ اس کائنات کی اصل سچائی ہے۔ اُسی کی بات سچی، اسی کا وعدہ سچا، اسی کی وعید سچی، اسی کی جنت حق اور اسی کی دوزخ حق ہے۔

سوال 2: نزول قرآن کے وقت اسے پڑھنے میں جلدی نہ کریں، اس کی وضاحت ﴿وَلَا تَعْجَلْ...وَحْيُهٗ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ﴾ "اور آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کریں، اس سے پہلے کہ آپ کی طرف اس کی وحی پوری کی جائے" یعنی جب تک وحی پوری نہ ہو جائے آپ ﷺ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کریں۔ جیسا کہ رب العزت نے سورہ القیامہ میں فرمایا: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ (16) اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (17) فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ (18) ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (19)﴾ "آپ اپنی زبان کو اس کے ساتھ حرکت نہ دیں کہ اُس میں جلدی کریں یقیناً اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔ تو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اُس کے پڑھنے کی پیروی کرو پھر یقیناً ہم ہی پر ہے اس کا بیان کرنا بھی۔" (القیامہ:16-19)

(2) سیدنا جبریل علیہ السلام جب وحی لے کر آتے اور اُسے پڑھ کر سناتے تو نبی ﷺ ان کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے کہ کہیں کوئی حصہ بھول نہ جائیں اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور تلقین کی کہ غور سے سُنیں۔ اُس کو پڑھوانا اور یاد کروا دینا ہماری ذمہ داری ہے۔

(3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورہ القیامہ میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ﴾ کے متعلق فرمایا کہ وحی نازل ہوتی تو نبی کریم ﷺ پر اس کا بہت بار پڑتا اور آپ ﷺ اپنے ہونٹ ہلاتے۔ سعید نے کہا مجھ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں تمہیں ہلا کر دکھاتا ہوں جس طرح نبی کریم ﷺ ہلاتے تھے۔ سعید نے کہا جس طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما ہونٹ ہلا کر دکھاتے تھے، میں تمہارے سامنے اسی طرح ہلاتا ہوں چنانچہ انہوں نے اپنے ہونٹ ہلائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس آیت کے اترنے کے بعد جب سیدنا جبریل علیہ السلام آتے اور قرآن سناتے تو آپ ﷺ کان لگا کر سنتے۔ جب جبریل علیہ السلام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چلے جاتے تو آپ ﷺ لوگوں کو اسی طرح پڑھ کر سنا دیتے جیسے جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو پڑھ کر سنایا تھا۔'' (صحیح بخاری: 7524)

(4) اس آیت کریمہ سے حصول علم کے آداب اخذ کئے جاتے ہیں۔ علم کی سماعت کرنے والے کے لئے مناسب ہے کہ صبر سے کام لے یہاں تک کہ املا کرانے والا اور معلم اپنے کلام سے فارغ ہو جائیں جو لگا تار اور مسلسل ہے۔ اگر ذہن میں کوئی سوال ہے تو وہ اس وقت کیا جائے جب معلم فارغ ہو جائے۔ معلم کی قطع کلامی اور سوال کرنے میں عجلت سے باز رہے کیونکہ یہ حرماں نصیبی کا سبب ہے۔ اسی طرح مسئول کے لئے مناسب ہے کہ وہ سائل کے سوال کو لکھ لے اور جواب دینے سے قبل سائل کے مقصود کو اچھی طرح سمجھ لے، کیونکہ یہ صحیح جواب کا سبب ہے۔ (تفسیر سعدی: 1643)

سوال 3: نبی ﷺ کو علم میں اضافے کی جو دعا سکھائی گئی، اس کی وضاحت ﴿وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ ''اور آپ دُعا کریں اے میرے رب! مجھے علم میں زیادہ کر'' یہاں علم سے مراد قرآن مجید اور حدیث رسول کا علم ہے۔ نبی کریم ﷺ کو وحی و رسالت کے علم میں اضافے کی دُعا کا حکم دیا گیا۔ قرآن و حدیث کے علم سے انسان کا تعلق رب سے قائم ہوتا ہے۔ اس علم سے انسان کے اخلاق و کردار کی اصلاح ہوتی ہے۔ اس علم سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور غضب کا پتہ چلتا ہے۔

(2) کسب معاش کے لیے دیگر اشیاء کا علم جو انسان حاصل کرتا ہے وہ فن ہیں، ہنر ہیں، صنعت و حرفت ہیں۔

(3) قرآن مجید پڑھنے میں جلدی کی وجہ یہ خوف تھا کہ کہیں علم چلا نہ جائے۔ اس لیے آپ ﷺ کو علم میں اضافے کی دُعا سکھائی گئی۔

(4) چونکہ وحی کو اخذ کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ کی عجلت دلالت کرتی ہے کہ آپ علم کے ساتھ کامل محبت رکھتے تھے اور اس کے حصول کے بے حد خواہش مند تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ وہ اپنے لئے زیادہ علم کی دعا کریں کیونکہ علم بھلائی ہے اور بھلائی کی کثرت مطلوب ہے اور یہ کثرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے اور اس کے حصول کا راستہ کوشش، شوق علم، اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا، اس سے مدد مانگنا اور ہر وقت اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا محتاج سمجھنا ہے۔

(تفسیر سعدی: 2/1642)

(5) علم میں اضافے کی دعا سے یہ پتہ چلتا ہے کہ: (i) علم تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔

(ii) اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم نفع مند ہے۔ وہی پھلنے پھولنے والا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(iii) اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم ہی قائم رہنے والا ہے۔(iv) اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم ضائع نہیں ہوگا۔

(6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ یہ دعا مانگتے تھے: ﴿اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي وَعَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي وَزِدْنِي عِلْمًا﴾ "یا اللہ! مجھے فائدہ دے اس علم سے جو تو نے مجھے سکھایا اور مجھے وہ علم سکھا دے جو مجھے فائدہ دے اور میرے علم میں اضافہ فرما۔" (سنن ابن ماجہ:3833)

(7) رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ "آپ کہہ دیں کہ کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے، برابر ہو سکتے ہیں۔" (الزمر:9)

(8) ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ "اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے درجات بلند کرے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور جن کو علم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا۔" (المجادلہ:11)

(9) سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے جس علم و ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے اس کی مثال زبردست بارش کی سی ہے جو زمین پر (خوب) برسے۔ بعض زمین جو صاف ہوتی ہے وہ پانی کو پی لیتی ہے اور بہت بہت سبزہ اور گھاس اگاتی ہے اور بعض زمین جو سخت ہوتی ہے وہ پانی کو روک لیتی ہے اس سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، وہ اس سے سیراب ہوتے ہیں اور سیراب کرتے ہیں۔ اور کچھ زمین کے بعض خطوں پر پانی پڑتا ہے جو بالکل چٹیل میدان ہوتے ہیں، نہ پانی روکتے ہیں اور نہ ہی سبزہ اگاتے ہیں تو یہ اس شخص کی مثال ہے جو دین میں سمجھ پیدا کرے اور اس کو وہ چیز نفع دے جس کے ساتھ میں مبعوث کیا گیا ہوں اس نے علمِ دین سیکھا اور سکھایا اور اس شخص کی مثال جس نے سر نہیں اٹھایا (یعنی توجہ نہیں کی) اور جو ہدایت دے کر میں بھیجا گیا ہوں اسے قبول نہیں کیا۔" (صحیح بخاری:79)

ع 6 11 15

﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾

"اور اس سے پہلے آدم کو ہم نے تاکید کی تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں ارادے کی پختگی نہ پائی" (115)

سوال 1: یہاں قصہ آدم کس مناسبت سے لایا گیا اور سیدنا آدم علیہ السلام سے کون سا عہد لیا گیا تھا جسے وہ بھول گئے، اس کی وضاحت ﴿وَلَقَدْ ... عَزْمًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) (i) یہاں قصہ آدم علم اور نسیان علم کی مناسبت سے لایا گیا۔ (ii) رسول اللہ ﷺ اخذ وحی میں نسیان کے خوف سے جلدی کرتے تھے یہاں اس واقعے میں بتایا گیا کہ آدم علیہ السلام سے غلطی بھی بھول کی وجہ سے ہوئی۔

(2) اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ جنت میں سے جو جی چاہے کھائیں مگر ایک درخت کا پھل نہ کھائیں لیکن وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھول گئے۔

(3)﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ﴾ ''اور اس سے پہلے آدم کو ہم نے تاکید کی تو وہ بھول گیا'' یعنی ہم نے آدم علیہ السلام کو وصیت کی، اسے حکم دیا اور اس سے عہد لیا کہ وہ اس پر قائم رہے۔ اس نے اس وصیت کا التزام کیا، اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور اس کو قائم کرنے کا عزم کیا مگر اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی وصیت کو بھول گیا اور اس کا مضبوط عزم ٹوٹ گیا تب اس سے ایسی لغزش صادر ہوئی جسے سب جانتے ہیں۔ پس وہ اپنی اولاد کے لئے عبرت بن گیا اور اولادِ آدم کی طبیعت اور فطرت آدم علیہ السلام کی طرح ہوگئی، آدم علیہ السلام سے بھول ہوگئی، اس کی اولاد بھی نسیان کا شکار ہوگئی، آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی اور اولاد بھی غلطی کا ارتکاب کرتی ہے۔ (تفسیر سعدی: 1643/2)

(4)﴿مِنْ قَبْلُ﴾ ''اس سے پہلے'' اس سے مراد ہے کہ جیسے اب قرآن میں طرح طرح کی وعیدوں سے سمجھا رہے ہیں اسی طرح پہلے آدم کو بھی سمجھایا تھا۔

(5)﴿فَنَسِيَ﴾ ''تو وہ بھول گیا'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: انسان کو انسان اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے عہد لیا گیا اور وہ بھول گیا۔ (سراج المنیر: 1190/2) (6) نسیان ہی ارادے کی کمزوری کا سبب بنتا ہے۔

(7) اہل عرب نسیان سے مراد چھوڑ دینا لیتے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴾ ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''اسی طرح ہماری آیات تمہارے پاس آئی تھیں تو تو نے انہیں بھلا دیا اور اسی طرح آج تو بھلایا جا رہا ہے۔'' (طٰہٰ:126)

(8)﴿الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ﴾ ''جن لوگوں نے اپنے دین کو دل لگی اور کھیل بنایا تھا اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا تو آج ہم بھی انہیں بھلائے دیتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور جیسا کہ وہ ہماری آیات کا انکار کیا کرتے تھے۔'' (الاعراف:51)

(9)﴿فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ''سو اب مزہ چکھو کیونکہ تم نے اپنے اُس دن کی ملاقات کو بھلا دیا ہم نے بھی یقیناً تمہیں بھلا دیا ہے اور ہمیشہ کے عذاب کا مزہ چکھو اس وجہ سے جو تم عمل کیا کرتے تھے۔'' (السجدہ:14)

(10)﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ ''اور تم اُن جیسے نہ بن

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جاؤ جو اللہ تعالیٰ کو بھول گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی جانیں بھلا دیں، یہی لوگ نافرمان ہیں۔" (الحشر:19)

(11) رب العزت نے دعا سکھائی ہے: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۗ وَاغْفِرْ لَنَا ۗ وَارْحَمْنَا ۗ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ "اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہمارا مواخذہ نہ کرنا، اے ہمارے رب! اور ہم پر ویسا ہی بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ان لوگوں پر ڈالا تھا، جو ہم سے پہلے تھے، اے ہمارے رب! اور تو ہم سے نہ اُٹھوا جس کی ہم میں طاقت ہی نہیں، اور ہم سے درگزر فرما اور تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما، تُو ہی ہمارا مولیٰ ہے، چنانچہ کافر لوگوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔" (البقرۃ:286)

(12) ﴿وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ "اور ہم نے اس میں ارادے کی پختگی نہ پائی" آدم علیہ السلام اپنے عہد پر قائم نہ رہ سکا۔ اسی طرح اس کی اولاد اپنے عزم کو توڑ بیٹھتی ہے۔ آدم علیہ السلام نے اپنی خطا کا اعتراف اور اقرار کرکے فوراً توبہ کرلی اور اس کی خطا کو بخش دیا گیا، جو کوئی اپنے باپ کی مشابہت اختیار کرتا ہے اس پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ (تفسیر سعدی:1643/2)

سوال 2: قوت ارادی کے مضبوط ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: (1) قوت ارادی سے انسان اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم رہ سکتا ہے۔

(2) قوت ارادی سے انسان خواہشات کو کنٹرول کرسکتا ہے۔

(3) انسان کو مادی میلانات کو کنٹرول کرنے کے لیے قوت ارادی کی ضرورت ہوتی ہے۔

(4) انسان قوت ارادی کے بغیر اللہ تعالیٰ کے راستے پر قائم نہیں رہ سکتا۔

(5) انسان قوت ارادی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف باتوں کے مقابلے میں مزاحمت کرتا ہے اور اُن سے متاثر ہونے سے بچتا ہے۔ (6) قوت ارادی نہ ہو تو انسان مرغوبات اور خواہشات کا غلام بن جائے۔

(7) قوت ارادی سے ہی مرغوبات کے استعمال میں اعتدال پیدا ہوتا ہے۔

(8) قوت ارادی سے ہی انسان مادی ضروریات کو کم کرکے روحانی ترقی کرسکتا ہے۔ چاہے افراد ہوں یا اقوام ترقی کے لیے یہ معیار ناگزیر ہے۔ (9) انسان مضبوط قوت ارادی سے ہی شیطان کے وسوسوں سے بچ سکتا ہے۔

(10) مضبوط قوت ارادی سے ہی نفس پر کنٹرول ہوسکتا ہے۔

سوال 3: انسان شیطان کے جال میں کیسے پھنستا ہے؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب: پہلے انسان کا پہلا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ انسان نسیان اور ارادے کی کمزوری سے شیطان کے جال میں پھنستا ہے۔

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى﴾

"اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: "آدم کو سجدہ کرو" تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اُس نے انکار کر دیا" (116)

سوال 1: آدم علیہ السلام کی فضیلت کے بیان ﴿وَاِذْ قُلْنَا ... اَبٰى﴾ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ "اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو" یہاں سے انسان کی تمام مخلوقات پر فضیلت اور بزرگی کے بیان کا آغاز ہوتا ہے۔ اس میں آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد اس حکم کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو سب فرشتوں نے سجدہ کیا۔

(2) ﴿اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ "آدم کو سجدہ کرو" یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے آدم علیہ السلام کی تخلیق کو مکمل کیا، انہیں اشیاء کے نام سکھائے، انہیں فضیلت اور تکریم بخشی اور ان کے اکرام و تعظیم اور ان کی جلالت شان کو تسلیم کروانے کے لئے فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا اور فرشتے اس حکم کو مانتے ہوئے فوراً سجدہ ریز ہو گئے۔ (تفسیر سعدی: 1644/2)

(3) ﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ "تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے" فرشتوں میں ایک جن ابلیس بھی تھا جس نے تکبر اور حسد کی وجہ سے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

(4) رب العزت نے ابلیس سے سجدہ نہ کرنے کی وجہ پوچھی: ﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ "اللہ تعالیٰ نے پوچھا: "تجھے کس چیز نے روکا کہ تو سجدہ نہ کرے جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا؟" اُس نے کہا: "میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔" (الاعراف: 12)

(5) ﴿اَبٰى﴾ "اُس نے انکار کر دیا" ابلیس نے سجدے کو انسان کا معاملہ سمجھا اور انسان کو اپنے سے کم تر سمجھتے ہوئے سجدے سے انکار کر دیا۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ کے حکم پر فرشتوں نے سجدہ کیا اور ابلیس نے نہیں کیا، اس فرق کی کیا وجہ تھی؟

جواب: (i) فرشتوں نے سجدے کو اللہ تعالیٰ کا حکم، اللہ تعالیٰ کا معاملہ سمجھا اس لیے اُنہوں نے اطاعت کی۔

(ii) ابلیس نے اس حکم کی طرف نہ دیکھا، اپنے سامنے انسان کو دیکھا جس کو اپنے سے کم تر جانا تو سجدے سے انکار کیا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿فَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ

''تو ہم نے کہا: ''اے آدم! یقیناً یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو کہیں وہ تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے

فَتَشْقٰى﴾

کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ گے'' (117)

سوال: شیطان سے ہوشیار رہنے کے حکم کی وضاحت ﴿فَقُلْنَا ... فَتَشْقٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ﴾ ''تو ہم نے کہا: ''اے آدم! یقیناً یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے قبل از وقت آدم علیہ السلام کو آگاہ کر دیا تھا کہ شیطان انسان کا دشمن ہے لہٰذا اس سے ہوشیار رہنا۔

(2) ﴿فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى﴾ ''تو کہیں وہ تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ گے'' فرمایا: کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان اپنے حسد اور دشمنی کی وجہ سے تمہیں جنت سے نکلوا دے اور تم مشقت میں پڑ جاؤ۔

(3) رب العزت نے اولادِ آدم کو تنبیہ فرمائی ہے: ﴿يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ''اے اولادِ آدم! شیطان تمہیں ہرگز فتنے میں نہ ڈالے جیسا کہ اُس نے تمہارے والدین کو جنت سے نکلوا دیا تھا، وہ اُن دونوں کے لباس ان سے اتروا تا تھا تا کہ وہ اُن دونوں کو ایک دوسرے کی شرم گاہیں دکھا دے یقیناً وہ اور اس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم اُنہیں نہیں دیکھتے، یقیناً ہم نے شیطانوں کو اُن لوگوں کے لیے دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔'' (الاعراف:27)

﴿اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى﴾

''یقیناً تمہارے لیے یہ ہے کہ نہ تم بھوکے رہو گے اس میں اور نہ ننگے رہو گے'' (118)

سوال: سرزمین جنت میں ہر طرح کا آرام ہے، اس کی وضاحت ﴿اِنَّ ... تَعْرٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: سیدنا آدم علیہ السلام کو خوش خبری دی گئی: ﴿اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى﴾ ''یقیناً تمہارے لیے یہ ہے کہ نہ تم بھوکے رہو گے اس میں اور نہ ننگے رہو گے'' یعنی جنت کی راحتوں میں تمہارے لئے بہترین کھانوں کا انتظام ہوگا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو تمہاری بھوک مٹانے کے لئے نہیں لطف کے لئے ہوں گے۔ جنت میں تمہیں کبھی بھوک نہ لگے گی۔ جنت میں تمہارے لئے بہترین لباس ہوں گے۔ وہاں کبھی ننگے نہ رہو گے۔ وہاں ہر طرح کا آرام ہے۔

﴿وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى﴾

''اور یقیناً اس میں نہ تم پیاسے رہو گے اور نہ تمہیں دھوپ لگے گی'' (119)

سوال: جنت میں نہ پیاس لگے گی نہ دھوپ، اس کی وضاحت ﴿وَاَنَّكَ ... تَضْحٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى﴾ ''اور یقیناً اس میں نہ تم پیاسے رہو گے اور نہ تمہیں دھوپ لگے گی'' یعنی جنت کی بابرکت سرزمین میں تمہیں کبھی پیاس نہ لگے گی۔ جو مشروبات تمہیں پلائے جائیں گے وہ تمہارے لطف اور ذائقے کے لئے ہوں گے۔ (2) جنت میں تمہارے آرام کے لئے سایوں کا اہتمام ہوگا۔ تمہیں کبھی دھوپ نہ لگے گی۔

﴿فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ

''پس شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا، اُس نے کہا: ''اے آدم! کیا میں تمہیں دائمی زندگی کا درخت نہ بتاؤں

وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾

اور ایسی بادشاہت جو پرانی نہ ہو؟'' (120)

سوال 1: شیطان نے آدم علیہ السلام کے دل میں جو وسوسہ ڈالا، اس کی وضاحت ﴿فَوَسْوَسَ ... يَبْلٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ﴾ ''پس شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا'' شیطان نے سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا اور انہیں اس درخت کا پھل کھانے کے لئے آمادہ کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا تھا۔ (2) یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس مقام پر شیطانی وسوسہ کی نسبت صرف سیدنا آدم علیہ السلام کی طرف کی گئی اور دوسرے مقام پر دونوں کی طرف کی گئی ہے۔ اس لیے کہ اس معاملہ میں حوا کی حیثیت صرف بالتبع تھی۔ لیکن بائبل کی روایت یوں ہے کہ شیطان نے پہلے سیدہ حوا علیہا السلام کو بہکایا۔ پھر حوا نے آدم کو پھل کھانے پر آمادہ کر لیا۔ بائبل کی اس روایت کو بعض مفسرین نے بھی نقل کر دیا جبکہ یہ روایت قرآن کی اس آیت کے مطابق غلط قرار پاتی ہے۔ (تیسیر القرآن: 86/3)

(3) ﴿قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ﴾ ''اُس نے کہا: ''اے آدم! کیا میں تمہیں دائمی زندگی کا درخت نہ بتاؤں'' وہ ان سے کہتا تھا کہ جو کوئی اس درخت کا پھل کھائے گا وہ ہمیشہ جنت میں رہے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(4)﴿وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾ ''اور ایسی بادشاہت جو پرانی نہ ہو'' یعنی تمہیں لازوال بادشاہت ملے گی جو کبھی ختم نہ ہوگی یوں سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہا السلام اس کے دام فریب میں آگئے اور انہوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا۔ اس پھل کے کھاتے ہی ان کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے پھر وہ جنت کے پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانپنے لگے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ (۲۰)﴾ ''پھر شیطان نے اُن دونوں کے لیے وسوسہ ڈالا تا کہ وہ اُن دونوں کے لیے ظاہر کر دے ان دونوں کی شرمگاہوں سے جو کچھ ان سے چھپایا گیا تھا، اور اُس نے کہا: ''تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے نہیں روکا، مگر اس لیے کہ کہیں تم دونوں فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ۔'' (الاعراف:20)

(5) تم اس درخت کا پھل کھاؤ گے۔ تم جنت سے کبھی نہیں نکالے جاؤ گے تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ (جامع البیان:244/16)

(6) شیطان نے انسان کی کمزوریوں کو پکڑتے ہوئے اُسے طویل زندگی اور طویل اقتدار کا جھانسہ دیا۔ اُس نے کہا میں تمہیں ابدی اور لازوال سلطنت کا درخت بتاؤں۔

سوال 2: طول امل یعنی لمبی امیدیں باندھنے کے اسباب کیا ہیں اور اس کا علاج کیا ہے؟

جواب: (1) طول امل کا سبب آخرت فراموشی اور دنیا سے محبت ہے جس کا علاج نبی نے کیا۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے بدن کے بعض حصے کو پکڑ کر فرمایا: ''تم دنیا میں ایسے رہو گویا تم ایک مسافر یا راہ گیر ہو، اور اپنا شمار قبر والوں میں کرو۔'' مجاہد کہتے ہیں: ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھ سے کہا: جب تم صبح کرو تو شام کا یقین مت رکھو اور جب شام کرو تو صبح کا یقین مت رکھو، اور بیماری سے قبل صحت و تندرستی کی حالت میں اور موت سے قبل زندگی کی حالت میں کچھ کر لو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے! تمہیں نہیں معلوم کہ کل تمہارا نام کیا ہوگا۔ (ترمذی:2333)

(2) سیدنا علی بن طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں تمہارے بارے میں دو چیزوں سے ڈرتا ہوں (i) لمبی امیدیں (ii) خواہشات کی پیروی۔ بے شک لمبی امیدوں سے آخرت بھول جاتی ہے اور خواہشات کی پیروی اتباع حق سے روکتی ہے۔ بے شک دنیا منہ موڑ کر چل پڑی ہے اور آخرت سامنے سے آ رہی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی اولاد (یعنی حصہ) ہے پس تم آخرت والے بنو۔ اس لئے کہ آج کے دن عمل ہے، کوئی حساب و کتاب نہیں اور کل کو حساب دینا ہے، پھر کوئی عمل نہیں کیا جا سکے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:34495)

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

(3) سرکارِ دو عالم ﷺ فرماتے ہیں: ''اس امت کے پہلے لوگوں نے یقین اور زہد کی وجہ سے نجات پائی اور اس امت کے آخری لوگ بخل اور طول امل کی وجہ سے ہلاک ہوں گے۔'' (صحیح الترغیب:1676) (4) سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دو کنکریاں پھینکتے ہوئے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے اور یہ کیا ہے؟'' لوگوں نے کہا: اللہ اور اُس کے رسول کو بہتر معلوم ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ امید (وآرزو) ہے اور یہ اجل (موت) ہے۔'' (ترمذی:2870)

(5) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھے کوئی مختصر سی نصیحت کریں تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر نماز آخری نماز سمجھ کر پڑھ (اور تیری کیفیت یہ ہونی چاہیے کہ تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے) اور اگر تو اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے لوگوں کے پاس جو کچھ (مال و دولت وغیرہ) ہے اس کی طرف توجہ نہ دے تو (دل کا) غنی بن جائے گا اور کوئی ایسی بات یا کام نہ کر کہ تجھے بعد میں معذرت کرنی پڑے۔'' (صحیح الترغیب:1681)

(6) سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ اپنی وفات کے وقت کہنے لگے میں تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر جیسے تو اسے دیکھ رہا ہو اور اگر تو اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے اور اپنے آپ کو مردوں میں شمار کر اور مظلوم کی بددعا سے بچ بے شک وہ بددعا بڑی جلد قبول کی جاتی ہے۔'' (صحیح الترغیب:1682)

(7) طول امل اور قصر امل کے سلسلے میں لوگوں کے مراتب: لوگ اس سلسلے میں مختلف قسم کے ہوتے ہیں بعض لوگ بقاء کی آرزو کرتے ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس دنیا میں رہنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے: ﴿يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ ''ان کا ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ کاش اسے ہزار برس کی عمر دے دی جائے۔'' (البقرہ:96)

(8) بعض لوگ بڑھاپے تک زندہ رہنا چاہتے ہیں۔ یہ وہ انتہائی عمر ہے جو مشاہدہ میں آتی رہتی ہے۔ یہ لوگ دنیا کی شدید محبت میں گرفتار رہتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''بوڑھا آدمی طلب دنیا کی محبت میں جوان ہوتا ہے اگرچہ اس کی ہنسلیاں مڑ گئی ہوں مگر وہ ایسے لوگ نہیں ہوتے جو متقی ہیں تاہم متقی بہت کم ہیں۔'' (بخاری و مسلم)

(9) بعض لوگوں کو ایک سال سے زیادہ کی توقع نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ صرف ایک سال کی ضروریات کا اہتمام کرتے ہیں اور سردی میں گرمی کے لئے اور گرمی میں سردی کے لئے جمع کرتے ہیں چنانچہ ایک سال کی ضروریات جمع ہو جاتی ہیں تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عبادت میں مشغول ہوجاتے ہیں۔

(10) بعض لوگ ایک سال سے بھی کم جینے کی توقع رکھتے ہیں ایسے لوگ ایک موسم میں دوسرے موسم کی امید نہیں رکھتے۔

(11) بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ایک دن سے زیادہ کا طول الامل نہیں رکھتے صرف آج کی تیاری کرتے ہیں کل کی فکر میں مشغول نہیں ہوتے۔

(12) بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کا امل ایک ساعت سے تجاوز نہیں کرتا جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اے اللہ کے بندے! جب تو صبح کرے تو اپنے دل میں شام کا خیال نہ لا اور شام کرے تو صبح کا تصور نہ کر۔''

(13) ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''آدمی کی مثال یہ ہے کہ اس کے اردگرد ننانوے موتیں ہیں اگر ان سب سے محفوظ رہتا ہے تو وہ بڑھاپے کا شکار ہوجاتا ہے۔'' (ترمذی:2150)

(14) سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک چوکور خط کھینچا اور اس کے درمیان میں بھی ایک خط کھینچا پھر خط کے برابر میں بہت سے خطوط کھینچے اور ایک خط باہر کی طرف کھینچا پھر فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟'' لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا: ''یہ درمیانی خط انسان ہے اور یہ چوکور خط اس کی موت ہے جو چاروں طرف سے اس کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے یہ خطوط مصائب ہیں جو اسے نوچتے گھسیٹتے ہیں اگر ایک سے بچ جائے تو دوسرا اپنا عمل کرتا ہے اور بیرونی خط امل ہے۔'' (بخاری)

(15) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں کی محبت میں جوان ہوتا ہے: زندگی کی محبت اور مال کی زیادتی کی محبت میں۔'' (ابن ماجہ:4233)

(16) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابن آدم (انسان) بوڑھا ہوجاتا ہے، اور اس کی دو خواہشیں جوان ہوجاتی ہیں: مال کی ہوس، اور عمر کی زیادتی کی تمنا۔'' (ابن ماجہ:4234)

﴿فَاَكَلَا مِنۡهَا فَبَدَتۡ لَهُمَا سَوۡاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخۡصِفٰنِ عَلَيۡهِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّةِ‌

''پس اُن دونوں نے اُس میں سے کھالیا تو ان کے لیے اُن کی شرم گاہیں ظاہر ہوگئیں اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے

وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾

اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو بھٹک گیا'' (121)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال: سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہما السلام نے ممنوعہ درخت کا پھل کھالیا تو کیا نتیجہ نکلا، اس کی وضاحت ﴿فَاَكَلَا... فَغَوٰی﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿فَاَكَلَا مِنْهَا﴾ "پس اُن دونوں نے اُس میں سے کھا لیا" شیطان نے اُس درخت میں ابدی فائدے گنوائے تو سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہما السلام نے اُس کا پھل کھالیا۔

(2)﴿فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا﴾ "تو ان کے لیے اُن کی شرم گاہیں ظاہر ہو گئیں" درخت کا پھل کھانے سے دونوں کی شرم گاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھل گئیں۔

(3) بے لباس ہونا اس چیز کی علامت تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر محنت، مشقت کے جو روزی میسر تھی وہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

(4)﴿وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ﴾ "اور دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے" سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدہ حوا علیہما السلام نے فطری شرم وحیا کی وجہ سے خود کو ڈھانپنا شروع کر دیا۔

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾ "اے اولادِ آدم! یقیناً ہم نے تم پر لباس اُتارا ہے جو تمہاری شرم گاہوں کو چھپاتا ہے اور زینت ہے اور تقویٰ کا لباس ہی بہترین ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ سبق حاصل کریں۔" (الاعراف:26)

(6)﴿وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾ "اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو بھٹک گیا" سیدنا آدم علیہ السلام نے ابلیس کے حکم کی اطاعت کر لی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کر لی تھی۔ (جامع البیان:244/16)

(7) سیدنا آدم علیہ السلام نے عزم کو چھوڑ دیا تھا اور عہد یاد نہیں رکھا تھا۔ (تفسیر قاسمی:400/11)

(8) پس آدم علیہ السلام نے فوراً توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور عرض کیا: ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ "ان دونوں نے کہا: "اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم ضرور نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔" (الاعراف:23) (تفسیر سعدی:1645/2)

﴿ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى﴾

"پھر اُس کے رب نے اُسے چن لیا، پس اُس پر توجہ فرمائی اور ہدایت دی" (122)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوال: سیدنا آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کرلی گئی، اس کی وضاحت ﴿ثُمَّ اجۡتَبٰهُ ...وَهَدٰی﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ اجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ﴾ "پھر اُس کے رب نے اُسے چن لیا" یعنی آدم علیہ السلام کو رب العزت نے غلطی پر ندامت اور توبہ کی توفیق دی اور ان کی توبہ قبول کر کے انہیں چن لیا۔

(2) ﴿فَتَابَ عَلَيۡهِ﴾ "پس اُس پر توجہ فرمائی" یعنی ان پر مہربانی کر کے ان کی توبہ قبول کرلی۔

(3) ﴿وَهَدٰی﴾ "اور ہدایت دی" اللہ تعالیٰ نے راہ راست کی طرف یعنی توبہ اور استغفار کی طرف راہ نمائی کی۔ سیدنا آدم علیہ السلام کو ندامت اور توبہ کے بعد اسی مقام پر فائز کر دیا گیا جس پر وہ پہلے تھے۔

﴿قَالَ اهۡبِطَا مِنۡهَا جَمِيۡعًا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّیۡ

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تم دونوں اکٹھے اس سے اُتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو پھر اگر واقعی میری طرف سے تمہارے

هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشۡقٰی﴾

پاس کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ وہ مصیبت میں پڑے گا" (123)

سوال: جنت سے نکل جانے کے حکم کی وضاحت ﴿قَالَ اهۡبِطَا ...وَلَا يَشۡقٰی﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ اهۡبِطَا مِنۡهَا جَمِيۡعًا﴾ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تم دونوں اکٹھے اس سے اُتر جاؤ" اللہ رب العزت نے سیدنا آدم علیہ السلام، سیدہ حوا علیہما السلام اور ابلیس تینوں کو حکم دیا کہ جنت سے نکل جائیں اور دنیا کو آباد کریں۔

(2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، وہ جمعہ کا دن ہے، آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن ہی پیدا کیا گیا اور اسی دن انہیں جنت میں داخل کیا گیا اور اسی دن انہیں جنت سے نکالا گیا۔" (مسلم: 854)

(3) ﴿بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ﴾ "تم ایک دوسرے کے دشمن ہو" یعنی آدم علیہ السلام اور آدم زاد کے دشمن ابلیس اور ابلیس زادے ہوں گے۔ (السراج المنیر: 1192/2)

(4) ﴿فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّیۡ هُدًى﴾ "پھر اگر واقعی میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے" یعنی اگر میری طرف سے تمہارے پاس میرے رسول اور میری کتابیں آئیں جن سے تمہیں صراط مستقیم کی ہدایت ملے اور وہ راستہ تمہیں جنت کی طرف لے جائے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(5)﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی﴾ ''تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ وہ مصیبت میں پڑے گا''، یعنی جس وقت کسی کے پاس میری کتاب پہنچے یا کسی رسول کی دعوت پہنچے تو جو اس کی پیروی کرے گا اور میرے احکامات پر عمل کرے گا اور جن کاموں سے میں نے روکا ہے ان سے رکے گا تو نہ وہ گمراہ ہوگا، اور نہ آخرت کی سعادتوں سے محروم ہوگا۔

(6)اور ''ہدایت'' کی پیروی یہ ہے کہ رسول کی دی ہوئی خبر کی تصدیق کی جائے اور شہوات کا پیچھا کرتے ہوئے اور شبہات میں مبتلا ہو کر اس سے اعراض نہ کیا جائے۔

(7)﴿فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ(۳۸)﴾ ''تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' (البقرۃ:38)

(8)مصیبت گمراہی کی وجہ سے آتی ہے۔ گمراہی کی وجہ سے انسان بد بخت ہو جاتا ہے۔

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی﴾

''اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا تو اس کے لیے یقیناً زندگی تنگ ہوگی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے'' (124)

سوال: وحی الٰہی سے اعراض کی سزا کی وضاحت ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ... اَعْمٰی﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ﴾ ''اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا'' ذکر سے منہ موڑنے سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب سے منہ موڑنا ہے۔

(2)﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ﴾ یعنی جو میرے دین سے منہ موڑے گا اور میری کتاب کی تلاوت اور اس پر عمل کرنے کو چھوڑے گا اور اس کی ہدایت کی پیروی نہیں کرے گا۔ (فتح القدیر:490/3)

(3)﴿فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا﴾ ''تو اس کے لیے یقیناً زندگی تنگ ہوگی''، یعنی اس کی سزا یہ ہوگی کہ ہم اس کی معیشت کو تنگ اور نہایت پر مشقت بنا دیں گے اور یہ معیشت اس کے لئے محض ایک عذاب ہوگی۔

(4) تنگ معیشت کی تفسیر بیان کی جاتی ہے کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے، یعنی اس کے لئے اس کی قبر کو تنگ کر دیا جائے گا، وہ اس میں گھٹ کر رہ جائے گا اور اس کو عذاب دیا جائے گا۔ یہ اس بات کی سزا ہے کہ اس نے اپنے رب کے ذکر سے روگردانی کی تھی۔ (5) یہ ان آیات میں سے ایک آیت ہے جو عذاب قبر پر دلالت کرتی ہیں۔

(6) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں روایت ہے کہ اس سے مراد عذاب قبر ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

(مستدرک حاکم:3439)

(7) دوسری آیت کریمہ یہ ہے: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۗ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰۤئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ۗ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ ”اور اس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے؟ یا کہے کہ مجھ پر وحی کی گئی حالانکہ اس پر کچھ وحی نہ کیا گیا ہو اور جو کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے جلد ہی میں بھی ویسا ہی اُتاروں گا، اور کاش آپ دیکھیں جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلانے والے ہوتے ہیں کہ ”نکالو اپنی جانیں، آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا اس وجہ سے کہ تم اللہ تعالیٰ پر ناحق باتیں کہتے تھے اور اس کی آیات سے تکبر کیا کرتے تھے۔“ (الانعام:93)

(8) تیسری آیت کریمہ یہ ہے: ﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ ”اور ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے ہی چھوٹے عذاب کا مزہ ضرور چکھائیں گے تاکہ وہ پلٹ آئیں۔“ (السجدہ:21)

(9) چوتھی آیت کریمہ یہ ہے: ﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۗ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ﴾ ”آگ ہے، جس پر وہ صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی، (حکم ہوگا) آلِ فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو۔“ (المؤمن:46)

(10) جو چیز سلف میں سے بعض مفسرین کے لئے، اس آیت کریمہ کو عذاب قبر پر محمول کرنے اور صرف اسی پر اقتصار کرنے کی موجب بنی۔ واللہ اعلم۔ وہ ہے آیت کریمہ کا آخر۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کے آخر میں قیامت کے عذاب کا ذکر کیا ہے۔ اور بعض مفسرین کی رائے ہے کہ ”تنگ معیشت“ عام ہے یعنی اپنے رب کے ذکر سے روگردانی کرنے والوں پر دنیا میں غم و ہموم اور مصائب و آلام کے جو پہاڑ ٹوٹتے ہیں، وہ عذاب معجّل ہے۔ برزخ میں بھی ان کو عذاب میں ڈالا جائے گا اور آخرت میں بھی عذاب میں داخل ہوں گے کیونکہ ”تنگ معیشت“ کو بغیر کسی قید کے مطلق طور پر بیان کیا گیا ہے۔ (تفسیر سعدی:1647,1646/2)

(11) ﴿وَنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى﴾ ”اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے“ یعنی قیامت کے دن اپنے رب کے ذکر سے منہ موڑنے والے کو اندھا اٹھائیں گے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا (۹۷)﴾ ''اور ہم قیامت کے دن اُنہیں اُن کے چہروں کے بل اندھا، گونگا اور بہرہ اُٹھائیں گے۔'' (بنی اسرائیل:97)

(12) قیامت کے دن اُسے اندھا اُٹھایا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور کائنات سے غافل رہا، جس نے نہ آیات سے کوئی سبق لیا نہ کائنات پر غور و فکر کر کے اپنے لیے کوئی راہ نمائی لی۔

(13) رب العزت نے فرمایا: ﴿لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ (۳۴)﴾ ''اُن کے لیے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے اور یقیناً آخرت کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ سخت ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی نہیں'' (الرعد:34)

﴿قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا﴾

''وہ کہے گا: ''اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں یقیناً دیکھنے والا تھا'' (125)

سوال: اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور قرآن سے منہ موڑنے والے حشر کے میدان میں اللہ تعالیٰ سے جو سوال کریں گے، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ... بَصِيْرًا﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: ﴿قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا﴾ ''وہ کہے گا: ''اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں یقیناً دیکھنے والا تھا'' اس دن اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور قرآن سے منہ موڑنے والا کہے گا کہ اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا۔ میں تو دنیا میں آنکھوں والا تھا۔

﴿قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴾

''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''اسی طرح ہماری آیات تمہارے پاس آئی تھیں تو تو نے انہیں بھلا دیا اور اسی طرح آج تو بھلایا جا رہا ہے'' (126)

سوال: اللہ تعالیٰ اندھے پن کا کیا سبب بتائیں گے، اس کی وضاحت ﴿قَالَ ... تُنْسٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا﴾ ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''اسی طرح ہماری آیات تمہارے پاس آئی تھیں تو تو نے انہیں بھلا دیا'' رب العزت فرمائیں گے کہ تمہارے پاس میری آیات پہنچی تھیں مگر تو نے انہیں یاد نہ کیا، تو نے انہیں بھلا دیا، تو نے ان سے منہ موڑا، تو نے ان سے غفلت برتی۔

(2) تم نے قرآن سیکھا اور پھر اس کو بھلا دیا اور تم آگ میں ڈال دیے گئے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

(3)﴿وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴾ ''اور اسی طرح آج تو بھلایا جارہا ہے'' رب العزت نے کہا کہ آج کے دن تم بھلائے جاتے ہو یعنی اب تمہاری کوئی اہمیت نہیں۔ نہ تمہاری صدا سنی جائے گی نہ تمہاری چیخ و پکار کا اثر ہوگا اور اس کی وجہ کیا ہے؟ کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کا حق ادا نہیں کیا۔ (سمرقندی: 433/2)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ﴾ ''جن لوگوں نے اپنے دین کو دل لگی اور کھیل بنایا تھا اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا تو آج ہم بھی انہیں بھلائے دیتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور جیسا کہ وہ ہماری آیات کا انکار کیا کرتے تھے۔'' (الاعراف: 51)

﴿وَ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَ لَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ

''اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اس شخص کو جو حد سے گزر جاتا ہے اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہیں لاتا

وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ اَبْقٰى﴾

اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے'' (127)

سوال: حد سے نکل جانے والوں کے لیے شدید عذاب ہے، اس کی وضاحت ﴿وَ كَذٰلِكَ... وَ اَبْقٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ''اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اس شخص کو جو حد سے گزر جاتا ہے اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہیں لاتا'' یعنی جو لوگ حد سے نکل جائیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلائیں انہیں ہم دنیا اور آخرت میں اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

(2)﴿وَ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ﴾ ''اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اس شخص کو جو حد سے گزر جاتا ہے'' اور اسراف کرنے والا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے گزر جاتا ہے۔

(3)﴿وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ﴾ ''اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہیں لاتا'' جو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر، کتابوں پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا۔ (جامع البیان: 252/16)

(4) جو اپنے رب کی آیات پر ایمان نہیں لاتا وہ رب کی نافرمانی کرتا ہے۔

(5) یعنی یہ جزا اس شخص کے لئے ہے جس نے حدود سے تجاوز کیا اور جن امور کی اجازت دی گئی ہے ان سے آگے بڑھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر محرمات کا مرتکب ہوا اور جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لایا جو کہ تمام مطالب ایمان پر واضح طور پر اور صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس پر ہرگز ظلم نہیں کیا اور نہ غیر مستحق کو سزا دی ہے بلکہ اس کا سبب تو صرف اس کا اسراف اور عدم ایمان ہے۔(تفسیر سعدی:1648/2)

(6)﴿وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى﴾ ''اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے'' دنیا کے عذاب کے برعکس آخرت کا عذاب کئی گنا زیادہ سخت ہوگا اور دنیا کے عذاب کے برعکس آخرت کا عذاب کبھی ختم نہ ہوگا کیونکہ دنیا کا عذاب تو کبھی نہ کبھی منقطع ہو جاتا ہے۔ پس آخرت کے عذاب سے ڈرنا اور اس سے بچنا واجب ہے۔(تفسیر سعدی:1648/2)

(7) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (لعان کرنے والے جوڑے کو آخرت کے عذاب سے ڈراتے ہوئے) فرمایا: ''دنیا کی سزا آخرت کے عذابوں کے مقابلے میں بہت ہی ہلکی اور نا چیز ہے۔'' (مسلم:2256)

﴿اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ

''تو کیا ان لوگوں کو اس بات نے ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے ہی زمانے کے لوگوں کو ہلاک کر دیا؟ جن کی بستیوں

مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى﴾ ع 7 13 16

میں یہ چلتے پھرتے ہیں، بلاشبہ اس میں یقیناً عقل والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں'' (128)

سوال: پچھلی قوموں کی ہلاکت باعث عبرت ہے، اس کی وضاحت ﴿اَفَلَمْ ... لِّاُولِي النُّهٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب:(1)﴿اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ﴾ ''تو کیا ان لوگوں کو اس بات نے ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے ہی زمانے کے لوگوں کو ہلاک کر دیا جن کی بستیوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں'' کیا جھٹلانے والوں کو اس بات نے راہ نمائی نہیں دی کہ ہم نے کتنی قومیں ہلاک کر دیں جو رسولوں کو جھٹلاتی تھیں، جن کے گھروں میں اب یہ چل پھر رہے ہیں۔ ان قوموں کی ہلاکت باعث عبرت ہے۔

(2) رب العزت نے فرمایا:﴿اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ (٤٣) اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ (٤٤)﴾ ''کیا تمہارے کافر ان سے بہتر ہیں؟ یا تمہارے لیے اگلی کتابوں میں معافی ہے؟ یا وہ کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لے کر رہنے والی جماعت ہیں؟'' (القمر:44,43)

(3)﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى﴾ ''بلاشبہ اس میں یقیناً عقل والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں'' تقویٰ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والے ہی عقل والے ہیں۔ عقل مند لوگ آج اُن علاقوں میں چل پھر رہے ہیں جہاں کل کے لوگ ہلاک ہوئے تھے۔ یہ سبق ہے کہ اُمنگیں، آرزوئیں، منصوبے سب خاک میں مل جانے والے ہیں۔

﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى﴾

”اور اگر آپ کے رب کی جناب سے ایک بات نہ ہوتی اور ایک مقررہ وقت نہ ہوتا تو (عذاب) ضرور لازم ہوجاتا“ (129)

سوال 1: اللہ تعالیٰ نے عذاب کے لیے ایک وقت مقرر کردیا، اس کی وضاحت ﴿وَلَوْلَا ... مُّسَمًّى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ ”اور اگر آپ کے رب کی جناب سے ایک بات نہ ہوتی اور ایک مقررہ وقت نہ ہوتا تو (عذاب) ضرور لازم ہوجاتا“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی مقرر شدہ اور معین کردہ بات نہ ہوتی تو اسی وقت عذاب آچمٹتا۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس نے مشرکین مکہ کو خاص وقت تک مہلت دے رکھی ہے لیکن مہلت ختم ہونے کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔

(2) یہ رسول اللہ ﷺ کے لئے تسلی اور صبر کی ترغیب ہے کہ وہ ان جھٹلانے اور روگردانی کرنے والوں کے لئے جلدی ہلاکت کی خواہش نہ کریں۔ ان کا کفر اور تکذیب، ان پر عذاب نازل ہونے کے لئے ایک معقول سبب ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے سزاؤں کے لئے سبب مقرر کیا ہے جو گناہوں سے جنم لیتا ہے اور ان لوگوں نے نزول عذاب کے اسباب پیدا کردیے ہیں مگر جس چیز نے اس عذاب کو مؤخر کر رکھا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو مہلت دینے اور وقت مقرر کرنے کو متضمن ہے۔ وقت کا مقرر ہونا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا نفاذ، نزول عذاب کو اس وقت کے آنے تک کے لئے مؤخر کردیتا ہے۔ شاید کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کریں، اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرلے اور عذاب کو ان سے دور کردے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ان پر ثابت نہ ہوجائے۔ (تفسیر سعدی: 1649/2)

سوال 2: کسی قوم کو عروج کے بعد ہلاک کرنے کی وجہ کیا ہوتی ہے؟

جواب: اس کی وجہ ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ اُس نے بندگی کی حد سے تجاوز کیا ہوتا ہے۔

﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ

”چنانچہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں آپ ان پر صبر کریں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى﴾

غروب ہونے سے پہلے اور رات کے اوقات میں بھی پس تسبیح کریں اور دن کے کناروں پر بھی تاکہ آپ راضی ہو جائیں۔'' (130)

سوال 1: صبر اور نماز پنجگانہ کے حکم کی وضاحت ﴿فَاصْبِرْ... تَرْضٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ﴾ ''چنانچہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں آپ ان پر صبر کریں'' رب العزت نے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کی باتوں کی وجہ سے جو تکلیف آپ کو پہنچی ہے اس پر صبر کریں۔

(2) رسول اللہ ﷺ کو جب لوگ کافر، کاہن، شاعر اور مجنون کہتے تو آپ کو حکم دیا گیا کہ ان باتوں پر دل برداشتہ نہ ہوں۔ آپ لوگوں سے توجہ ہٹا کر رب کی طرف رجوع کریں اور اس کی تسبیح کریں۔ (3) ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا﴾ ''اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے''یعنی سورج نکلنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کے لیے فجر کی نماز پڑھیں اور سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز پڑھیں۔ (4) تسبیح سے مراد پانچ نمازیں ہیں۔ ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ یعنی ﴿صَلِّ لِرَبِّكَ﴾ ''اپنے رب کے لیے نماز پڑھو۔'' ﴿وَاعْمَلْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ ''اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ عمل کرو''یعنی اپنے رب کا شکر ادا کرو، اچھے عمل کرو اور اس کے احکامات کی پابندی کرو۔ (سمرقندی: 434/2)

(5) سیدنا جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم نبی ﷺ کی خدمت میں موجود تھے آپ ﷺ نے چاند پر ایک نظر ڈالی، پھر فرمایا کہ ''تم اپنے رب کو (آخرت میں) اسی طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو اب دیکھ رہے ہو۔ اس کے دیکھنے میں تم کو کوئی زحمت بھی نہیں ہوگی، پس اگر تم ایسا کر سکتے ہو کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے والی نماز (فجر) اور سورج غروب ہونے سے پہلے والی نماز (عصر) سے تمہیں کوئی چیز نہ روک سکے تو ایسا ضرور کرو۔'' پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ''پس اپنے رب کی حمد و تسبیح کرو سورج طلوع ہونے اور غروب ہونے سے پہلے۔'' (صحیح بخاری: 554)

(6) سیدنا عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص دوزخ میں کبھی نہ داخل ہوگا جس نے نماز ادا کی قبل طلوع آفتاب کے اور قبل غروب آفتاب کے۔ یعنی فجر اور عصر کی۔'' (مسلم: 1436)

(7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ''کئی فرشتے تمہارے پاس رات کو آتے جاتے ہیں اور کئی دن کو۔ فجر اور عصر کی نماز کے وقت وہ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ فرشتے اوپر چڑھ جاتے ہیں، جو رات تمہارے ہاں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ٹھہرتے ہیں اوران سے ان کا پروردگار پوچھتا ہے حالانکہ وہ تم کو خوب جانتا ہے، تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں کہ جب ہم ان کے پاس سے روانہ ہوئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ان کے پاس پہنچے تو بھی نماز پڑھ رہے تھے۔'' (بخاری:7486، مسلم:1432)

(8)﴿وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ﴾''اور رات کے اوقات میں بھی پس تسبیح کریں اور دن کے کناروں پر بھی'' رات اور دن کی عبادت انسان کو سکون فراہم کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث بنتی ہے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ﴾ ''اور آپ نماز قائم کریں دن کے دونوں اطراف میں اور رات کی چند گھڑیوں میں، بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے'' (ہود:114)

(9)﴿لَعَلَّكَ تَرْضٰى﴾ ''تا کہ آپ راضی ہو جائیں'' اگر آپ ﷺ اس پر عمل پیرا ہوئے تو شاید آپ ﷺ اپنے رب کے عطا کردہ دنیاوی اور اخروی ثواب پر راضی ہو جائیں، آپ کو اطمینان قلب حاصل ہو، اپنے رب کی عبادت سے آپ آنکھیں ٹھنڈی کریں اور ان کی اذیت رسانی پر اس عبادت کے ذریعے سے دل کو تسلی ہو تب آپ ﷺ کے لئے صبر بہت آسان ہو جائے گا۔ (تفسیر سعدی:1650/2)

(10) اس سے مراد ہے کہ جو مقام آخرت میں آپ کو ملے گا اُمید یہ ہے کہ آپ کا نفس اس سے راضی ہو جائے۔ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ ''اور جلد ہی تیرا رب تجھے اتنا دے گا پھر تم خوش ہو جاؤ گے۔'' (الضحیٰ:5)

(11) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے جنتیو! تو وہ کہیں گے، اے ہمارے رب! ہم بار بار تیری خدمت میں حاضر ہیں اور ساری خیر تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تم خوش ہو گئے؟ وہ کہیں گے، اے اللہ! ہم کیوں خوش نہیں ہوں گے، حالانکہ تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا کر رکھی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ عطا کروں؟ وہ کہیں گے، اے ہمارے رب! ان نعمتوں سے بہتر کیا ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمہیں اپنی رضامندی دیتا ہوں کہ اب کسی وقت بھی میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔'' (بخاری:7518)

(12) سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب جنت والے جنت میں چلے جائیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے: ''کیا تم مزید کچھ چاہتے ہو؟'' وہ جنتی عرض کریں گے (اے اللہ تعالیٰ) کیا تو نے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا؟ کیا تو نے ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی؟“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”پھر اللہ تعالیٰ ان کے اور اپنے درمیان سے پردے اٹھادے گا اور جنتی اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے تو ان کو اس دیدار سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں ہوگی۔“ (مسلم:181)

(13) دشمنوں کی ایذاؤں سے بچنے کا طریقہ صبر اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہونا ہے۔

(14) دشمنوں سے تو اس دنیا میں کسی چھوٹے بڑے، اچھے برے انسان کو نجات نہیں ملتی۔ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی دشمن ہوتا ہے اور دشمن کتنا ہی حقیر وضعیف ہو اپنے مخالف کو کچھ نہ کچھ ایذا پہنچا ہی دیتا ہے، زبانی گالی گلوچ ہی سہی، سامنے ہمت نہ ہو تو پیچھے ہی سہی۔ اس لئے دشمن کی ایذاؤں سے بچنے کی فکر ہر شخص کو ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے ان کا بہترین اور کامیاب نسخہ دو چیزوں سے مرکب بیان فرمایا ہے۔ اول صبر یعنی اپنے نفس کو قابو میں رکھنا اور انتقام کی فکر میں نہ پڑنا، دوسرے اللہ تعالیٰ کی یاد اور عبادت میں مشغول ہو جانا۔ (معارف القرآن:6/163)

سوال 2: رسول اللہ ﷺ کو کفار کی تکذیب پر کیا نصیحت کی گئی؟

جواب: رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا: (1) لوگوں کی باتوں پر صبر کریں۔ (2) اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو۔

سوال 3: تسبیح اور نماز کی تلقین کس دور میں کی گئی؟

جواب: تسبیح اور نماز کی تلقین مکی دور کے انتہائی سخت حالات میں کی گئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ (i) نماز اور ذکر مومن کی ڈھال ہیں۔ (ii) اسی سے فتوحات کے دروازے کھلتے ہیں۔ (iii) اسی سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

(iv) اسی سے راستے ہموار ہوتے ہیں۔

﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ

”اور آپ نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں اس کی طرف جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو سروسامان دیا ہے، دنیا کی زندگی کی زینت ہے

لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾

تاکہ ہم انہیں اس آزمائش میں ڈالیں اور آپ کے رب کا رزق ہی بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے“ (131)

سوال: ”مال داروں کے عیش و آرام کی طرف نہ دیکھیں“ اس حکم کی وضاحت ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ ... وَّاَبْقٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ ”اور آپ نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں اس کی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

طرف جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو سر و سامان دیا ہے" اللہ رب العزت نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ ان خوش حال لوگوں اور مال داروں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں جن کو دنیا کی زندگی کی زینتیں اور عیش و آرام ملا ہوا ہے، جن کے یہاں مال کی ریل پیل ہے، جو ڈھلتی چھاؤں پر اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلے میں برتر سمجھتے ہیں۔

(2)﴿زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ﴾ "دنیا کی زندگی کی زینت ہے تا کہ ہم انہیں اس آزمائش میں ڈالیں" یہ تو دنیا کی زندگی کا پھول ہے۔ جیسے پھول نرم و نازک لیکن زوال پذیر ہوتا ہے، صبح کے وقت کھلا شام کو اس کو ہاتھ لگاؤ تو پتی پتی ہو کر بکھر جاتا ہے ایسے ہی دنیا کی زندگی کا ساز و سامان ہے۔

(3) یعنی دنیا اور اس کی متاع، مثلاً لذیذ ماکولات و مشروبات، ملبوسات فاخرہ، آراستہ کئے ہوئے گھروں اور حسین و جمیل عورتوں سے حظ اٹھانے والوں کے احوال کو استحسان اور پسندیدگی کی نظر سے دوبارہ نہ دیکھیں، اس لیے کہ یہ سب کچھ دنیا کی خوب صورتی ہے اور اس سے صرف فریب خوردہ لوگ ہی خوش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرنے والوں کی نظریں ہی اسے پسندیدگی سے دیکھتی ہیں۔ آخرت سے قطع نظر کر کے، صرف ظالم لوگ ہی اس سے متمتع ہوتے ہیں۔ پھر یہ دنیا سب کی سب، تیزی سے گزر جاتی ہے، اپنے چاہنے والوں اور عشاق کو بے موت مار دیتی ہے۔ پس دنیا سے محبت کرنے والے لوگ اس وقت نادم ہوں گے جب ندامت کوئی فائدہ نہیں دے گی اور قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گے تب انہیں اپنی بے مائیگی کا علم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس دنیا کو فتنہ اور آزمائش بنایا ہے تا کہ معلوم ہو کہ کون اس کے پاس ٹھہرتا اور اس کے فریب میں مبتلا ہوتا ہے اور کون اچھے عمل کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ﴿۸﴾﴾ "یقیناً ہم نے زمین پر جو کچھ ہے اس کی زینت بنایا ہے تا کہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ اور جو بھی زمین پر ہے بلاشبہ ہم اُسے ضرور صاف میدان بنا دینے والے ہیں۔" (الکہف:8،7)(تفسیر سعدی:1650/2)

(4) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا شانہ پکڑ کر فرمایا: "دنیا میں اس طرح ہو جاؤ جیسے تم مسافر یا راستہ چلنے والے ہو" سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: شام ہو جائے تو صبح کے منتظر نہ رہو اور صبح کے وقت شام کے منتظر نہ رہو۔ اپنی صحت کو مرض سے پہلے غنیمت جانو اور زندگی کو موت سے پہلے۔ (بخاری:6416)

(5)﴿وَرِزْقُ رَبِّكَ﴾ "اور آپ کے رب کا رزق" یعنی دنیا میں جو نعمتیں بھی رب نے عطا فرمائی ہیں ان میں سے افضل وہ نعمتیں ہیں جو سلامتی والی زندگی کے حصول کے لیے کام آنے والی ہیں مثلاً علم، ایمان، عمل صالح وغیرہ اور اخروی رزق یعنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہمیشہ رہنے والی نعمتیں۔ (6)﴿خَيْرٌ﴾ "بہتر" یعنی علم، اور عمل صالح والی زندگی مال داروں کی زندگی سے بہتر ہے۔

(7)﴿وَّاَبْقٰى﴾ "اور زیادہ باقی رہنے والا ہے" یعنی اس علم، ایمان اور عمل صالح کے پھل کبھی ختم نہ ہوں گے۔

(8) رب العزت نے فرمایا: ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (١٦) وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (١٧)﴾ "بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔" (الاعلیٰ: 17,16)

(9) اس آیت کریمہ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ جب دیکھے کہ اس کا نفس سرکشی اختیار کر کے دنیا کی زیب وزینت کی طرف مائل اور متوجہ ہے تو وہ اپنے رب کے اس رزق کو یاد کرے جو آئندہ زندگی میں اسے عطا ہونے والا ہے۔ پھر ان دونوں کے درمیان موازنہ کرے۔ (تفسیر سعدی: 1651/2)

(10) اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو دنیا کے مال ومتاع کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے سے بھی روک دیا تھا کیونکہ پہلی بات تو اسی کے اندر موجود ہے ﴿زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ "دنیا کی زندگی کی زینت ہے" دنیا کی زندگی کا پھول ہے۔ جس وقت انسان دنیا پر نظریں لگاتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ ختم ہوتا ہے، دل سے قناعت اٹھ جاتی ہے۔ اس وجہ سے انسان کا دل خواہشات کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور قربت میں فرق آجاتا ہے۔ اس وجہ سے دنیا میں اگر انسان کو چند سہولتیں نصیب ہو جائیں تو انسان کو راحت نہیں ملتی۔ وہ آخرت کی سعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے انسان انفاق کرنے سے رکتا ہے اور بالآخر شیطان کی غلامی، دنیا کی غلامی اور نفس کی غلامی میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی لیے فرمایا: ﴿وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ "اور تیرے رب کا رزق ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔"

(11) رب العزت نے فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ﴾ "جو کوئی آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کریں گے اور جو کوئی دنیا کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے ہم اسے اس میں سے کچھ دے دیں گے اور آخرت میں اُس کے لیے کوئی حصہ نہیں۔" (الشوریٰ: 20)

(12) نبی کریم ﷺ (غزوہ خندق کے شروع ہونے سے کچھ پہلے جب خندق کی کھدائی ہو رہی تھی) میدان خندق کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم سردی کی سختی کے باوجود صبح ہی صبح خندق کھودنے میں مصروف ہیں۔ ان کے پاس غلام بھی نہیں تھے جو ان کی اس کھدائی میں مدد کرتے۔ آپ ﷺ نے ان کی تھکن اور بھوک کو دیکھا تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی: ﴿اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْاٰخِرَةْ فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَالْمُهَاجِرَةْ﴾ ”اے اللہ تعالیٰ! زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے پس انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمائیے۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے جواب میں کہا: ﴿نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا أَبَدًا﴾ ”ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر اس وقت تک جہاد کرنے کا عہد کیا ہے جب تک ہماری جان میں جان ہے۔“ (بخاری:2834)

(13) سیدنا مطرف رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں آیا، آپ ﷺ سورہ التکاثر پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ابنِ آدم کہتا ہے میرا مال میرا مال میرا مال۔ اے ابنِ آدم! تیرا کیا مال ہے؟ تیرا مال تو صرف وہی ہے جو تو نے کھایا اور کھا کر ختم کر دیا اور جو تو نے پہنا اور پہن کر ختم کر دیا یا تو نے صدقہ کیا اور بچا لیا۔“ (صحیح مسلم:7420)

(14) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک مرتبہ) بازار سے گزرتے ہوئے کسی بلندی سے مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے دونوں طرف تھے۔ آپ نے بھیڑ کا ایک بچہ جو چھوٹے کانوں والا تھا، اسے مرا ہوا دیکھا۔ آپ ﷺ نے اس کا کان پکڑ کر فرمایا: ”تم میں سے کون اسے ایک درہم میں لینا پسند کرے گا؟“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم میں کوئی بھی اسے کسی چیز کے بدلے میں لینا پسند نہیں کرتا اور ہم اسے لے کر کیا کریں گے۔ (کیونکہ یہ تو مردار ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا تم چاہتے ہو کہ یہ تمہیں مل جائے؟“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا: اللہ کی قسم! اگر یہ (بھیڑ کا بچہ) زندہ بھی ہوتا تو پھر بھی اس میں عیب تھا کیونکہ اس کا کان چھوٹا ہے حالانکہ اب تو یہ مردار ہے (اسے کون لے گا؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ دنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے کہ جس طرح تمہارے نزدیک یہ مردار ذلیل ہے۔“ (مسلم:7418)

(15) سیدنا عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ جو بنی عامر بن عدی کے حلیف تھے اور بدر کی لڑائی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھے، انہوں نے خبر دی کہ نبی ﷺ نے ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو بحرین، وہاں کا جزیہ لانے کے لئے بھیجا۔ نبی ﷺ نے بحرین والوں سے صلح کر لی تھی اور ان پر علاء بن الحضرمی کو امیر مقرر کیا تھا۔ جب سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین سے جزیہ کا مال لے کر آئے تو انصار نے آپ کے آنے کے متعلق سنا اور صبح کی نماز نبی ﷺ کے ساتھ پڑھی اور جب نبی ﷺ جانے لگے تو وہ آپ کے سامنے آ گئے۔ نبی ﷺ انہیں دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: ”میرا خیال ہے کہ ابو عبیدہ کے آنے کے متعلق تم نے سن لیا ہے اور یہ بھی کہ وہ کچھ لے کر آئے ہیں؟“ انصار نے عرض کیا: جی ہاں، یا رسول اللہ! نبی ﷺ نے فرمایا: ”پھر تمہیں خوشخبری ہو تم اس کی امید رکھو جو تمہیں خوش کر دے گی، اللہ کی قسم! فقر و محتاجی وہ چیز نہیں ہے جس سے میں تمہارے متعلق

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ڈرتا ہوں بلکہ میں تو اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر بھی اسی طرح کشادہ کردی جائے گی، جس طرح ان لوگوں پر کردی گئی تھی جو تم سے پہلے تھے اور تم بھی اس کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی اسی طرح کوشش کرو گے جس طرح وہ کرتے تھے اور تمہیں بھی اسی طرح غافل کردے گی جس طرح ان کو غافل کیا تھا۔'' (بخاری:6425)

(16) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دنیا بڑی میٹھی اور سرسبز (یعنی پرکشش) ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم کو (زمین میں) جانشین بنائے گا، پھر دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ پس (اس میٹھی اور پرکشش) دنیا سے بچ کر رہو اور عورتوں سے بھی محتاط رہو کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورت کی وجہ سے پیدا ہوا۔'' (صحیح مسلم:6948)

(17) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دینار و درہم کے بندے، عمدہ ریشمی چادروں کے بندے، سیاہ کملی کے بندے، تباہ ہوگئے کہ اگر انہیں دیا جائے تو وہ خوش ہوجاتے ہیں اور اگر نہ دیا جائے تو ناراض رہتے ہیں۔'' (بخاری:6435)

(18) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت۔'' (صحیح مسلم:7417)

(19) سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی اہم ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتے۔'' (جامع ترمذی:2320)

(20) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مال داری، ساز و سامان کی کثرت کا نام نہیں ہے بلکہ اصل مال داری، نفس کی مال داری ہے۔'' (صحیح بخاری:6446، صحیح مسلم:2420)

(21) سیدنا مستورد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! دنیا آخرت کے مقابلے میں اس طرح ہے کہ جس طرح تم میں سے کوئی ایک اپنی انگلی اس (دریا) میں ڈال دے (یحییٰ نے شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ کیا) اور پھر اس انگلی کو نکال کر دیکھے کہ اس میں کیا لگتا ہے۔'' (مسلم:7197)

(22) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن جہنم والوں میں سے اس آدمی کو لایا جائے گا جو اہل دنیا میں سے (دنیا میں) بہت نعمتوں والا تھا۔ پھر اس سے کہا جائے گا: اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی کوئی بھلائی بھی دیکھی تھی؟ کیا تجھے کبھی کوئی نعمت بھی ملی تھی؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! اللہ کی قسم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں (ملی) اور (پھر) اہل جنت میں سے اس آدمی کو پیش کیا جائے گا جسے دنیا میں لوگوں سے سب سے زیادہ تکلیفیں آئی ہوں گی۔ پھر اسے جنت میں ایک دفعہ غوطہ دے کر پوچھا جائے گا: اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی کوئی تکلیف بھی دیکھی؟ کیا تجھ پر کبھی کوئی سختی بھی گزری؟ وہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! اللہ کی قسم نہیں کبھی کوئی تکلیف میرے پاس سے نہ گزری اور نہ ہی میں نے کبھی شدت و سختی دیکھی۔'' (مسلم:7088)

(23) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے کبھی سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا، اور کبھی کسی سے فاقہ کا شکوہ بھی نہیں کیا۔ (صحیح بخاری:5461)

(24) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ ﷺ اکثر فاقہ پر فاقہ کیے جاتے تھے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ بھوک کی وجہ سے آپ ﷺ کو رات بھر نیند نہ آتی تھی۔ مگر اگلے دن آپ ﷺ پھر روزہ رکھ لیتے تھے، میں نبی ﷺ کے فاقہ کی حالت کو دیکھ کر رو پڑا کرتی تھی اور کہا کرتی تھی: ''میں قربان جاؤں، دنیا میں سے اتنا تو قبول کر لیجیے جو جسمانی طاقت کے قائم رکھنے کو کافی ہو۔ آپ ﷺ جواب میں فرماتے: ''عائشہ رضی اللہ عنہا! مجھے دنیا سے کیا کام! میرے بھائی اولوالعزم رسول تو اس سے بھی زیادہ کٹھن حالات پر صبر کیا کرتے تھے۔ وہ اسی چال پر چلے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا اکرام کیا۔ اب اگر میں آسودگی کو پسند کروں تو مجھے شرم آتی ہے کہ اس صفت میں کل ان سے کم رہ جاؤں گا۔'' (کتاب الشفاء:1/143,142)

(25) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کئی دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ متواتر مہینہ مہینہ بھر ہمارے چولہے میں آگ روشن نہ ہوتی تھی۔ پوچھا گیا: پھر آپ کا گزارا کس طرح ہوتا تھا؟ فرمایا: سارا کنبہ پانی اور کھجور پر گزران کر لیتا تھا۔ (صحیح بخاری:5461)

﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْــَٔـلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ

''اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور خود بھی اس پر خوب پابند رہیں، ہم آپ سے کوئی رزق نہیں مانگتے، رزق تو ہم ہی آپ کو

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾

دیں گے۔ اور آخری انجام تو تقویٰ (والوں) کے لیے ہے'' (132)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن منذر، طبرانی اور ابونعیم نے حلیۃ میں روایت کی ہے کہ ابن سلام کا قول ہے کہ نبی ﷺ پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ بہت شدت کی تکلیف میں تھے یا تنگی میں تھے۔ اس وقت آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں اور مالک اور بیہقی نے روایت کیا ہے: اسلم کہتے ہیں کہ سیدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ رات کو نماز پڑھتے تھے جتنی اللہ تعالیٰ چاہتا حتیٰ کہ رات کا آخری حصہ ہو جاتا تو اپنے گھر والوں کو نماز کے لیے اٹھاتے تھے اور ان سے کہتے تھے: الصلوۃ الصلوۃ اور اس وقت یہ آیت پڑھتے تھے ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ﴾ کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں۔ (تفسیر مراغی: 140/6)(تفسیر منیر: 666/8)

سوال 2: گھر والوں کو نماز کی تاکید کرنے کے حکم کی وضاحت ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ ... نَرْزُقُكَ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ﴾ ''اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں'' یعنی اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم فرما کر انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا لو اور خود بھی پابندرہ کر ان پر صبر کرتے رہو۔ (مختصر ابن کثیر: 1195/1)

(2) ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے گھر کو صالح اور ایمان والے مسلمانوں کا گھر بنائے۔ یہ باہمی یگانگت اور محبت پیدا کرنے کے لیے ہے۔

(3) اس آیت میں آپ ﷺ کو خطاب ہے تاہم حکم عام ہے۔ اس لئے آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ بچہ جب سات برس کا ہو جائے تو اسے نماز ادا کرنے کو کہو۔ اگر دس سال کا ہونے پر بھی اسے نماز کی عادت نہ پڑے تو اسے مار کر نماز پڑھاؤ۔ (ابوداؤد)

(4) رسول اللہ ﷺ پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ روزانہ صبح کی نماز کے وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر جا کر آواز دیتے تھے۔ الصلوۃ الصلوۃ۔ (قرطبی)

(5) جب کبھی سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی امراء وسلاطین کی دولت وحشمت پر نظر پڑتی تو فوراً اپنے گھر والوں کو نماز کے لئے دعوت دیتے اور یہ آیت پڑھ کر سناتے تھے اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب رات کو تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو اپنے گھر والوں کو بھی بیدار کر دیتے تھے اور یہی آیت پڑھ کر سناتے تھے۔ (قرطبی)

(6) ﴿وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ ''اور خود بھی اس کے پابند رہو'' یعنی اس کے قیام کی، اس کی ادائیگی کی، اس کی حدود کی پابندی کرو۔ (جامع البیان: 258/16)

(7) یعنی نماز پر قائم رہو، اس کی تمام حدود، اس کے ارکان، اس کے آداب اور اس کے خشوع وخضوع کے ساتھ۔ کیونکہ اس میں نفس کے لئے مشقت ہے۔ تاہم مناسب یہی ہے کہ دائمی طور پر نفس کو نماز پڑھنے پر مجبور اور اس کے ساتھ جہاد کرتے رہنا چاہیے اور اس پر صبر کرنا چاہیے کیونکہ بندہ مومن جب اس طریقے سے نماز قائم کرتا ہے جس طریقے سے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

قائم کرنے کا اسے حکم دیا گیا ہے تو نماز کے علاوہ دیگر دین کی حفاظت کرنے اور اس کو قائم کرنے کی اس سے زیادہ توقع کی جاسکتی ہے۔ اگر وہ نماز کو ضائع کرتا ہے تو دیگر دین کو زیادہ برے طریقے سے ضائع کرے گا۔ (تفسیر سعدی:1652,1651/2)

(8)﴿لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ﴾ ”ہم آپ سے کوئی رزق نہیں مانگتے، رزق تو ہم ہی آپ کو دیں گے“ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو رزق کی ضمانت دی اور ترغیب دی کہ آپ اقامت دین کو چھوڑ کر حصول رزق میں مشغول نہ ہوں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا﴾ یعنی آپ کا رزق ہمارے ذمہ ہے ہم نے جس طرح تمام خلائق کے رزق کی کفالت اپنے ذمہ لی ہے اسی طرح آپ کے رزق کی کفالت بھی ہمارے ذمہ ہے۔ اس شخص کے رزق کی ذمہ داری ہم پر کیسے نہ ہو جو ہمارے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور ہمارے ذکر میں مشغول رہتا ہے؟ (تفسیر سعدی:1652,1651/2)

(9)﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ﴾ ”اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، وہ اُس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔ اور اُس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے وہ گمان بھی نہیں رکھتا۔“ (الطلاق:3,2)

(10)﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝﴾ ”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا کیا ہے تاکہ وہ میری عبادت کریں۔ نہیں میں ارادہ رکھتا اُن سے رزق کا اور نہ ہی میں ارادہ رکھتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بے حد رزق دینے والا، طاقت والا، نہایت مضبوط ہے۔“ (الذٰریات:56-58)

(11) سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کا مقصود حصول دنیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے کام بکھیر دیتا ہے اور اس کا فقر اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے اور اسے دنیا اتنی ہی ملتی ہے جتنی اس کے لیے مقدر ہے اور جس کی نیت آخرت کا حصول ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے کام مرتب کر دیتا ہے اور اس کے دل میں غنا پیدا فرما دیتا ہے اور دنیا ذلیل ہو کر اس کے پاس آتی ہے۔“ (ابن ماجہ:4105)

(12) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ابن آدم! تو میری عبادت کے لئے یکسو ہو جا، میں تیرا سینہ استغناء و بے نیازی سے بھر دوں گا، اور تیری محتاجی دور کروں گا، اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرا دل مشغولیت سے بھر دوں گا اور تیری محتاجی دور نہ کروں گا۔“ (ترمذی:2466)

سوال 3: تقویٰ والوں کا انجام دونوں جہانوں میں اچھا ہے، اس کی وضاحت ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

Para-16 21

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جواب: (1) ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى﴾ ”اور آخری انجام تو تقویٰ (والوں) کے لیے ہے“ انسان جب عبادت کرتا ہے تو اس سے دُنیا میں بھی فائدہ اُٹھاتا ہے اور آخرت میں بھی اس کا اجر ملے گا۔ اس لحاظ سے بھلائی تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر اس کی اطاعت کرنے والوں اور اس کے عذاب کے خوف سے گناہ چھوڑنے والوں کے لیے ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ کا رزق متقی اور غیر متقی سب کے لئے عام ہے، اس لیے ان امور کا اہتمام کرنا چاہیے جن پر ابدی سعادت کا دارومدار ہے، اور وہ ہے تقویٰ۔ لہٰذا فرمایا: ﴿وَالْعَاقِبَةُ﴾ یعنی دنیا و آخرت کا انجام ﴿لِلتَّقْوٰى﴾ تقویٰ کے لئے ہے اور تقویٰ سے مراد ہے مامورات کی تعمیل اور منہیات سے اجتناب۔ اور جو کوئی ان کو قائم کرتا ہے، انجام اسی کا اچھا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ ”اور اچھا انجام متقین کا ہے۔“ (الاعراف:128) (تفسیر سعدی:1651/2، 1652)

(3) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے رات کو خواب میں دیکھا، گویا ہم عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں اور ہمارے پاس ابن طاب کے باغ کی کھجوریں لائی گئی ہیں، میں نے اس خواب کی تعبیر یہ کی کہ دنیا میں سربلندی اور آخرت میں اچھا انجام ہمیں ہی حاصل ہوگا اور ہمارا دین بے حد پاکیزہ ہے۔“ (مسلم:5932)

﴿وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى﴾

”اور انہوں نے کہا کہ وہ ہمارے پاس ہمارے رب کی جانب سے کوئی معجزہ کیوں نہیں لاتا؟ اور کیا ان کے پاس پہلے صحیفوں کی کوئی دلیل نہیں آئی؟“ (133)

سوال 1: کافر معجزات کا جو مطالبہ کرتے تھے، اس کی وضاحت ﴿وَقَالُوْا ... مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ ”اور انہوں نے کہا کہ وہ ہمارے پاس ہمارے رب کی جانب سے کوئی معجزہ کیوں نہیں لاتا؟“ جیسے صالح علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے اونٹنی اتاری تھی، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے تھے، کوڑھی اور اندھے کو اچھا کرتے تھے ایسے ہی یہ معجزات طلب کرتے تھے۔ (جامع البیان:259/16)

(2) رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾﴾ ”اور انہوں نے کہا کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

آپ ہمارے لیے زمین سے کوئی بہتا چشمہ جاری نہ کر دیں۔ یا آپ کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو، چنانچہ آپ اس کے درمیان میں نہریں جاری کر دیں، خوب جاری کرنا۔ یا جیسے آپ نے دعویٰ کیا ہے، ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں یا اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو آپ ہمارے سامنے لے آئیں۔'' (بنی اسرائیل: 90-92)

سوال 2: قرآن مجید ایک نشانی ہے، اس کی وضاحت ﴿اَوَلَمْ ... الْاُوْلٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے کافروں کے مطالبات کے جواب میں فرمایا: ﴿اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى﴾ ''کیا بھلا ان کے پاس پہلے صحیفوں کی دلیل نہیں پہنچی؟'' یعنی قرآن عظیم جسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا ہے، حالانکہ آپ نبی امی ہیں نہ اچھی طرح لکھنا جانتے ہیں اور نہ آپ نے اہل کتاب کی کتابوں کو پڑھا ہے، اس کے باوجود قرآن مجید میں بہت سے پہلے لوگوں کے حالات بھی بیان کیے گئے ہیں اور وہ سابقہ صحیح کتابوں میں بیان کیے گئے حالات کے عین مطابق ہیں، قرآن مجید ان سب کتابوں پر مشتمل ہے، ان میں موجود صحیح باتوں کی تصدیق کرتا ہے اور ان غلط باتوں کی نشاندہی کرتا ہے جو انسانوں نے از راہ کذب و افترا ان میں اپنی طرف سے شامل کر دی ہیں۔ (المصباح المنیر: 4/94)

(2) ﴿وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (۵۰) اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (۵۱)﴾ ''اور اُنھوں نے کہا کہ اس پر اس کے رب کی جناب سے معجزات کیوں نہیں اُتارے گئے؟ آپ کہہ دیں کہ معجزات صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور میں صرف اور صرف کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اور کیا اُنھیں یہ کافی نہیں ہے کہ یقیناً ہم ہی نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جو اُنھیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ بلاشبہ اس میں یقیناً رحمت اور نصیحت ہے اُس قوم کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔'' (العنکبوت: 50،51)

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا کیا گیا اور اس معجزہ کی مناسبت سے لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور جو معجزہ مجھے دیا گیا ہے وہ وحی (یعنی قرآن مجید) ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی مجھے دیا ہے، لہٰذا میں امید کرتا ہوں کہ میرے ماننے والے سب نبیوں کے ماننے والوں سے زیادہ ہوں گے۔'' (بخاری: 152)

﴿وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا

''اور اگر ہم اس سے پہلے انھیں کسی عذاب میں ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى﴾

نہیں بھیجا؟ پھر ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ورسوا ہوتے“ (134)

سوال: حجت قائم ہونے سے پہلے عذاب نہیں آتا، اس کی وضاحت ﴿وَلَوْ اَنَّآ... وَنَخْزٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1)﴿وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا﴾ ”اور اگر ہم اس سے پہلے انہیں کسی عذاب میں ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا“ یعنی اگر رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہونے سے پہلے انہیں ہلاک کر دیتے تو یہ چیختے کہ ہمارے پاس پہلے رسول کیوں نہیں بھیجا۔

(2)﴿فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى﴾ ”پھر ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل و رسوا ہوتے“ یعنی اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ہوتے یعنی دنیا میں عذاب میں مبتلا ہوتے ﴿وَنَخْزٰى﴾ یعنی قیامت کے دن آگ میں داخل ہو کر رسوا ہو جاتے۔ اس سے پہلے ہم رسول کی رسالت پر ایمان لے آتے۔ (تفسیر روح المعانی:41/9)

(3)﴿اَنْ نَّذِلَّ﴾ سے مراد ہے قتل ہو جاتے یا دنیا میں قیدی بن جاتے اور ﴿وَنَخْزٰى﴾ سے مراد قیامت کے دن آگ میں داخل ہونا ہے۔ (تفسیر بیضاوی:79/4)

(4) جب کبھی انسان مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے، اس کے چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں۔ اس کے سامنے سے گرد وغبار چھٹ جاتا ہے جو آسانی کے حالات میں اس کے دل کا احاطہ کیے رکھتا ہے اور جس کی وجہ سے اسے حقیقت دکھائی نہیں دیتی۔ وہ حقیقت کا اعتراف کر لیتا ہے۔ پھر جس وقت انسان سے ایسی مصیبت والی کیفیت ہٹ جاتی ہے وہ پھر اسی طرح کا ہو جاتا ہے۔

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ ”اور ہم کبھی عذاب دینے والے نہیں جب تک کہ ہم کوئی رسول نہ بھیجیں۔“ (بنی اسرائیل:15)

(6)﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ﴾ ”اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں یہاں تک کہ اُن کے مرکز میں رسول بھیج دے جو انہیں ہماری آیات پڑھ کر سنائے، اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر جب اُن کے رہنے والے ظالم ہوں۔“ (القصص:59)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ع 8 7 17

﴿قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ

’’آپ کہہ دیں ہر ایک منتظر ہے سو تم بھی انتظار کرو، پھر جلد ہی تم جان لو گے کہ سیدھے راستے والے کون ہیں

وَمَنِ اهْتَدٰى﴾

اور کس نے ہدایت پائی؟‘‘ (135)

سوال 1: انجام کا انتظار کرو، اس کی وضاحت ﴿قُلْ ... وَمَنِ اهْتَدٰى﴾ کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا﴾ ’’آپ کہہ دیں ہر ایک منتظر ہے سو تم بھی انتظار کرو‘‘ ہر ایک انجام کا منتظر ہے۔ اس سے مراد مسلمانوں اور کافروں کا انتظار ہے کہ دیکھو کفر غالب آتا ہے یا اسلام۔ رب العزت نے نبی ﷺ سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دو جو آپ ﷺ کو جھٹلاتے ہیں: ﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ﴾ ’’آپ کہہ دیں تم ہمارے لیے دو بھلائیوں میں سے ایک کے سوا کسی اور کا انتظار نہیں کرتے (یعنی کامیابی یا شہادت) اور ہم تمہارے لیے اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے تمہیں کوئی عذاب پہنچائے یا ہمارے ہاتھوں سے، سو تم انتظار کرو، یقیناً ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔‘‘ (التوبہ:52)

(2) ﴿فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى﴾ ’’پھر جلد ہی تم جان لو گے کہ سیدھے راستے والے کون ہیں اور کس نے ہدایت پائی‘‘ یعنی ہر ایک اچھے انجام کا منتظر ہے تو بہت جلد پتہ چل جائے گا کہ اپنے عمل کے انجام کے اعتبار سے کون کامیاب ہے اور کون ناکام ہے، اور کون ہے جو عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے اور کون ہے جو نجات یافتہ ہے۔

(3) رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ﴾ ’’اور اللہ تعالیٰ بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے خوب جانتا ہے۔‘‘ (البقرۃ:220)

(4) ﴿وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ ’’اور جلد ہی وہ جان لیں گے جب عذاب دیکھیں گے کہ کون سب سے زیادہ راستے سے بھٹکا ہوا ہے‘‘ (الفرقان:42)

(5) ﴿سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ﴾ ’’جلد ہی کل وہ جان لیں گے کہ کون بڑا جھوٹا اور خود پسند ہے؟‘‘ (القمر:26)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

ALNOOR-PUBLICATIONS

النّور پبلیکیشنز